فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿القرآن الکریم﴾

حرمتِ متعہ

بجواب

جوازِ متعہ

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز دامت برکاتہم
بانی و مہتمم جامعہ ابراھیمیہ سیالکوٹ

شعبہ نشر و اشاعت
جامعہ ابراھیمیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

حُرمتِ مُتعہ

در جواب

جوازِ مُتعہ

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا
محمد علی جانباز
مہتمم جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ

ناشر
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ

طبع اول	------------	اگست ۱۹۹۳ء
تعداد	------------	ایک ہزار
مطبع	------------	ندیم یونس پریس
قیمت	------------	-/ 90 روپے
کتابت	------------	عنایت بیگ
ناشر	------------	عطاالرحمٰن اشرف۔ ناظم شعبہ نشرواشاعت جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱	حرفِ آغاز۔	۱۱
۲	مُتعہ	۱۹
۳	ابتداءِ اسلام میں کس قسم کا مُتعہ مُباح تھا؟	۲۲
۴	خُلاصۂ کلام۔	۲۵
۵	شیعہ رافضیوں کو مُتعہ کی بابت حضرت عمرؓ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔	۲۷
۶	حُرمتِ مُتعہ کی ایک وِجدانی دلیل۔	۲۸
۷	مُتعہ کا لُغوی معنیٰ۔	۲۹
۸	اِصطلاحی معنیٰ۔	//
۹	نفاذِ شریعت میں رُکاوٹ۔	//
۱۰	کیا اہلِ سنّت کے نزدیک حلتِ مُتعہ اِختلافی مسئلہ ہے۔	۳۱
۱۱	مُتعہ اور مسئلہ مِلکِ یمین۔	۳۲
۱۲	کیا مُتعہ ایک رواجی اَمر ہے؟	۳۵
۱۳	کیا شیعہ خیرالبریّہ فرقہ ہے؟	۳۷
۱۴	عقائدِ شیعہ۔	//
۱۵	شیعہ مذہب میں لواطت جائز ہے۔	//
۱۶	بیوی سے غیر فطری عمل قرآن کی نظر میں۔	۴۶
۱۷	حضرت علیؓ کا قول۔	۴۸
۱۸	خلافِ فِطرت فعل قرآن کی نظر میں۔	//

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۹	قوم لُوط اور اس کا انجام۔	۵۰
۲۰	غیر فطری طریقہ سے قضاءِ شہوت کی حُرمت احادیث میں۔	۵۱
۲۱	اس خلافِ فطرت فعل کی سزا۔	۵۴
۲۲	شیعہ شرّ البریّہ کے کُفریہ عقائد۔	۵۷
۲۳	حضرات شیخین کے بارے میں۔	۵۸
۲۴	ایک غلط خیال کی تردید۔	۶۷
۲۵	ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی۔	۶۹
۲۶	حضرات شیخین (معاذ اللہ) مومن نہیں، منافق تھے۔	"
۲۷	معاذ اللہ تین کے سوا تمام صحابہؓ مُرتد ہوگئے۔	۷۵
۲۸	ازواجِ مطہرات حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کی شان میں گستاخی۔	۸۱
۲۹	مولوی محمد حسین فاضل نجف اشرف۔	۸۴
۳۰	مولوی حسین بخش جاڑا۔	۸۵
۳۱	مولوی غلام حسین نجفی۔	۸۶
۳۲	مرزا حسن الحائری الاحقاقی۔	۸۷
۳۳	شیخین کے بارے میں علامہ خمینی کا عقیدہ۔	۸۸
۳۴	تحریف قرآن کا شیعی عقیدہ۔	۹۲
۳۵	عقیدہ تحریفِ قرآن اور مولوی مقبول احمد دہلوی۔	۱۰۰
۳۶	انتباہ	۱۰۸
۳۷	ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب، عقیدہ تحریف قرآن۔	۱۰۹
۳۸	مولوی محمد حسین مجتہد فاضلِ نجف اشرف۔	۱۱۷

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۳۹	مولوی حسین بخش جاڑا۔	۱۱۹
۴۰	حضرت علیؓ قرآن سے افضل ہیں۔	″
۴۱	مرزا علی امرتسری ثم لاہوری۔	۱۲۰
۴۲	عقیدۂ تحریفِ قرآن اور ماہنامہ "خیر العمل" لاہور۔	″
۴۳	تبصرہ۔	۱۲۴
۴۴	شیعہ تراجم قرآن اور تحریف۔	۱۲۵
۴۵	تحریفِ قرآن اور قیامت میں پانچ جھنڈے۔	″
۴۶	ہمارا سوال۔	۱۲۸
۴۷	عقیدۂ امامت۔	۱۲۹
۴۸	کیا قاتلانِ حسینؓ خیر البریہ ہو سکتے ہیں؟	۱۳۴
۴۹	تمام پیغمبروں کے شیعہ ہونے کا دعویٰ،	۱۴۷
۵۰	لفظ شیعہ کا لغوی مفہوم۔	۱۴۸
۵۱	خلاصہ۔	۱۵۴
۵۲	اہلِ تَشَیُّع کا دوسرا اِستدلال۔	۱۵۶
۵۳	فتح القدیر کی روایت سے اِستدلال۔	۱۵۷
۵۴	حضرت علیؓ کی شیعہ روافض سے ناراضگی۔	۱۶۰
۵۵	شیعہ، حضرت علیؓ کے نزدیک گدھے ہیں	۱۶۱
۵۶	شیعہ رافضیوں کا حضرت علیؓ کی جاسوسی کرنا	۱۶۲
۵۷	شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ جھوٹے ہیں	″
۵۸	حضرت علی المرتضیٰؓ کی بد دعا۔	۱۶۳

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۵۹	شیعہ بے عقل فرقہ ہے۔	۱۶۳
۶۰	شیعہ کے حق میں حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی ایک اور بد دُعا۔	//
۶۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کو جھوٹا سمجھتے تھے۔	۱۶۴
۶۲	شیعہ رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غدّار ہیں۔	۱۶۵
۶۳	شیعہ رافضی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بھی غدّار ہیں۔	//
۶۴	تمام اہلِ بیت شیعہ رافضیوں کو غدّار اور قاتل سمجھتے ہیں۔	۱۶۶
۶۵	ایک اور واضح بیان۔	//
۶۶	حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بد دُعا۔	۱۶۷
۶۷	لفظ اہلِ حدیث اور قرآن۔	۱۶۹
۶۸	حُرمتِ مُتعہ نصُوصِ قرآن سے۔	۱۷۰
۶۹	شیعہ فاضل کا اعتراض۔	۱۸۰
۷۰	شیعہ مذہب اختلافات کا پلندہ ہے۔	۱۸۳
۷۱	حرام اور منسوخ میں فرق۔	۱۹۱
۷۲	امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اِستدلال پر اعتراض۔	۱۹۴
۷۳	حرمتِ مُتعہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔	۱۹۵
۷۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حُرمتِ مُتعہ۔	۱۹۸
۷۵	کُتبِ شیعہ۔	۲۰۰
۷۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت پر ایک جاہلانہ اِعتراض۔	۲۰۳
۷۷	شیعہ فاضل کا خُبثِ باطن۔	۲۰۷
۷۸	حدیث کے مورد کون لوگ ہیں؟	۲۱۱

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۷۹	اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں خلفاءِ راشدین کا مقام۔	۲۱۳
۸۰	نعمتہ البدعۃ کی تعبیر۔	۲۱۹
۸۱	خادمِ بخاری کی بددیانتی۔	۲۲۱
۸۲	ابنِ سیرین کا قول۔	۲۲۶
۸۳	موجودہ شیعہ روافض کی روش۔	۲۲۷
۸۴	حرمتِ متعہ، کتبِ شیعہ سے۔	〃
۸۵	حضرت ابنِ عباسؓ اور حرمتِ متعہ۔	۲۳۱
۸۶	حرمتِ متعہ پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔	۲۴۲
۸۷	خلاصہ۔	۲۵۱
۸۸	اجماعِ صحابہؓ پر ایک جاہلانہ اعتراض۔	۲۵۲
۸۹	حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں اختلاف	۲۵۵
۹۰	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔	۲۵۷
۹۱	حرمتِ متعہ کی ایک اور دلیل۔	۲۵۸
۹۲	حضرت عمرؓ اور حرمتِ متعہ	۲۶۰
۹۳	حرمتِ متعہ اور حدیثِ عمران بن حصین۔	۲۶۵
۹۴	ایک شبہ کا ازالہ۔	۲۶۸
۹۵	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر متعہ کی پیداوار ہونے کا افتراء۔	۲۷۵
۹۶	حضرت عبداللہؓ کے حقیقی اولاد ہونے پر مہرِ رسالت۔	۲۷۹
۹۷	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادتِ باسعادت پر صحابہؓ کی خوشی۔	〃
۹۸	نکاح کے بعد طلاق۔	۲۸۲

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۹۹	حضرت اسماءؓ کی دیگر اولاد۔	۲۸۵
۱۰۰	حرمتِ متعہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کا چیلنج۔	۲۸۶
۱۰۱	فضائلِ متعہ	۲۸۷
۱۰۲	متعہ کا قائل و فاعل شیعہ ہی ہو سکتا ہے۔	//
۱۰۳	شریعتِ شیعہ میں متعہ ضروری ہے۔	۲۸۸
۱۰۴	دوزخ سے آزادی کا پروانہ۔	//
۱۰۵	بہشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ۔	۲۸۹
۱۰۶	شرک سے بچنے کا آسان نسخہ۔	//
۱۰۷	شیعہ عورتوں کے لیے معراجی تحفہ۔	//
۱۰۸	شراب کا نعم البدل۔	۲۹۰
۱۰۹	متعہ سے جسم کے بالوں کے برابر نیکیاں۔	//
۱۱۰	گناہوں کی بخشش کا آسان ذریعہ۔	۲۹۱
۱۱۱	متعہ سے امام حسنؓ و حسینؓ اور حضور پاکؐ کا مرتبہ۔	۲۹۲
۱۱۲	غسلِ متعہ سے فرشتوں کی پیدائش۔	//
۱۱۳	متعہ سے نزولِ رحمت۔	۲۹۳
۱۱۴	شیعہ کے لیے خصوصی تحفہ۔	//
۱۱۵	تارکِ متعہ دشمنِ خدا ہے۔	۲۹۶
۱۱۶	تارکِ متعہ ناک کٹا ہے۔	۲۹۷
۱۱۷	آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔	//
۱۱۸	نور کے اسّی ہزار شہر	//

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۱۹	فاسقہ، فاجرہ اور زانیہ سے متعہ	۲۹۸
۱۲۰	ذائقہ کی تبدیلی۔	〃
۱۲۱	آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ... الخ سے غلط استدلال۔	۳۰۰
۱۲۲	خلاصہ	۳۰۳
۱۲۳	ایک شبہ کا ازالہ۔	۳۲۱
۱۲۴	آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ اور حضرت ابنِ عباس رضؓ۔	۳۲۳
۱۲۵	حُرمتِ مُتعہ پر اجماعِ اُمّت۔	۳۲۴
	شیعہ کے گھر کی شہادت۔	۳۳۴
	مذہبِ شیعہ اور خاندانِ نبوّتؐ کی خواتین۔	۳۴۲
	مُتعہ حضر میں کبھی حلال نہیں ہوا۔	۳۴۵
	مولانا مودودی مرحوم اور حُرمتِ متعہ	۳۴۸
	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۵۳
	عورتوں کا ختنہ	۳۵۵
	مُتعہ اور زِنا کا موازنہ	۳۵۷
	مُتعہ کے متعلق ایک عجیب وغریب حکایت	۳۶۱
	مولّف (اصلاحِ شیعہ) کا تعارف	۳۶۲
	وقتی نکاح یا مُتعہ	۳۶۴
	اِصلاح	۳۷۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آغاز

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ط

اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے۔ جس کی پشت پر زوجین کا مستقل بنیادوں پر زندگی گزارنے کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ تاکہ باہم نفسیاتی سکون اور مودّت و رحمت کی فضا پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے یعنی بقائے نسلِ انسانی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَحَفَدَۃً ط (النحل:۷۲)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیئے بیویاں پیدا کیں۔ اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیئے بیٹے اور پوتے پیدا کیئے۔

رہا متعہ کا نکاح، جو مرد کے کسی عورت سے مقرّرہ مدّت کے لیئے مقرّرہ اُجرت پر تعلّق پیدا کرنے کا نام ہے۔ تو وہ اس حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے پہلے سفر اور غزوات وغیرہ کے مواقع پہ دی گئی تھی، لیکن بعد میں آپؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ اور ابدی طور پر اس کو حرام قرار دے دیا۔ اب شریعتِ اسلامیہ میں متعہ اور زنا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اب جو شخص متعہ کرتا ہے یا اس کی اجازت دیتا ہے، تو وہ گویا ایسے ہے جیسے اس نے زنا کیا یا زنا کی اجازت دی۔ اور زنا کے بارے میں رب ذوالجلال قرآنِ پاک میں اِرشاد فرماتے ہیں،

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

اور بدکاری کے پاس مت جاؤ، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے۔ اور بہت بُری راہ ہے۔ (بنی اسرائیل : ۳۲)

اس آیت میں زِنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ بے حیائی ہے۔ اور اگر انسان میں حیا نہ رہے تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی بھلے بُرے کام میں امتیاز نہیں کر پاتا۔ اس معنٰی کے لیئے حدیث میں ارشاد ہے :۔

إِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

"یعنی جب تیری حیا ہی جاتی رہی (جو کسی بُرائی سے رکاوٹ بنتی ہے) تو پھر جو تُو چاہے کر"۔ اسی لیئے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کا ایک اہم شعبہ قرار دیا ہے۔ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ (مشکوٰۃ ص ۱۲ ج ۱)

دُوسری وجہ مُعاشرتی فساد ہے۔ جو زِنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں رہتی۔ اور اس کے نتائجِ بد بعض اوقات پُورے قبیلے اور قوم کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ فتنہ و فساد، چوری و ڈاکہ، قتل و غارت کی جتنی وارداتیں آج دنیا میں بڑھ گئی ہیں، ان کے حالات کی تحقیق کی جائے تو آدھے سے زیادہ واقعات کا سبب کوئی مرد و عورت نکلتے ہیں، جو اس جرم کے مرتکب ہوئے۔

اسی لیئے اسلام نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے۔ اس کی سزا بھی سارے جرائم کی سزاؤں سے زیادہ رکھی ہے۔ کیونکہ یہ ایک جرم دوسرے سینکڑوں جرائم کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

"ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں شادی شدہ زِنا کار پہ لعنت کرتی ہیں۔ اور جہنم میں

ایسے لوگوں کی شرمگاہوں سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہلِ جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے۔ اور آگ کے عذاب کے ساتھ ان کی رسوائی جہنم میں بھی ہوتی رہے گی۔ (تفسیرِ مظہری)

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے راقم الحروف کا زنا اور متعہ کے بارے میں وہی نظریہ ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور تمام مسلمانانِ عالم (اہلِ سنّت) کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ مگر ایک گمراہ فرقہ جس کو لوگ رافضیہ یا شیعہ کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ زنا، متعہ کی صورت میں جائز ہی نہیں بلکہ بڑے درجے اور ثواب کا کام ہے۔ اور جو اس عمل سے محروم رہا، وہ رافضی یا شیعہ جماعت سے خارج ہے۔ اور یہ لوگ اپنی زبان اور قلم سے اس عقیدہ کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا، راقم الحروف کے ایک فتویٰ دربارہ حرمتِ متعہ کے جواب میں ایک شیعہ دوست جناب سیّد بشیر حسین صاحب بخاری سرگودھا نے اپنے شیعی ہفت روزوں کے ذریعہ جن خیالات کا اظہار کیا، وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ متعہ ما بہ النزاع نہیں ہے۔

۲۔ قرآنِ پاک کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ.... الخ اس پر نصِّ جلی ہے۔

۳۔ پھر تمام مفسرینِ کرام نے اس کی کھُل کر تائید کی ہے۔

۴۔ کتبِ احادیث میں دربابِ نکاح اس کا تذکرہ موجود ہے۔

۵۔ متعہ شریعتِ اسلامیہ میں نہ حرام ہے، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ سوائے ایک فرقہ کے اس کا کوئی قائل نہیں بلکہ اکثر صحابہؓ متعہ کے قائل بھی تھے۔

اور عامل بھی۔ اور اس کا فتویٰ بھی دیتے تھے اور ہمیشہ کے لیئے متعہ کو جائز بھی سمجھتے تھے۔

۶۔ متعہ کی حرمت کا فتویٰ ابتداءً حضرت عمرؓ نے دیا۔

۷۔ دورِ حاضر کے نامور محقق اور مصنّف علامہ مودودی مرحوم نے بھی جوازِ متعہ پر فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ (مکتوب مؤرخہ ۱۸/۸/۱۴)

۸۔ حضرت اسماءؓ بنتِ ابوبکرؓ کا حضرت زبیرؓ سے متعہ کرنا وغیرہ۔

شیعہ دوست کے یہ مذکورہ خیالات چونکہ بے بنیاد اور سراسر دجل و فریب تھے۔ پھر حیرت کی بات یہ تھی کہ جو فریق متعہ کا سرے سے منکر ہے اور اُسے زنا و بدکاری سمجھتا ہے۔ اُنہی کی کتب اور اُنہی کے ائمہ سے اس فعلِ بد کو ثابت کرنے کی ڈِینگ ماری ہے۔ اور پھر ثابت بھی نہ کر سکے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں گے۔

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ٥

اگر موصوف یہ دعویٰ کرتے کہ یہ مذکورہ امور کتبِ اہلِ تشیّع میں ثابت ہیں تو ہمیں "حرمتِ متعہ" پر کچھ لکھنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کتبِ شیعہ میں اس سے بھی زیادہ بیہودہ باتیں ملتی ہیں جن کو دیکھ کر ہر مسلمان لاحول ولا قوۃ پڑھتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ مثلاً عقائد کے باب میں سب سے پہلے توحید کا عقیدہ وحدانیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی یا اس کا ایک ہونا، مگر شیعہ اس کے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ ضلالت کا خالق شیطان ہے۔ نہ کہ خدا۔ اور ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ خدا بھول جاتا ہے۔ اور جاہل بھی ہے (معاذ اللہ) اور مجبور بھی ہے۔ اور یہ بھی عقیدہ ہے لواطت (فعل قوم لوطؑ) جائز ہے۔ حالانکہ لواطت ایسا گھناؤنا جرم ہے جس کا دنیا میں کوئی کافر بھی قائل نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا

جرم ہے جس کی پاداش میں قومِ لوطؑ صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی۔ اور اس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ مگر داد دیں شیعہ مذہب کو جس نے یہ خبیث فعل بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ متعہ تو اس کے مقابلہ میں ہلکی چیز ہے۔ جس مذہب میں ایسی بے شمار شرمناک باتوں کو سندِ جواز حاصل ہو تو بھلا ہم اس مذہب کی تردید کرنے کی ہمّت رکھ سکتے ہیں؟ اگر تردید کریں بھی تو کتنی باتوں کی کریں گے۔ یہاں تو ہر بات عقل و دانش اور شرم و حیا کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ پس ایسے مذہب کو دُور سے ہی سلام بہتر ہے۔

مگر چونکہ شیعہ دوست نے اپنے تعاقب میں جوازِ متعہ کے سلسلہ میں کئی غلط باتوں کی نسبت کتبِ اہلِ سُنّت کی طرف کردی۔ اور دعوٰی کیا کہ اکثر صحابہؓ اور ائمہ اہلِ سنّت متعہ کے قائل و فاعل ہیں۔ چونکہ اس دعوٰی کا بُطلان ضروری تھا۔ اس لیئے اہلِ سنّت ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض تھا کہ صحابہؓ اور ائمۂ اہلِ سنّت کی طرف منسوب کی گئی غلط باتوں کی تردید کریں۔ اور کتبِ اہلِ سنّت سے مذکورہ اُمور کی تردید پیش کریں۔ چنانچہ اسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے "حرمتِ متعہ" رسالہ لکھ کر ہدیۂ قارئین کیا تھا۔ اور حوالجات بھی اکثر و بیشتر کتبِ اہلِ سنّت ہی سے دیئے گئے تھے کیونکہ ہمارا مقصد کسی دوسرے مذہب سے چھیڑ چھاڑ نہیں تھا۔ صرف ائمہ اہلسنّت اور کتبِ اہلِ سنّت کی پوزیشن واضح کرنا تھا۔

چنانچہ "حرمتِ متعہ" شائع ہونے کے کچھ عرصہ بعد "جوازِ متعہ" کے نام پر ایک کتابچہ ملا۔ پڑھنے سے پتہ چلا کہ یہ "حرمتِ متعہ" کا جواب ہے۔ اور سید بشیر حسین صاحب بخاری نے خود لکھنے کی بجائے وزیر آباد کے ایک واعظ و ذاکر خادم حسین سے جواب لکھوایا ہے۔ جس میں صرف جواب لکھنے کا شوق ہی پُورا کیا گیا ہے۔ وگرنہ

اُسے "حرمتِ متعہ" کا جواب کہنا حقیقت کا مُنہ چڑاتے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جس بیہودہ بات کی نسبت بخاری صاحب نے کتبِ اہلِ سنت اور ائمہ اہلِ سنت کی طرف کی تھی، اس کا منہ توڑ جواب دیا گیا تھا۔ مگر "جوازِ متعہ" میں اکثر باتوں کے تو جواب دینے ہی سے گریز کیا گیا ہے۔ اور جن باتوں کا جواب دیا ہے وہ بھی اُضحُوکَۃٌ لِلنّاس کے قبیل سے ہے۔ صاحبِ علم و دانش اور انصاف پسند لوگوں کے نزدیک یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے۔ کہ جو شخص اپنے فیلڈ سے نکل کر کسی دوسرے فیلڈ میں رائے زنی کرتا ہے تو اس سے ہمیشہ عجائبات ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ خادم حسین صاحب کا میدان مرثیہ و وعظ ہے۔ جس میں تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تو داد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو شخص لوگوں کو کثرت سے رُلانے کا فن جانتا ہے، وُہی شخص زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ جو شخص بے سروپا باتیں کرنے کا ماہر ہو، اور جھوٹے قصّے کہانیاں اس کو زیادہ آتی ہوں، وہ شخص اگر تحریری میدان میں آکر کوئی رائے زنی کرے گا۔ تو وہ صاحبِ علم لوگوں کے نزدیک کوئی تحقیقی بات نہ ہو گی۔ اس لیئے "جوازِ متعہ" کو صاحبِ علم و دانش لوگ "حرمتِ متعہ" کا جواب نہیں سمجھیں گے۔

الغرض جب سے "جوازِ متعہ" کتابچہ نظر سے گزرا، متعدّد احباب نے اس کا جواب لکھنے کی طرف توجّہ دلائی لیکن ہم نے اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اور یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی نئی اور تحقیقی بات تو ہے نہیں، صرف وقتی طور پر چند گپّیں لکھ کر اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ اس کتابچہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

لیکن احباب کے پیہم اِصرار کی بنا پر نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں اس کتابچہ کا جواب تیار

کرنا پڑا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ اس کتابچہ کے مصنّف مولانا خادم حسین اس جہان سے چل بسے ہیں۔ معاً ہم نے اپنی طرف سے جواب کی اشاعت کا خیال ترک کر دیا۔ اور یہ سمجھا کہ چلو اچھا ہُوا، ناقابلِ التفات باتوں کا جواب دینا بھی ہمارے شایانِ شان نہ تھا۔ اور ہمارے منصب سے فروتر تھا بالخصوص ان حالات میں کہ جب محرّک بھی اب اس دُنیا میں موجود نہیں۔

اب ہمیں یہ جان کر بڑی حیرت ہُوئی کہ سیّد بشیر حسین بخاری صاحب نے ایک پمفلٹ "احقاق الحق" میں دعوٰی کیا ہے کہ "جوازِ متعہ" نامی کتابچہ میں نے تحریر کیا تھا، اور خادم حسین صاحب وزیر آبادی کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ بات بالائے فہم معلوم ہوتی ہے کہ بخاری صاحب کو کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے اپنی تحقیقِ انیق وزیر آبادی صاحب کی نذر کر دی، اور اب بعد از مرگ وہ نذر واپس لے لی ہے۔

اگر بخاری صاحب میں اخلاقی جرأت ہوتی تو ان کی زندگی میں ایسی حرکت کرتے تو شاید وہ صاحب ہی ان کو کذّاب قرار دے دیتے۔ اب بخاری صاحب کے لیئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ اگر وزیر آبادی مؤلف کی اور بھی کچھ تالیفات ہیں تو یہ (بخاری) صاحب بڑی دیدہ دلیری سے ان پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے۔

ہمیں اپنے تیار کردہ جواب کو اب طبع کرانے کی ضرورت بخاری صاحب کے اس دعوٰی کی بناء پر پیش آئی ہے کہ اگرچہ مندرجاتِ کتابچہ "حرمتِ متعہ" انتہائی لغو، من گھڑت اور کذب و افتراء کا منہ بولتا ثبوت ہیں تاہم ان کا دعویدار جاگ اُٹھا ہے۔ اس نے وزیر آبادی صاحب کے کتابچہ پر غاصبانہ قبضہ کر کے بزعمِ خود ایک میدان کا شاہد مار لیا ہے۔ اب یہ میدان انہیں خالی نظر نہ آئے، اور ہمارا جواب ملاحظہ کر کے انہیں اپنے مبلغِ علم کا اندازہ ہو جائے اور

قارئین پر ان کے مغالطہ آمیز مندرجات کی قلعی کھل جائے۔ تاہم اگر دوستوں نے ضروری سمجھا تو دوسرے ایڈیشن میں اس کے اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔
لہٰذا اب یہ دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جن باتوں کے جوابات کی ضرورت تھی ان کے جوابات دے دیئے گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ ان جوابات سے ذہن صاف ہوں گے۔ اور غیر متعصب قارئین، متعہ کی حرمت کے قائل ہونے پر مجبور ہوں گے۔

محمد علی جانباز خادم العلم واھلہ

مُتعہ

ابتدائی شکل سے دائمی حرمت تک!

ابتدائِ اسلام میں حلال اور حرام کے بہت سے احکام رفتہ رفتہ نازل ہوئے چنانچہ شراب اور سُود کی حُرمت کا حکم نبوّت اور بعثت کے تقریباً پندرہ بیس سال کے بعد نازل ہوا۔

اسی طرح مُتعہ کے بارے میں حکمِ خداوندی کے نازل ہونے سے پہلے جاہلیّت کی عادت اور رسم و رواج کے موافق لوگ مُتعہ کیا کرتے تھے۔ اور اب تک اس بارے میں کوئی صریح اور واضح حکم نازل نہ ہوا تھا۔ سب سے پہلے خیبر کی لڑائی میں جو ہجرت کا ساتواں سال تھا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُتعہ اور لحوم حمر اہلیہ کی حُرمت کا اعلان فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے باسانید صحیحہ مَروی ہے۔ (بخاری و مسلم)

پھر اس کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال کے اخیر میں جنگِ اَوطاس کا واقعہ پیش آیا۔ صرف تین روز کے لیئے مُتعہ کی اِجازت ہُوئی۔ اور اباحت کے یہ معنٰی ہیں کہ جن لوگوں نے حسبِ سابق مُتعہ کر لیا تھا اور خیبر میں جو مُتعہ کی مُمانعت کی گئی تھی، اُس کا اُن کو علم نہ تھا اس لاعلمی میں جن لوگوں نے مُتعہ کر لیا، ان پر مؤاخذہ نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عمرہ کے لیئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے دونوں بازو ہاتھ سے پکڑ کر یہ فرمایا کہ: مُتعہ قیامت تک کے لیئے ہمیشہ کے واسطے حرام کیا گیا ہے۔

فتح مکّہ کے بعد چونکہ ہزاروں آدمی دائرہِ اسلام میں داخل ہوئے جن کو مُتعہ کی حُرمت کا علم نہ تھا اس لیئے ناواقفی کی بناء پر حسب رسم جاہلیّت انہی نومُسلموں کے بعض لوگوں

نے مقام اوطاس میں لاعلمی کی بناء پر متعہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے بابِ کعبہ پر کھڑے ہو کر متعہ کی دائمی حرمت کا اعلان فرمایا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں کچھ عورتوں کو مسلمانوں کے خیمہ کے قریب پھرتے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان عورتوں سے کچھ لوگوں نے متعہ کیا (معلوم ہوا کہ اس وقت یا کسی گذشتہ زمانہ میں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کی وجہ سے چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور خطبہ کے لیئے کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد متعہ سے منع فرمایا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے کبھی متعہ نہیں کیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی متعہ نہیں کریں گے۔

(کذا فی کتاب الاعتبار للامام الحازمی ص ۱۸۰)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ناراض ہونا حتیٰ کہ چہرۂ مبارک کے رنگ کا سرخ ہو جانا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ متعہ کی حرمت اور مخالفت آپؐ پہلے ہی فرما چکے تھے۔ بلکہ دو مرتبہ اس کی حرمت سے آگاہ کر چکے تھے۔ پہلی بار خیبر میں، اور دوسری بار غزوۂ اوطاس میں۔ پس دو مرتبہ کی ممانعت کے بعد جب یہ فعل ظہور میں آیا (اگرچہ وہ لاعلمی اور ناواقفیت کی بناء پر تھا) تو رسول اللہ کو شدید ناگوار گزرا۔ اور غصہ کے مارے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور سہ بارہ آپؐ نے اس کی حرمت کے لیئے خطبہ دیا۔ اور تیسری بار اس کی حرمت کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اس کے بعد پھر حجۃ الوداع میں حرمتِ متعہ کا اعلانِ عام فرمایا تاکہ خواص اور عوام سب ہی کو اس کی حرمت کا علم ہو جائے۔

بعض راویوں کو تحریم متعہ کے اس بار بار اعلان سے یہ گمان ہو گیا کہ متعہ دو یا تین مرتبہ

لہ:۔ بین القوسین عبارت فتح الباری سے ماخوذ ہے۔

حلال کیا گیا اور دو یا تین مرتبہ حرام کیا گیا۔ حالانکہ دوبارہ اور سہ بارہ اعلان کوئی جدید تحریم نہ تھی بلکہ تحریم قدیم اور بناءِ سابق کا اعادہ اور تاکید تھی۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بعض ناواقفیت کی بناء پر جن کو تحریم مُتعہ کی خبر نہ پہنچی تھی اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے، تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے۔ اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور مُتعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا تاکہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اور یہ فرمایا کہ میرے اس اعلان کے بعد اب اگر کوئی مُتعہ کرے گا، تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔ اس وقت سے مُتعہ بالکل موقوف ہو گیا اور اسی پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ جو لاعلمی کی بناء پر مُتعہ کے اباحت کے قائل تھے جب اُن کو مُتعہ کی حرمت اور ممانعت کا علم ہوا تو اپنے قول سے رجوع کیا۔ جیسا کہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں (ص ۱۴۷، ۲۳۰) نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرات اہلِ علم

" فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً "

کی تفصیل میں یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے ہوئی اور آٹھ یا نو برس کی عمر تک اپنے والدین کے ساتھ مکّہ معظمہ میں رہے۔ فتح مکّہ کے بعد ۸ھ میں جب حضرت عباسؓ نے مع خاندان کے ہجرت فرمائی تو ابنِ عباسؓ اپنے والد محترم کے ساتھ مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے اور غزوۂ خیبر (جس میں حرمتِ مُتعہ کا اعلان ہوا تھا) وہ ابنِ عباسؓ کے مدینہ منوّرہ آنے سے قبل ہو چکا تھا۔ اور اس عرصہ میں کوئی مُتعہ کا واقعہ بھی پیش نہیں آیا تھا اس لئے حضرت عباسؓ کو بذاتِ خود مُتعہ کے متعلق

کوئی خبر نہیں ہوئی۔ صرف دوسرے صحابہؓ کی زبانی سنا اور اس بناء پر فتویٰ دیا کہ جس طرح مجبوری کی حالت میں مردار اور خنزیر مباح ہو جاتا ہے، اسی طرح مجبوری کی حالت میں متعہ بھی جائز ہے لیکن بعد میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور دیگر صحابہؓ نے متعہ کے متعلق قیامت تک کی حرمت اور ممانعت کی روایتیں ابن عباسؓ کو سنائیں تو انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے حرمتِ متعہ کی روایتیں بے شمار آئی ہیں۔ مگر حضراتِ شیعہ متعہ کے اس درجہ شیدائی ہیں کہ حضرت علیؓ کی بھی نہیں سنتے۔

ابتداءِ اسلام میں کس قسم کا متعہ مباح تھا؟

جاننا چاہیئے کہ لفظ متعہ، متاع سے مشتق ہے جس کے معنی نفع قلیل کے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:۔

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ۔

اور مطلقہ کو جو کپڑوں کا جوڑا دیا جاتا ہے اس کو بھی متعہ اس لیئے کہتے ہیں کہ

بمقابلہ مہر نفع قلیل ہے۔ کما قال تعالیٰ فَمَتِّعُوهُنَّ وقال تعالیٰ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ، یہ مُتعہ کے اصل معنے ہُوئے۔ اور مُتعہ کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے۔ ایک یہ کہ مُتعہ سے نکاح مُوقّت مُراد ہو یعنی ایک مدت معینہ کے لیئے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے اِزدواجی تعلّق قائم کیا جائے۔ اور مدتِ معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مُفارقت واقع ہو جائے۔ لیکن مُفارقت کے بعد استبراءِ رحم کے لیئے ایک مرتبہ ایّامِ ماہواری کا انتظار کرے۔ تاکہ دُوسرے کے نُطفہ کے اِختلاط سے محفوظ رہے۔ فقط یہ صورت ابتداءِ اسلام میں جائز تھی۔ بعد میں ہمیشہ کے لیئے حرام ہو گئی۔ یعنی مُتعہ بمعنی نکاح مُوقّت ابتداءِ اسلام میں جائز تھا۔ اور بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے حرام ہو گیا۔

اور مُتعہ کے دُوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لیئے منتفع ہوں گا اور اس ایک یا دو روزہ اِنتفاع کی تجھ کو یہ اُجرت دُوں گا تو یہ صریح اور عین زِنا ہے۔ مُتعہ کی یہ صُورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہُوئی تاکہ اس کو منسُوخ کہا جائے۔ بلکہ مُتعہ کی صُورت کسی دِین میں بھی حلال نہیں ہُوئی۔ اس لیئے کہ مُتعہ کی یہ صُورت صریح زِنا ہے اور زِنا کسی دِین میں کبھی حلال نہیں ہُوا۔ البتہ مُتعہ کی پہلی صُورت یعنی نکاحِ مُوقّت (یعنی مدتِ معینہ کے لیئے گواہوں کی موجُودگی میں وَلی کی اجازت سے تعلّق قائم کرنا، اور مدتِ معینہ گزرنے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا) یہ ایک برزخی مقام ہے یعنی یہ نکاحِ مُوقّت نکاحِ مطلق اور زِنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں طلاق اور عدت اور میراث ہو۔ نکاح مُتعہ کی یہ صُورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری مشابہت ہے کہ مُتعہ کی اس صُورت میں گواہ کی بھی اور وَلی کی بھی اجازت کی ضرورت ہے۔ اور مرد سے

علیحدہ ہونے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک مرتبہ حیض نہ آجائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کر سکتی۔ اس لیئے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے نکاح مؤقت میں (کہ جس میں ابتداءً گواہی اور اذنِ ولی ضروری ہو اور انتہا استبراءِ رحم کے لیئے حیض کا آنا ضروری ہو) اور نکاح صحیح و مؤبد میں صرف مؤقت اور مؤبد اور میراث کا فرق ہے۔ باقی شرائط میں دونوں متفق ہیں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

روی اللیث بن سعد عن بکیر بن الاشج عن عمار مولی الشرید قال سألت ابن عباس عن المتعۃ اسفاح ھی ام نکاح؟ قال لا سفاح ولا نکاح قلت فما ھی؟ قال المتعۃ کما قال اللہ تعالیٰ قلت ھل علیہا عدۃ؟ قال نعم حیضۃ قلت یتوارثان؟ قال لا۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۵)

"امام لیث بن سعد، بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے متعہ کے متعلق یہ سوال کیا کہ متعہ نکاح ہے یا زنا۔ فرمایا متعہ نہ زنا ہے نہ نکاح ہے۔ میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا؟ فرمایا کہ وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے۔ میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے؟ فرمایا کہ ہاں! متعہ کی مدت گزرنے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے۔ میں نے سوال کیا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے؟ فرمایا نہیں"۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ یعنی مؤقت ایک برزخی مقام

ہے یعنی نکاحِ مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔ ابتداء اسلام میں صرف یہ صورت بھی ایسی مجبوری کی حالت میں جائز تھی جیسا کہ مجبوری کی حالت میں مردار اور خنزیر حلال ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:۔

قال ابو عمر لم یختلف العلماء من السلف والخلف ان المتعۃ نکاح الیٰ اجل لا میراث فیہ والفرقۃ تقع عند انقضاء الاجل من غیر طلاق وقال ابن عطیۃ وکانت المتعۃ ان یتزوج الرجل المرأۃ بشاھدین واذن الولی الی اجل مسمّی وعلی ان لا میراث بینھما و یعطیھا ما اتفقا علیہ فاذا انقضت المدۃ فلیس لہ علیھا سبیل ویستبرئ رحمھا لان الولد لاحق فیہ بلا شك فان لم تحمل حلت لغیرہ وفی کتاب النحاس فی ھذا خطأ وان الولد لا یلحق فی نکاح المتعۃ (قلت) ھذا ھو المفھوم من عبارۃ النحاس فانہ قال انما المتعۃ ان یقول لھا اتزوجك یوما او ما اشبہ ذلك علی انہ لا عدۃ علیك ولا میراث بیننا ولا طلاق ولا شاھد یشھد علی ذلك وھذا ھو الزنا بعینہ ولم یبح قط فی الاسلام ولذلك قال عمر لا اوتی برجل تزوج متعۃ الا غیبتہ تحت الحجارۃ۔

(تفسیر قرطبی ج ۵، ص ۱۳۲)

خلاصۂ کلام

یہ کہ احادیث نبویہ میں جس نکاحِ متعہ کی اباحت اور پھر اس کی حرمت اور ممانعت

کا ذکر ہے اس سے یہ عُرفی مُتعہ ہرگز ہرگز مُراد نہیں جس کے حضرات شیعہ قائل ہیں بلکہ اس سے وہ نکاح مُوقت مُراد ہے کہ جو ایک مدّتِ معیّنہ کے لیئے گواہوں کی موجُودگی میں وُلی کی اجازت سے منعقد ہو اور پھر مدّتِ معیّنہ گذر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت واقع ہو جائے، اور پھر اس کے بعد وہ عورت بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے مُتعہ نہ کر سکے۔ فقط یہ صُورت ابتداءِ اسلام میں بایں معنیٰ جائز اور مُباح تھی کہ شریعت میں ایک خاص صُورت کی ممانعت اور حُرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سُود کے ابتداءِ اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سُود کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جن لوگوں نے ممانعت سے پہلے شراب پی یا سُود لیا۔ شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ اس کو کوئی سزا دی گئی۔ یہاں تک کہ شراب اور سُود کی حُرمت کا حکم نازل ہو گیا۔

ابتداءِ اسلام میں شراب اور سُود کے حلال ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے سُود لے۔ اسی طرح مُتعہ بمعنیٰ نکاح مؤقت کے ابتداءِ اسلام میں جائز اور مباح ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں نکاحِ متعہ بمعنیٰ نکاحِ مؤقت کی ممانعت نہ تھی۔ معاذ اللہ یہ معنیٰ نہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قولاً نکاحِ مُتعہ کی اجازت دی تھی۔ نکاحِ مُتعہ کی حُرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا۔ اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر غزوۂ تبوک میں، اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام وخواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے۔ اور رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا حرمتِ مُتعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلے اعلانِ حُرمت کی تاکید کے لیئے تھا جو آپ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے۔ کوئی جدید حکم نہ تھا۔ باقی شیعوں والا مُتعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا دو دن، ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے

کے لیئے معاوضہ طے کر کے استفادہ کرے تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے۔ یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور نہ مباح نہیں ہوئی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زنا، نہ کبھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا۔

شیعہ رافضیوں کو متعہ کی بابت حضرت عمر فاروقؓ کا شکر گزار ہونا چاہیئے

ابتداءِ آفرینش عالم سے لے کر اب تک سوائے مذہب شیعہ کے کسی دین اور مذہب میں متعہ جائز نہیں ہوا۔ معاذ اللہ اگر شیعوں والا متعہ جائز ہو جائے تو پھر نسب میں بھی خلل ہوگا۔ اور اولاد بھی ضائع ہوگی اور وارث و مورث کی تمیز نہ ہوگی۔ اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ کون بیٹا ہے اور کون بھائی؟

نیز میراث، طلاق اور عدت کے جو احکام شریعت میں آئے ہیں وہ سب معطّل ہو جائیں گے۔ نیز شریعت نے نکاح میں جو چار عورتوں کی حد مقرّر کی ہے وہ بھی معطّل ہو جائے گی۔ اس لیئے متعہ میں نہ چار کی قید ہے نہ عدت ہے اور نہ طلاق ہے اور نہ میراث ہے۔ ایک متعہ کے قائل ہونے سے قرآن و حدیث کے یہ تمام احکام یک لخت ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ نکاح کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ مرد اپنی حاجت متعہ سے ہی پوری کر لیں گے۔ اور عورتیں اپنے نان و نفقہ، دُکھ اور درد کے مستقل کفیل اور ذمہ داری سے محروم ہو جائیں گی۔ اور چلتے پھرتے اوباشوں پر ان کی نظر ہوگی۔ اور پھر دورِ شباب گزرنے کے بعد کون ان کا کفیل اور ذمہ دار ہوگا؟

حضرات شیعہ غور کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور مصیبت کا منظر ہو سکتا ہے۔ شیعوں کو چاہیئے کہ دل و جان سے فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے شکر گزار ہوں

کہ جس نے اپنے دورِ خلافت میں اس بے حیائی کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔

تحریمِ متعہ کے اگر تفصیلی دلائل اور اس کے مفاسد معلوم کرنے ہوں تو حضراتِ اہلِ علم احکام القرآن للجصاص ص ۱۴۶ ج ۲ تا ص ۱۵۱ ج ۲، اور تحفہ اثنا عشریہ اور فتاویٰ عزیزیہ کی مراجعت کریں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حرمتِ متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باعزت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غایت مسرت و انبساط کے ساتھ ولیمۂ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے۔ بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے۔ اور اپنی بیٹی، بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے۔ آج تک کسی ادنیٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی، بہن یا میری ماں نے اتنے متعے کیے ہیں۔

نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں۔ مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا۔

متعہ کا لغوی معنیٰ الاستمتاع فی اللغۃ الانتفاع وکل من انتفع بہ فھو متاع۔ متعہ لغت میں نفع اور فائدہ اٹھانے کو کہتے ہیں جس چیز سے فائدہ اُٹھایا جائے، وہ متاع ہے۔

اصطلاحی معنیٰ رافضی مذہب میں متعہ کے اصطلاحی معنی یہ ہیں: کہ ایک عورت کو مقررہ وقت کے لیے مقررہ اُجرت کے عوض جماع کی خاطر ٹھیکہ پر لینے کا نام متعہ ہے۔

اِنَّمَا ھِیَ مُسْتَاجَرَۃٌ (کافی ص ۱۹۱ : ج ۲)

بے شک ممتوعہ عورت ٹھیکہ کی چیز ہے۔

لغوی معنیٰ کی مناسبت اس میں یہ ہے کہ متعہ میں بھی محض تمتّع اور وقتی نفع اندوزی کی غرض ہوتی ہے۔ اور نکاح کے دُوسرے اغراض مثلاً توالد و تناسل یا نظامِ خانگی کی درستی وغیرہ مدِ نظر نہیں ہوتے۔ جو ایک نکاحِ حلال میں مقصود ہوتے ہیں۔

نفاذِ شریعت میں رکاوٹ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے عمل سے ہی معلوم ہونے لگا ہے کہ رافضیت (شیعیت) اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہاں شیعہ کے لیے علیحدہ نصابِ دینیات کے اجراء کے ساتھ ہی اہلِ علم کو یہ بات کھٹکی تھی، اب صورت حال یہ ہے کہ زکوٰۃ وعُشر سے رافضیوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ شرعی حدُود کے نفاذ میں جو عام مسلمانوں کے نزدیک زِنا حرام ہے، وہ رافضیوں کے نزدیک متعہ کی صورت میں جائز اور باعثِ ثواب ہے۔

رافضی مذہب میں متعہ صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت بھی ہے۔ ان کی ایک مستند تفسیر "منہج الصادقین" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ:۔

"جو ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ امام حسنؓ کا درجہ پائے گا۔ اور جو دو دفعہ متعہ کرے گا وہ امام حسینؓ کا، اور جو تین دفعہ متعہ کرے گا وہ امیر المومنینؓ کا درجہ پائے گا۔ اور جو چار دفعہ متعہ کرے گا۔ وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ کا) درجہ پائے گا۔

(نعوذ باللہ من ذٰلک)

تنہا یہی رافضی روایت جاننے کے لیئے کافی ہے کہ رافضیوں کے نزدیک متعہ تمام عبادات سے افضل اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ فقہ جعفریہ کی برکات کا کیا ٹھکانا مگر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ رسالت کی توہین اس سے بڑھ کر بھی کہیں ہو سکتی ہے کہ زنا کرو اور اتنے مدارجِ ترقی طے کر لو؟ یہ ہے رافضیوں کے نزدیک اہلِ بیتؓ کا مقام! اور یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ۔ (استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ)

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب تحریر الوسیلہ کے ص ۳۹۰: ج ۲ میں لکھا ہے کہ "زنا کار عورت سے متعہ کرنا جائز ہے"۔ اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "متعہ کم سے کم مدّت کے لیئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً صرف ایک رات، یا ایک دن اور اس سے کم وقت یعنی گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیئے بھی کیا جا سکتا ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فقہ جعفریہ کے نفاذ سے متعہ کی آڑ میں "بازارِ حسن" کھل جائے گا۔ اور جنسی آوارگی کا کاروبار خوب چمکے گا۔

شریعتِ اسلامیہ میں زنا کی حد سنگسار کرنے (شادی شدہ ہونے کی صورت میں) یا سَو کوڑے لگانا (غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں) ہے۔ لیکن فقہ جعفریہ نے متعہ کے روپ میں لائسنس دے دیا کہ جہاں ایک منچلا جوڑا جنسی بھوک مٹانا چاہے تو آپس میں تنہائی میں بیٹھ کر ایجاب وقبول کر لے۔ نکاح ہو گیا۔ اب کوئی بتائے کہ جب

یہ نکاح ہے تو زنا کسے کہیں گے؟ جب کسی فعل پر زنا کا اطلاق ہی نہیں ہوگا تو اس پر حد (شرعی سزا) کیسے جاری کی جائے گی۔ متعہ کے عقیدے سے تو ازدواجی زندگی کا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تقیہ اور متعہ نے ملتِ جعفریہ کی نشر و اشاعت اور استحکام میں سب سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔ مغل شہنشاہ اکبر سے لے کر آخری تاجدار دکن تک اور ان سے قبل اور بعد کے جتنے بادشاہ، نواب، جاگیردار، سرمایہ دار اور حکمرانوں نے شیعیت کی سرپرستی کی، اس کی وجہ یا تو متعہ کی بے پناہ کشش تھی۔ یا تقیہ کی بنا پر شیعہ حضرات کی ابن الوقتی اور چرب زبانی کا اثر۔ اسی لیئے شیعہ مذہب میں جانوروں جیسی خواہش پوری کرنے پر آدمی خاتم الانبیاءؐ کا مرتبہ پا سکتا ہے۔ (استغفر اللہ!)

کیا اہلِ سُنّت کے نزدیک حلتِ متعہ اختلافی مسئلہ ہے؟

دُنیا جانتی ہے کہ متعہ شیعہ کے نزدیک جائز ہی نہیں، بلکہ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں تمام اہلِ سنت کے ہاں یہ عین بدکاری ہے۔ اور اہلِ سنّت میں اس سلسلہ میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔ اور کتب اہلِ سنّت اس بات پر شاہد عدل ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ فاضلِ شیعہ جناب بشیر حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایسے ہی اختلافی مسائل میں ایک مسئلہ متعہ بھی ہے۔ ملتِ شیعہ تو جوازِ متعہ پر متفق الرائے ہے۔ مگر مسلمانوں کے دیگر مکاتبِ فکر کے ہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔" (جوازِ متعہ ص ۶)

اسی صاحب نے پہلے یہ لکھا تھا کہ متعہ کا مسئلہ مابہ النزاع نہیں ہے۔ اور اب اُسے اختلافی ثابت کر رہے ہیں۔ ان کے دو دعووں میں سے ایک یقیناً جھوٹ ہے۔ مگر یہ لوگ چونکہ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ اور متعہ کی طرح جھوٹ کو بھی تقیہ کی صورت

میں بڑے اجروثواب کی بات سمجھتے ہیں۔ اس لیئے جھوٹ بولنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ ہم نے اُن کے پہلے دعویٰ کا "حرمتِ متعہ" میں نوٹس لے لیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حلتِ متعہ کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ شیعہ اور اہل سنّت کے ہاں اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جہاں تک موصوف کے دوسرے دعویٰ کا تعلق ہے تو ہم انہیں مشورہ دیں گے کہ "حرمتِ متعہ" کا پھر مطالعہ کریں۔ اگر پھر بھی تسلّی نہ ہو تو ہمارے پاس تشریف لے آئیں ہم آپ کی تسلّی اہلِ سُنّت کی کُتب سے کر دیں گے کہ حرمتِ متعہ اہل سنت کے ہاں متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس میں نہ پہلے اختلاف تھا، نہ اب ہے۔

متعہ اور مسئلہ ملکِ یمین شیعہ فاضل نے متعہ اور ملکِ یمین (لونڈیاں) میں جو مماثلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ ان کے پرلے درجے کے اَجہل ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں تو غلام ولونڈی کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ پھر کسی ملک میں اس کا رواج یا کسی ملک کا متحمل نہ ہونا چہ معنی دارد ؟ جب کہ اس کے برعکس متعہ میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ متعہ کے لیئے شیعہ دوستوں کی عورتیں موجود ہیں اور ایران میں متعہ کا عمل بڑی کثرت سے جاری وساری ہے۔ اور برِصغیر ہند وپاک میں، جتنے بدکاری کے اڈّے (چکلے) تھے یا ہیں۔ ان سب کے لائسنس شیعہ مذہب کے نام پر حاصل کیئے جاتے تھے۔ اس طرح متعہ کے نام پر بدکاری وزنا کاری کا بازار گرم رہا ہے۔ اور بازارِ حسن میں جاکر عیاش وبدمعاش قسم کے لوگ متعہ کے نام پر ہی عیاشی کرتے ہیں۔ اس دادِ عیش دینے کے ساتھ ساتھ بقول شیعہ حضرات حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا درجہ بھی حاصل کرتے ہیں۔

استغفراللہ ! پھر اگر موصوف کو اصرار ہے کہ لونڈی اور متعہ کے مسئلہ میں آپس

میں مماثلت پائی جاتی ہے تو ہم بڑے ادب سے شیعہ فاضل سے عرض کریں گے کہ جس طرح متعہ کے فضائل و مناقب کتبِ شیعہ میں پائے جاتے ہیں، ارفع و اعلیٰ درجہ کی عبادت ہونا کتبِ شیعہ سے دکھائیں۔ اگر آپ نہ دکھا سکے اور یقیناً نہیں دکھا سکیں گے تو پھر آج ہی سے اس مذہب سے تائب ہو جائیں۔ اور متعہ کے نام پر زندگی میں جتنی بھی بدکاریاں کی ہیں یا اپنے خاندان کی عورتوں سے کروائی ہیں۔ اس کی اللہ سے معافی مانگیں۔ ورنہ پھر کل روزِ جزا زناکاروں کے ساتھ ہی حشر ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ دوست مِلکِ یمین کے مسئلہ سے نابلد ہیں۔ اس لیئے ہم ان کی آگاہی کے لیئے اس مسئلہ پر تاریخی طور پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح زمانۂ اسلام سے قبل اس کا رواج تھا۔ اور آہستہ آہستہ اسلام نے اس کو کس طرح ختم کیا۔ سو واضح ہو کہ:

"قدیم زمانے میں غلام تین طرح کے تھے، ایک جنگی قیدی۔ دوسرے آزاد آدمی، جن کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ ڈالا جاتا تھا۔ تیسرے وہ جو نسلوں سے غلام چلے آرہے تھے، اور کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کب غلام بنائے گئے تھے۔ اور دونوں قسموں میں سے کس قسم کے غلام تھے؟ اسلام جب آیا تو عرب اور بیرونِ عرب دنیا بھر کا معاشرہ ان تمام اقسام کے غلاموں سے بھرا ہوا تھا۔ اور سارا معاشی و معاشرتی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ ان غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ یہ غلام جو پہلے سے چلے آرہے ہیں، ان کا کیا کیا جائے؟ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آئندہ کے لیئے غلامی کے مسئلہ کا کیا حل ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں اسلام نے یہ نہیں کیا کہ یک لخت قدیم زمانے کے تمام غلاموں پر سے لوگوں کے حقوقِ ملکیت ساقط کر دیتا، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ پورا

معاشرتی و معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا۔ بلکہ عرب کو امریکہ کی خانہ جنگی سے بھی بدرجہا زیادہ سخت تباہ کن خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑتا۔ اور پھر بھی اصل مسئلہ حل نہ ہوتا جس طرح امریکہ میں حل نہ ہو سکا۔ اور سیاہ فام لوگوں کی ذلّت کا مسئلہ بہرحال باقی رہ گیا۔ اس احمقانہ طریقِ اصلاح کو چھوڑ کر اسلام نے فَکِّ رَقَبہ کی ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین و ترغیب مذہبی احکام اور ملکی قوانین کے ذریعہ سے لوگوں کو اس بات پر اُبھارا کہ یا تو آخرت کی نجات کے لیئے طَوعاً غلاموں کو آزاد کریں یا اپنے قصُوروں کے کفّارے ادا کرنے کے لیئے مذہبی احکام کے تحت انہیں رہا کریں۔ یا مالی معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں اس تحریک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ۶۳ غلام آزاد کیئے۔ آپ کی اَزواجؓ میں سے صرف ایک زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے اپنی زندگی میں ۷۰ غلام آزاد کیئے۔ حکیمؓ بن حزام نے ۱۰۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار۔ ذوالکلاع حمیریؓ نے آٹھ ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیس ہزار کو رہائی بخشی۔ ایسے ہی واقعات دوسرے صحابہؓ کی زندگی میں بھی ملتے ہیں۔ جن میں حضرت صدیقِ اکبرؓ اور حضرت عثمانؓ کے نام بہت ممتاز ہیں۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ایک عام شوق تھا جس کی بدولت لوگ کثرت سے خود اپنے غلام بھی آزاد کرتے تھے۔ اور دوسروں سے بھی غلام خرید کر آزاد کرتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح جہاں تک سابق دَور کے غلاموں کا تعلق ہے، وہ خلفاء راشدینؓ کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے ہی تقریباً سب کے سب رہا ہو چکے تھے۔

اب رہ گیا آئندہ کا مسئلہ، اس کے لیئے اسلام نے غلامی کی اس شکل کو تو قطعی حرام، اور قانوناً مسدُود کر دیا۔ کہ کسی آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچا و خریدا جائے۔ البتہ

جنگی قیدیوں کو صرف اس صورت میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت (حکم نہیں، بلکہ اجازت) دی۔ جبکہ ان کی حکومت ہمارے جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنے پر راضی نہ ہو۔ اور وہ خود بھی اپنا فدیہ ادا نہ کریں۔ یہ حل ہے جو اسلام نے غلامی کے مسئلہ کا کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج تمام انسان دنیا میں آزاد ہیں۔ سابق غلامی کی شکلیں کہیں بھی نہیں ہیں۔ ہمارے فاضل شیعہ دوست کی ناقص معلومات پہ ماتم کرنا چاہیئے جس بیچارے کو ابھی تک اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ دنیا میں اسلام کی برکات سے غلامی کا سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔ لہذا اس کو متعہ کے ساتھ تشبیہ دینا جہالت کی علامت ہے۔ کیونکہ متعہ تو اب بھی شیعہ کے ہاں جاری و ساری ہے۔ کیونکہ یہ ان کی اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ مگر ملکِ یمین کا سلسلہ ختم ہے۔

کیا متعہ ایک رواجی امر ہے؟ جناب فاضل شیعہ نے اپنی تقریظ میں متعہ کو ایک رواجی امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جوازِ متعہ کتابچہ کی غرض تالیف پاکستان میں متعہ کو رواج دینا نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستانی معاشرہ اس کا متحمل نہیں ہے۔" (جوازِ متعہ ص: ۷)

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ فاضل اپنے مذہب کی کتب سے بے خبر ہیں۔ یا پھر بد دیانتی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ کیونکہ شیعہ مذہب میں متعہ کوئی رواجی امر نہیں ہے کہ جس ملک میں رواج ہو، وہاں تو متعہ کر لیا جائے۔ اور جہاں رواج نہ ہو، وہاں ترک کر دیا جائے۔ بلکہ شیعہ مذہب کی کتب میں تو اس کے لاتعداد فضائل و مناقب بیان کیئے گئے ہیں۔ اور لکھا گیا ہے کہ:۔

۱۔ جس نے ایک بار متعہ کیا، اس کا تیسرا حصّہ دوزخ سے آزاد ہو گیا۔ گویا تین بار کرنے سے دوزخ سے مکمل آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے۔

۲۔ متعہ کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے باغوں میں ہوگا۔

۳۔ متعہ کرنے سے انسان شرک سے بچ جاتا ہے۔

۴۔ متعہ سے حضرت حسنؓ، حسینؓ اور رسول پاکؐ کا رتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔

۵۔ متعہ سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

۶۔ تارکِ متعہ، دشمنِ خدا ہے۔

۷۔ جو شخص بغیر متعہ کے دنیا سے چلا گیا، تو وہ قیامت کے دن ناک کٹا اٹھایا جائے گا۔

ناظرینِ کرام! متعہ کے ان فضائل ومناقب کی موجودگی میں کوئی شخص یہ باور کرسکتا ہے کہ متعہ ایک رواجی امر ہے۔ جب کہ کتبِ شیعہ میں ان کا جزوِ ایمان ہونا قرار دیا گیا ہے۔ مشہور شیعہ محقق محمد بن الحسن الحر العاملی لکھتے ہیں کہ:۔

"متعہ ضروریاتِ مذہب میں سے ہے۔" (وسائل الشیعہ ص۴۴۱ ج۷)

اور جو امر ضروریاتِ دین یا مذہب میں سے ہو، اس کا ترک، دین سے خروج یا مذہب سے خروج پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو رواجی امر سمجھنا شیعہ مذہب سے ناواقفی کی بیّن دلیل ہے۔ پھر شیعہ فاضل کا یہ لکھنا کہ پاکستانی معاشرہ اس کا متحمل نہیں ہے۔ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ عین بدکاری ہے۔ اور واقعی ایک مسلم معاشرہ بدکاری کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہی اہلِ سنّت کا دعوٰی ہے، جو شیعہ فاضل لکھ رہے ہیں۔ اور اگر کسی اور سبب سے پاکستانی معاشرہ اس کا متحمل نہیں ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ایران میں یہ عمل بڑی کثرت سے جاری وساری ہے۔ اگر ایرانی معاشرہ اس کا متحمل ہوسکتا ہے تو پاکستانی معاشرہ اس کا متحمل کیوں نہیں ہوسکتا؟

امید ہے شیعہ فاضل اس کا کوئی معقول جواب دیں گے۔

کیا شیعہ خیر البریّہ فرقہ ہے؟

شیعہ ذاکر جناب غادم حسین صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ شیعہ فرقہ ہی خیر البریہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں امام شوکانیؒ کی تفسیر فتح القدیر سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق تو ہم آئندہ صفحات میں کچھ عرض کریں گے۔ سردست ہم شیعہ عقائد کی روشنی میں ان کے اس بلند بانگ دعوٰی کا جائزہ لیتے ہیں، کہ شیعہ خیر البریہ فرقہ ہے۔

عقائدِ شیعہ جہاں تک کتبِ شیعہ میں اس فرقے کے عقائد و اعمال بیان کیئے گئے ہیں، ان کے مطالعہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس فرقہ ضالہ میں انسانیت اور شرم و حیا ہی نہیں ہے۔ ان کی کتب میں ایسی ایسی لچر، حیا سوز اور واہیات باتیں ملتی ہیں، جنہیں پڑھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ اور کانوں کو ہاتھ لگانے پڑتے ہیں۔ اور لاحول پڑھے بغیر رہا نہیں جا سکتا جس فرقے کے ایسے گندے عقائد ہوں، بھلا اس فرقے کے متعلق خیر البریہ ہونے کا دعوٰی کیسے زیب دے سکتا ہے۔ آیئے! موصوف کی تسلّی کے لیئے ہم آئینہ میں ان کا منحوس چہرہ خود ان کی کتب سے دکھاتے ہیں۔ اور اس بات کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ کیا یہ فرقہ خیر البریہ ہے، یا اسلام اور انسانیت دونوں سے عاری ہے۔

شیعہ مذہب میں لواطت جائز ہے۔

لواطت خلافِ فطرت ایسا گندہ اور خبیث فعل ہے کہ مسلمان تو در کنار کافر بھی اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ مگر قربان جائیں شیعہ مذہب پر کہ ان کے نزدیک یہ خبیث فعل بھی جائز

ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو شیعہ کی مشہور کتاب مختصر نافع میں ہے:۔

۱۔ وَیَجُوْزُ اِتْیَانُھَا لَیْلًا وَّنَھَارًا وَاَنْ لَّا یَاْتِیَھَا فِی الْفَرْجِ، وَلَوْ رَضِیَتْ بِہٖ بَعْدَ الْعَقْدِ جَازَ (ص ۸۶)

متاعی عورت سے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ دن یا رات میں جماع کروں گا اور یہ کہ شرمگاہ میں جماع نہ کروں گا۔ اگر وہ عقد کے بعد راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

اس سے اشارہ سمجھنے والے کے لیئے بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن تصریح بھی سُنیئے۔ چنانچہ عبداللہ بن یعفور فرماتے ہیں کہ:۔

۲۔ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الرَّجُلِ یَاْتِی الْمَرْاَۃَ فِیْ دُبُرِھَا: قَالَ: لَا بَاْسَ بِہٖ اِذَا رَضِیَتْ: قُلْتُ: فَاَیْنَ قَوْلُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ)؟ قَالَ: ھٰذَا فِیْ طَلَبِ الْوَلَدِ فَاطْلُبِ الْوَلَدَ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ: نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔

(الاستبصار ص ۲۴۳: ج ۳، العروۃ الوثقیٰ ص ۹۲، ج ۱۴، وسائل الشیعہ ص ۱۰۳، ج ۷)

میں نے امام جعفر صادقؒ سے پوچھا کہ کیا آدمی عورت کی دبر میں وطی کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ عورت ایسا کرنے پر اگر راضی ہو جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ تو میں نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہوگا کہ عورتوں کے پاس وہاں سے جاؤ، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا ہے۔ (یعنی قُبل میں) تو فرمانے لگے کہ یہ اولاد کے حصول کے لیئے ہے اگر اولاد مطلوب نہ ہو تو دبر میں بھی وطی جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تم اپنے کھیتوں میں جدھر سے چاہو جاؤ۔

سُبحان اللہ! مذہب کیا ہے پلیدی اور خباثت کا مجموعہ ہے۔

ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

سرکاری سڑکیں کھلی ہیں، جس سڑک سے چاہا گزر گئے۔ اس لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سہولت ہے کہ غسل بھی واجب نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو فروع کافی ص ۲۵: ج ۱ میں ہے کہ:۔ "وہ عورت جس کے ساتھ لواطت کی جائے، اس پر غسل واجب نہیں اگرچہ عورت کی دبر میں انزال بھی ہو جائے۔" کیا خوب کہا،

س دو چیزوں کی درخواست ہے اے رحمتِ باری
مے خانہ کا دروازہ، نہ ہو توبہ کا دَر بند

ناظرینِ کرام! دیکھ لیا آپ نے شیعہ مذہب کا عقیدہ !! کیا ایسے مذہب کو دُنیا کا کوئی ذی عقل و ہوش انسان خیر البریہ کہنے کے لیئے تیار ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ اگر خادم حسین جیسا کوئی شخص اس مذہب کو خیر البریہ کہہ دے تو اس کی اپنی عقل کی چول ڈھیلی ہو گی۔ وگرنہ یہ مذہب بازیچۂ اطفال ہے۔

حماد بن عثمان فرماتے ہیں کہ:۔

سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ أَخْبَرَنِي مَنْ سَأَلَهُ عَنِ الرَّجُلِ يَأْتِي الْمَرْأَةَ فِي ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ وَفِي الْبَيْتِ جَمَاعَةٌ فَقَالَ لِي وَرَفَعَ صَوْتَهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ: مَنْ کَلَّفَ مَمْلُوْکَہٗ مَا لَا یُطِیْقُ فَلْیَبِعْہُ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ وُجُوْہِ أَھْلِ الْبَیْتِ ثُمَّ أَصْغٰی إِلَیَّ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِہٖ (الاستبصار ص ۲۴۳ : ج ۳ ، مستمسک العروۃ الوثقٰی ص ۶۲ : ج ۱۴ ، وسائل الشیعہ ص ۱۰۳ : ج ۷ باب عدم تحریم وطی الزوجۃ والسریۃ فی الدبر)

میں نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے دریافت کیا یا مجھے ایسے شخص نے خبر دی جس نے سوال کیا تھا کہ اپنی عورت کی دبر میں دخول کرنا کیسا ہے؟ اس وقت چونکہ آپ کے پاس بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ اپنے غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ خدمت لینی جائز نہیں۔ غرض یہ تھی کہ اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے غلام کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا ہے۔ راوی کہتا ہے دوسرے لوگوں کے چہرہ کو دیکھ کر آپ نے اپنا چہرہ جھکا کر مجھے چپکے سے یہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کر لیا کرو۔

۲۔ حفص بن سوقہ اپنے استاد سے بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ یَأْتِیْ أَھْلَہٗ مِنْ خَلْفِھَا قَالَ ھُوَ أَحَدُ مَا تَیْنِ ، فِیْہِ الْغُسْلُ

(وسائل الشیعہ ص ۱۰۳ : ج ۷ ، الاستبصار ص ۲۴۳ : ج ۲)

میں نے امام جعفر صادقؒ سے پوچھا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی سے دبر میں وطی کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ تو فرمایا جائز ہے اور اس میں غسل بھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وطی کے لیئے قبل و دبر دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اور دونوں میں

غسل ہے۔

۴۔ موسیٰ بن عبدالملک کسی شخص سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ إِتْيَانِ الرَّجُلِ الْمَرْأَةَ مِنْ خَلْفِهَا فِي دُبُرِهَا فَقَالَ: أَحَلَّتْهَا آيَةٌ مِّنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَىٰ قَوْلُ لُوطٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ) وَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُمْ لَا يُرِيدُونَ الْفَرْجَ۔

(الاستبصار ص ۲۴۳ : ج ۳ ، وسائل الشیعۃ ص ۱۰۳ : ج ۷ ، تہذیب الاحکام ص ۴۱۵ ج ۷)

میں نے امام جعفر صادقؒ سے دریافت کیا کہ آدمی اپنی بیوی سے دُبر میں وطی کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے اس قول نے اُسے حلال کر دیا ہے۔ جو کتاب اللہ میں واقع ہے هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ اور قومِ لوطؑ کی عادت کے متعلق سب ہی جانتے ہیں کہ وہ بجائے فرج کے دُبر میں وطی کرنے کے عادی تھے۔

گویا رافضیوں کے نزدیک قولِ لُوط علیہ السلام کا واضح مطلب یہ ہوا کہ عورتوں سے لواطت کرنا اطہر فعل ہے (نعوذ باللہ من ذلك) یہ فرقہ اس قابل ہے کہ ان پر وہی عذاب نازل ہو جو قومِ لُوط پر نازل ہوا تھا۔

۵۔ علی بن حکم صفوان سے بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

قلت للرضا ان رجلا من مواليك امرني ان اسألك عن مسئلة فهابك واستحيا منك ان يسألك قال ما هي؟ قال قلت الرجل يأتي امرأته في دبرها ؟ قال نعم ذلك له

قلت فانت تفعل ذلك ؟ قال ، لا انا لا نفعل ذلك ، (تہذیب الاحکام ص ۴۱۵ : ج ۷)

(الاستبصار ص ۲۴۳ : ج ۳ ، وسائل الشیعۃ ص ۱۰۲ : ج ۷ ، مستمسک العروۃ الوثقیٰ ص ۶۱ ج ۱۴)

میں نے امام رضاؒ سے کہا کہ ایک آدمی اپنی عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔ کیا اس کا یہ فعل درست ہے ؟ تو آپ نے کہا اس کو ایسا کرنا جائز ہے۔ پھر میں نے کہا، کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں میں ایسا نہیں کرتا۔

امام کا یہ قول "ہر چہ بخود نہ پسندی بدیگراں مپسند" کے بالکل مخالف ہے۔ غالباً آپ نے اپنے متعلق تقیہ سے کام لیا ہوگا۔

۶۔ یونس بن عمار کہتے ہیں :۔

قلت لأبي عبد الله أو لأبي الحسن عليهما السّلام انی ربما أتَيْتُ الجاريةَ من خلفها يعنى دبرها ونذرت فجعلت على نفسى إن عُدتُّ إِلى امرأة هكذا فعلى صدقة درهم وقد ثقل ذلك علىّ فقال : ليس عليك شيئ وذلك لك.

(وسائل الشیعہ ص ۱۰۴ : ج ۷ ، الاستبصار ص ۲۴۴ : ج ۳)

میں نے امام جعفر صادقؒ سے کہا کہ میں کبھی کبھی اپنی لونڈی سے خلافِ فطرت فعل بھی کر لیا کرتا تھا۔ پھر میں نے اپنے نفس پر یہ نذر مانی کہ اگر دوبارہ ایسا کام کیا۔ تو مجھے ایک درہم صدقہ کرنا ہوگا۔ اور اب میرا یہ نذر ماننا مجھ پر گراں گزر رہا ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ نذر ماننے کا تاوان آپ پر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ لونڈی سے خلافِ فطرت فعل کرنا آپ کا حق ہے۔

استغفر اللہ ! کیسی بے ہودہ اور واہیات بات ہے جو امام موصوف کی طرف منسوب کی گئی

ہے۔ ہمارا حسنِ ظن یہی ہے کہ یہ امام صاحبؒ پر اتہام ہے۔ اگر شیعہ صاحبان کے نزدیک امام موصوفؒ کا قول درست ہے تو ہم تمام امتِ شیعہ سے عرض کریں گے کہ آپ بھی اپنی بیویوں سے ایسا فعل کیا کریں۔ کیونکہ بقول امام صاحبؒ آپ کا بھی یہ حق ہے۔ اور اپنا حق ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔

۷۔ علی بن حکم ایک واسطہ سے امام جعفر صادقؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

إِذَا أَتَى الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فِي الدُّبُرِ وَهِيَ صَائِمَةٌ لَمْ يَنْقُضْ صَوْمُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ۔ (وسائل الشیعہ ص ۱۰۴ : ج ۱۴)

جب کوئی آدمی اپنی روزہ دار عورت سے وطی فی الدبر کرے تو اس کے اس فعل سے نہ عورت کا روزہ ٹوٹے گا۔ اور نہ اس پر غسل لازم ہوگا۔

سبحان اللہ! شیعہ مذہب میں کتنی آسانیاں ہیں، ہم خرما وہم ثواب۔ نیز مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے وطی فی القبل کرے (جو کہ صحیح طریقہ ہے) تو بھی عورت کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ جب غلط راستہ استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو جائز راستہ استعمال کرنے سے کیسے ٹوٹے گا۔ پھر عورت کا اگر دونوں حالتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا، تو مرد کا بھی نہیں ٹوٹے گا۔

تو ثابت ہوا کہ شیعہ مذہب میں رمضان شریف میں روزہ رکھ کر دن میں میاں بیوی یا متاعی مرد اور عورت جماع کرتے ہیں تو ان کے روزے میں کوئی خرابی واقع نہ ہوگی۔

یہ اس مذہب کے خیر البریہ ہونے کی علامت ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

۸۔ عبداللہ بن یعفور فرماتے ہیں:۔

سألت أبا عبد اللہ عن اتیان النسآء فی اعجازھن قال: لا بأس به ثم تلا ھذہ الآیة "نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم" قال: حیث شاء۔ (وسائل الشیعہ ص ۱۰۴ ج ۷)

عورتوں سے وطی فی الدُبر کے بارے میں، مَیں نے امام جعفر صادقؒ سے دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: نساءکم حرث لکم الخ، اور کہا کہ جس راستہ کو چاہو استعمال کرو۔

یہ قرآن کی آیت سے استدلال نہیں۔ بلکہ کتاب الٰہی سے استہزاء و مذاق ہے۔ صحابہؓ اور ائمہ مفسرین نے جو تفسیر بیان فرمائی ہے۔ اور جو شانِ نزول ذکر کیا ہے، وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

یہود عورت کی پشت کی طرف سے ہو کر صحبت کرنے کو ممنوع کہتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ آپؐ سے سوال کیا گیا تو قرآن نے یہ جواب دیا کہ تمہاری عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی ہیں۔ جس میں نطفہ بجائے تخم اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہیں۔ یعنی اس سے مقصود اصلی صرف نسل کا باقی رکھنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے۔ لہٰذا تمہارے اختیار پر ہے کہ آگے سے یا کروٹ سے یا پس پشت سے پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہو مجامعت کرو۔ مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اس خاص موقع میں ہو، جہاں پیداوار کی امید یعنی مجامعت خاص فرج میں ہو، لواطت ہرگز ہرگز نہ ہو۔ یہود کا خیال غلط ہے کہ اس سے بچہ احول (بھینگا) پیدا ہوتا ہے (ابن کثیر ص ۲۶۱ ج ۱)

اصل ارشاد میں حرث آیا ہے۔ حرث کہتے ہیں اس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے۔ اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشوونما ہوتا ہے۔ کھیت والے اسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر حد درجہ عزیز رکھتے ہیں۔ اسلام نے ہم بستری کا اصل مقصد طلبِ اولاد قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس کے دوسرے پہلو طلبِ لذت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہاں کھیتی میں آنا کنایہ ہے۔ عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے، اور قرآن ایسے مواقع پر کنایات ہی سے کام لیتا ہے۔ کھیتی میں آنا کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، کہ یہ آنا اور داخلہ کھیتی میں ہونا چاہیئے۔ اور قبولِ تخم کے زمانے میں اور مقررہ جگہ میں ہونا چاہیئے۔ نہ کہ اس کے علاوہ، یعنی نہ زمانہ حیض میں ہونا چاہیئے اور نہ بے محل ہونا چاہیئے۔

اس فقرے میں بیک وقت دو باتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک تو اس آزادی، بے تکلفی، خود مختاری کی طرف جو ایک کھیتی کے مالک کو اپنی کھیتی کے معاملے میں حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے اس پابندی، ذمہ داری اور احتیاط کی طرف جو ایک کھیتی والا اپنی کھیتی کے معاملے میں ملحوظ رکھتا ہے۔ اس کی طرف حرث کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ اور پہلی چیز کی طرف اَنّٰی شِئْتُمْ کے الفاظ وہ آزادی، اور یہ پابندی، یہ دونوں مل کر اس رویّہ کو متعین کرتی ہیں۔ جو ایک شوہر کو اپنی بیوی کے معاملے میں اختیار کرنا چاہیئے۔ (تدبر قرآن)

گویا یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے لیئے سیر گاہ نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے۔ کھیت میں کسان محض تفریح کے لیئے نہیں جاتا، بلکہ اس لیئے جاتا ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کرے۔ نسلِ انسانی کے کسان کو بھی انسانیت کی اس کھیتی میں اس لیئے جانا چاہیئے، کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔ خدا کی شریعت کو اس سے بحث نہیں ہے کہ تم اس

کھیت میں کاشت کس طرح کرتے ہو! البتہ اس کا مطالبہ تم سے یہ ہے کہ جاؤ کھیت ہی میں اور اس غرض سے جاؤ کہ اس سے پیداوار حاصل کرنی ہے۔ (تفہیم القرآن ص ۱۷۰ ج ۱)

بیوی سے غیر فطری عمل قرآن کی نظر میں:-

قرآنی الفاظ "انی شئتم" میں "اَنّٰی" کے معنی کَیْفَ اور اَیْنَ کے ہیں۔ یعنی جس طرح کے جس کیفیت کے، اور جدھر سے اور جس جہت سے قرآن میں انی کیف کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے "اَنّٰی یُحْیِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" یا پھر "اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ"۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین حضرت عبداللہ بن عباس صحابی، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ وغیرہ تابعین نے بھی یہی معنی بتائے ہیں۔ گویا اس آیت میں صاف صاف ان یہودیوں کی تردید کی جارہی ہے جو اس معاملہ کی نسبت وہم پرستیوں کا شکار ہو کر طرح طرح کی قیدیں اپنے پیچھے لگائے ہوئے تھے۔ مثلاً کسی خاص طریقہ کو جائز سمجھتے تھے، کسی کو ناجائز، کسی خاص طریقے میں برکت سمجھتے، کسی میں نحوست۔ تو ان کی کوئی اصلیت نہیں۔ جس طرح بھی چاہو، فطری طریقہ سے یہ معاملہ کر سکتے ہو۔

شیعہ رافضی گندہ مذاق لوگوں نے اَنّٰی کو اَیْنَ یعنی جدھر اور جس رخ کے معنی میں لے کر اس کی تشریح میں اپنی گندہ سیرتی کے عجیب عجیب مظاہرے کیے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ مقام و محل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ محمد بن احمد قرطبی نے الجامع لاحکام القرآن ص ۹۳ ج ۳ میں لکھا ہے کہ:

" ان معنی کی اس آیت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شیخین نے حضرت جابرؓ کا جو کہ بعد والا بیان نقل کیا ہے۔ وہ اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ:

یہودیوں کا خیال تھا، اور وہ اس کا پرچار کرتے تھے کہ عورت سے صحبت پیچھے سے

کی جائے تو سمجھ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کی وہم پرستی کی "انی شئتم" کہہ کر تردید کی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس فقرے کا معاذاللہ مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے عملِ لواطت بھی جائز ہے۔ بہت بڑی بدذوقی ہے۔ بلکہ امام ابن کثیرؒ نے جمہور علماء کا مذہب یہ بتایا ہے کہ ایسا سوچنے والا مسلمان نہیں ہے۔ احادیث میں ان لوگوں کے خلاف جو فطری حدود سے تجاوز کرتے ہیں، بہت بڑی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ احادیث مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں موجود ہیں۔ مختلف الفاظ میں کم وبیش بارہ صحابہ کرامؓ کے حوالہ سے آئی ہیں۔ ابوالفرج ابن الجوزی نے ایک رسالہ میں ان کو جمع کیا ہے۔ رسالہ کا نام تحریم المحل المکروہ ہے۔

قرآن نے کھیتی کے استعارے میں اس ناپاک مذاق کی تردید کردی ہے۔ لوگوں نے خود امام مالکؒ کے زمانہ میں امام مالکؒ کے بارے میں مصر میں جب یہ بے پر کی اڑائی کہ امام موصوف عورتوں سے اس معاملہ کو جائز بتاتے ہیں۔ امام صاحبؒ نے یہ بات سنی تو سنانے والے کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ مجھ پر بہتان ہے۔ اور پھر جو بات فرمائی وہی سنانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا تم عربی نہیں ہو، اور کیا زبان آشنا نہیں ہو۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" کیا کھیتی اس جگہ بھی ہوسکتی ہے جہاں اُگنے کی صلاحیت نہ ہو؟ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا لفظ "حرث" ہی اس گندے ذہن کی تردید کے لیئے کافی ہے۔ "اَنّٰی شِئْتُمْ" کے معنی یہی ہیں کہ عورت سے مباشرت کے لیئے کسی خاص ہیئت، کسی خاص وضع کی پابندی نہیں۔ آزادی، بے تکلفی، خود مختاری کے ساتھ جیسے چاہے، یہ معاملہ کرلے۔ صرف یہ پیشِ نظر رہے کہ کھیتی ایسے مقام پر ہو جہاں قبولِ تخم کی صلاحیت ہو۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس معنی پر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ

امام احمد بن حنبلؒ۔ ائمہ فقہ وحدیث اور ان کے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کر کے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنی سے تجاوز کر کے جواز تلاش کرنے والوں کا ان تمام علماء، فقہاء نے شدّت سے انکار کیا ہے۔ بلکہ بعض نے اس کو کفر قرار دیا ہے (ابن کثیر)

ذرا معاملے کے اس پہلو پر بھی غور فرمایئے کہ قرآن نے خونِ حیض کو نجاست قرار دے کر عورت سے زمانۂ حیض میں صحبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ گویا صحبت نہ کرنے کی علّت قرآن کی نظر میں خون کی نجاست ہے۔ ذرا انصاف فرمایئے۔ جو قرآن مجامعت کے محل میں نجاست کی وجہ سے صحبت جائز نہیں سمجھتا۔ کیا وہ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ بے موقع اور بے محل میں پاخانے کی نجاست میں ملوّث ہونے کی کسی کو اجازت دے؟ معاذاللہ!

امام دارمیؒ نے مسند میں واقعہ لکھا ہے کہ سعید بن یسار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ اپنی باندیوں سے تحمیض کا عمل کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ بتایا گیا کہ عورت کے ساتھ غیر فطری عمل۔ فرمایا، کیا کوئی مسلمان یہ کر سکتا ہے؟ (ابنِ کثیر ص ۴۶۹ : ج ۱)

حضرت علیؓ کا قول حضرت علیؓ سے جب اس فعل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اس فعل کا مرتکب شخص بڑا کمینہ ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا کہ تم وہ بدکاری کرتے ہو، جس کا ارتکاب تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ (ابنِ کثیر ص ۴۶۹ : ج ۱)

خلافِ فطرت فعل قرآن کی نظر میں جنسی خواہش کی جو تنظیم اسلام نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ ہے کہ جس طرح زنا اور اس کے ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح خلافِ فطرت فعل کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

یہ فعلِ خبیث خلافِ فطرت، گندگی سے آلودہ کرنے والا، مردانگی کو خراب

کرنے والا اور عورت کے حق میں ظلم ہے۔ کسی سوسائٹی میں اس خباثت کے پھیلنے سے ان کی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس فعل کے غلام بن جاتے ہیں۔ اور پھر اخلاق، عُرف، ذوقِ سلیم سب کو بھلا بیٹھے تھے۔ اس معاملہ میں ہمارے لیئے قرآن کا بیان کردہ قصّہ قومِ لُوطؑ کافی ہے۔ اس قوم نے اس گندے اور بے حیائی کے کام کا آغاز کر کے اسے رواج دیا تھا۔ اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا۔ قومِ لُوطؑ کے اس فعلِ بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (الاعراف ۸۰، ۸۱)

اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا، جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔

اس معنی کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبیث فعل قومِ لُوطؑ سے شروع ہوا۔ یہی قوم اس کی موجد ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کو اس طرح شروع کیا کہ ان کی قوم کے سامنے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قومِ لُوطؑ کی خباثت اس سلسلہ میں بڑھی ہوئی تھی۔ اس بُرائی پر ان کو ذرّہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی۔ بلکہ قوم علی الاعلان اس برائی

کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت کو دیکھا لوگ ٹوٹ پڑے۔ مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پرواہ نہ تھی۔ زبردستی کرنا چاہتے تھے۔

قومِ لوطؑ اور اس کا انجام

سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے:

"جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسان کی صورت میں مہمان بن کر حضرت لوطؑ کے یہاں پہنچے اور قومِ لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہو گئی یعنی چاہا کہ ان سے اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔ لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے، قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی تسکین چاہو، اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو؟ پھر درد کے ساتھ فرما رہے ہیں۔ اور اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ تم نے کوئی بات کی تو میری رسوائی ہو گی۔ مگر ملعون قوم ہے ایک نہیں سنتی۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور بری طرح سے قومِ لوط تہہ و بالا ہوئی۔ زمین کو الٹ کر اس قوم پہ دے مارا، اور پھر پتھروں کی بارش بھی ہوئی۔

عذاب کا نقشہ قرآن میں کھینچتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ہود: ۸۲،۸۳)

سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا۔ اور اس زمین پہ کنکر کے پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ جو لگا تار گر رہے تھے۔ جن پہ ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ قوم جس طرح ہم جنس سے وضع فطرت کے خلاف فعل کا ارتکاب کرتے تھے۔ اسی طرح اپنی بیویوں سے بھی خلافِ فطرت فعل کے عادی تھے۔

غیر فطری طریقے سے قضاءِ شہوت کی حرمت احادیث میں

قرآنِ پاک کی آیات کے بعد اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں اس فعل کی شناعت و قباحت اور اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:۔

انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال لعن اللّٰہ سبعۃ من خلقہ من فوق سبع سمٰوٰتہ وردّد اللعنۃ علی واحد منھم ثلاثا ولعن کل واحد منھم لعنۃ تکفیہ قال ملعون من عمل عمل قوم لوط ملعون من عمل عمل قومِ لوط ملعون من عمل عمل قوم لوط۔

(الترغیب والترھیب ص ۴۷۹ : ج ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پہ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے۔ اور ان سات میں سے ایک پر تین تین دفعہ لعنت بھیجی ہے۔ اور باقی پر ایک دفعہ فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قومِ لوط والا عمل کرتا ہے۔ ملعون ہے وہ شخص جو قومِ لوط والا عمل کرتا ہے۔ ملعون ہے وہ شخص جو قومِ لوط والا عمل کرتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اربعۃ یُصبحون فی غضب اللّٰہ ویُمسون فی سخط اللّٰہ قلت من ھم یا رسول اللّٰہ قال المتشبّھون من الرجال

بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال والذی یأتی البھیمۃ والذی یأتی الرجال۔ (الترغیب والترھیب ص ۴۸۱ ج ۳)

چار آدمی صبح کے وقت اللہ جل شانہ کے غضب میں ہوتے ہیں۔ اور شام کو بھی اللہ جل شانہ' ان سے ناراض ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، وہ مرد جو عورتوں کی طرح بنتے ہیں۔ اور وہ شخص جو چوپایہ کے ساتھ غیر فطری حرکت کرتا ہے۔ اور وہ مرد جو مرد سے قضاء شہوت کرتا ہے۔

۳۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ۔ (الترغیب والترھیب ص ۴۸۲ : ج ۳)

جس شخص کو قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا ہؤا دیکھ لو تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

حافظ ذکی الدین منذری ترغیب وترہیب ص ۴۸۳ : ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ:

چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت کرنے والوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔

اس سلسلہ میں انہوں نے محمد بن المنکدر کی روایت سے ایک واقعہ بھی لکھا ہے:

" حضرت خالد بن ولیدؓ کو اطلاع ملی کہ ایک ایسا شخص ہے جو لواطت کراتا پھرتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے یہ واقعہ خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ کو لکھ کر بھیجا اور مشورہ طلب کیا۔ چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مجلس مشاورت بلائی، اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قوم لوطؑ

کے عمل سے ہے۔ سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے۔ میری رائے ہے کہ اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ رائے پسند آئی، دوسرے صحابہؓ نے بھی اس پر اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سزا حضرت خالدؓ بن ولید کو لکھ بھیجی حضرت خالدؓ کو جیسے یہ فرمان ملا تو آپ نے اُسے گرفتار کیا۔ اور آگ میں جلا ڈالا۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا ینظر اللہ عزوجلّ الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی دبرھا

اللہ جل شانہٗ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو مرد یا عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کرتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۸۵ ج ۳)

۵۔ حضرت خزیمہؓ بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

انّ اللہ لا یستحی من الحق ثلاث مرات لا تاتوا النساء فی ادبارھن۔ (الترغیب والترھیب ص ۴۸۵ : ج ۳)

اللہ جل شانہٗ حق بیان کرنے میں شرم نہیں کرتے۔ یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ ارشاد فرماتے۔ (پھر فرمایا) عورتوں کے پاس غیر فطری طریقہ سے مت آیا کرو۔

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا (الترغیب والترہیب ص: ۴۸۷: ج ۳)

وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

۷۔ نیز ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

من اتی حائضا او امرأۃ فی دبرھا او کاھنا فصدقہ فقد کفر بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً ص ۴۸۷ ج ۳)

جو مرد حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔ یا غیر فطری طریقہ سے اس کے ساتھ جماع کرتا ہے۔ یا کسی کاہن کے پاس جاتا ہے۔ اور غیب سے متعلق خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ تو ایسے لوگ اس دین سے منکر ہو گئے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

۸۔ حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ الذین یأتون النساء فی محاشھن (ایضاً ص ۲۸۶ ج ۲)

اللہ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی بیویوں سے خلافِ فطرت فعل کرتے ہیں۔

اس خلاف فطرت فعل کی سزا

اس قبیح فعل کے لیے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں ائمۂ دین کا اختلاف ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ اس لیے قطعی طور پر یہ بات متعین نہ ہو سکی کہ اس کی سزا کس طرح دی جائے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علیؓ کی رائے یہ ہے کہ مجرم تلوار سے قتل کیا جائے۔ اور دفن کرنے کی بجائے اس کی لاش جلائی جائے۔ اسی رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اتفاق فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت ان پر گرا دی جائے۔ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت پر سے ان کو سر کے بل پھینک دیا جائے۔ اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔

فقہاء میں سے حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فاعل و مفعول واجب القتل ہیں، خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ امام شعبیؒ، زہریؒ، مالکؒ اور احمد رحمہم اللہ

کہتے ہیں کہ ان کی سزا رجم ہے۔ سعید بن مسیب، عطاء، حسن بصری۔ ابراہیم نخعی سفیان ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ کی رائے میں اس جرم پر وہی سزا دی جائے گی جو زنا کی سزا ہے یعنی غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کر دیا جائے گا۔ اور شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں اس پر کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے۔ جیسے حالات ہوں ان کے لحاظ سے کوئی عبرتناک سزا دی جا سکتی ہے۔ ایک قول امام شافعیؒ سے بھی اسی کی تائید میں منقول ہے۔

(الترغیب والترہیب ص ۴۸۳ : ج ۳)

اتنی سخت سزا اس لیئے تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی معاشرہ کو ان فاسد اور مضر جراثیم سے پاک رکھا جائے۔ جن سے مہلک عناصر جنم لیتے ہیں۔

یہ ہیں قرآن و حدیث کی نصوص اور ائمہ ہدیٰ کے وہ اقوال جو اس فعلِ خبیث کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔ اور اسلام کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی یہ فعل خبیث اور گندہ شمار کیا گیا ہے۔ اور سوائے شیعہ رافضیوں کے پوری کائنات میں اس بیہودہ فعل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اور ہم نے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے اس لیئے ذکر کیا ہے تاکہ عوام النّاس شیعہ مذہب کے گندے اور خبیث اعمال سے آگاہ ہو جائیں۔ جس کے متعلق خیر البریّہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

حرمتِ متعہ میں ہم نے شیعہ کے نزدیک لواطت کی حلت خود ان کی کتب سے نقل کی تھی۔ مگر مؤلف کتابچہ "حلتِ متعہ" نے اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ فاضل شیعہ اس فعل کو اپنے دیگر ائمہ کی طرح جائز سمجھتے ہیں۔ ورنہ خاموشی کے کیا معنی ؟

قارئینِ کرام ! آپ نے شیعہ حضرات کا موقف ان کی مسلّمات میں سے اور اہلسنّت

کا موقف قرآنِ کریم کی آیات، احادیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اقوالِ ائمہ عظام کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا۔ اب ہم قارئین کرام سے انصاف طلب کرتے ہیں کہ وہ شیعہ حضرات جو ان قبیح و شنیع حرکات کے باوجود اپنے آپ کو خیر البریہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں یا خیر البریہ کی بجائے مقام انسانیت سے بھی فروتر ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام کی وہ قوم ناہنجار بھی یقیناً اپنے تئیں خیر البریہ کے منصب پہ فائز پاتی تھی۔ جن کو ان کے گھناؤنے فعل کی بناء پر تہہ و بالا کر دیا گیا۔ اور رہتی دنیا کے لیے تمام انسانیت کے لیے باعثِ ننگ و عار ثابت ہوئی۔ اگر ایسی حرکات کے باوجود خیر البریہ ہونے پر ہی اصرار ہے۔ تو انہیں قومِ لوطؑ جیسے "خیر البریہ" ہی کہا جا سکتا ہے۔

ویسے اگر خیر البریہ کا لفظ تمام حضراتِ صحابہ کرامؓ یا ان کے متبعؒ افراد و اشخاص کے لیے مستعمل ہو، اور یقیناً انہی حضرات کے لیے استعمال ہوا ہے تو اس سے کسی ذی شعور اور صاحبِ ایمان آدمی کو مجالِ انکار نہیں۔ ان حضرات کے بعد موجودہ شیعیت اگر اس لفظ کو اپنے لیے استعمال کرتی ہے تو شیعیت کے مسلمات اور بھیانک عقائد و نظریات کی بناء پر اسے خود فریبی ہی کہا جا سکتا ہے۔

ع بندۂ خدا منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

شیعہ شرّ البریّہ کے کفریہ عقائد

جو شخص گالی گلوچ، بدگوئی یا بدزبانی کرے اور دوسروں کو طعن تشنیع کرے، اس کا اپنے معاشرہ میں کوئی مقام نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی عزّت کا دوسرے پاس کرتے ہیں۔ لہٰذا افراد کو پُر وقار بنانے اور ان کی شخصیّت کو بلند و بالا کرنے کے لیئے محسنِ انسانیت اور اس خاکدانِ ارضی پر اللہ تعالیٰ کے آخری رسُول حضرت محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے:

"مومن کبھی طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، بدگو اور بدزبان نہیں ہوتا"

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ نبویؐ اس طرح ہے:

"مُسلمان وُہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دُوسرے مُسلمان محفُوظ رہیں"

آیئے ان اقوالِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں شیعہ روافض کی زندگی کا مطالعہ کریں اور بعدازاں فیصلہ کریں کہ یہ "خیر البریّہ" کا دعوٰی کرنے والے کس حد تک مُسلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔

شیعہ رافضیہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد خاص طور سے ان کے یہ چار عقیدے اس طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جس کے بعد کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک یہ کہ حضرات شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ و سیدنا حضرت عُمر فارُوق رضی اللہ عنہما) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وُہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر و منافق تھے، بلکہ اگلی اُمتوں اور اس اُمّت کے خبیث ترین کافروں، فرعون، ہامان، نمرُود اور ابولہب و ابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردُود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنّم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں دونوں پر ہے۔ اور یہ کہ ان ہی دونوں کی بیٹیاں (رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک

بیویاں حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما) بھی العیاذ باللہ منافقہ و کافرہ تھیں۔ اور اپنے باپ (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے کہنے سے ان دونوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ استغفراللہ، ثم استغفراللہ والعیاذ باللہ۔

دُوسرا یہ کہ موجُود قرآن محرّف ہے۔ اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہُوئی ہے یہ بعینہٖ وُہ کتاب اللہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمائی گئی ہے۔

تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ "امامت" ختم نبوّت کی قطعی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا وُہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوّت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے حضورؐ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جس طرح قادیانی بھی حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النّبیین کہتے ہیں)، ان کے ان مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، صاف صاف کہا ہے کہ ان کے بارہ اماموں کا مرتبہ انبیاء سابقین سے اور امامت کا درجہ نبوّت و رسالت سے برتر اور بالاتر ہے۔

اب تینوں عقیدوں کے بارے میں ان کے معصُومین کے ارشادات اور ان کے مستند ترین علماء و مجتہدین کے بیانات ملاحظہ فرمائے جائیں۔

حضرات شیخین کے بارے میں

شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ابوجعفر محمّد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۸ھ) کی کتاب "الجامع الصحیح" ہے۔ اس کا درجہ ان کے نزدیک وہی ہے جو علمائے اہل السنّت کے نزدیک امام بخاری کی "الجامع الصحیح" کا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بالاتر اس کے آخری حصّہ "کتاب الروضہ" میں شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابوالحسن کا ایک طویل مکتوب پوری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اس میں

شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے :

فلعمری لقد نافقا قبل ذلک وردّا علی اللہ جل ذکرہ کلمہ وھزیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وھما الکافرون علیھما لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین (کتاب الروضۃ ص)

"میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ دونوں پہلے سے منافق تھے ۔ انہوں نے اللہ کے کلام کو ردّ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تمسخر کیا اور وہ دونوں قطعی کافر ہیں ۔ ان پر اللہ ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو ۔"

ملاّ باقر مجلسی شیعوں کے گیارھویں صدی ہجری کے بہت بڑے مجتہد اور محدّث ہیں علماءِ شیعہ ان کو خاتم المحدّثین اور کثیر التصانیف لکھتے ہیں ۔

ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی کتابیں شیعوں میں دوسرے تمام مصنّفوں سے زیادہ مقبول ہیں ۔ ان کو شیعہ مذہب کا ترجمانِ اعظم کہا جاتا ہے (خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب کشف الاسرار میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیئے مجلسی کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے ۔ کشف الاسرار ص ۱۲۱)"

ان مجلسی صاحب نے اپنی کتاب جلاء العیون میں حضرت علیؓ سے منسوب کرکے ایک طویل روایت نقل کی ہے ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ :

" در جہنّم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس در آں تابوت ہستند، شش کس از گزشتگان و شش نفر از یں امّت و آں تابوت در چاہیست در

قعرِ جہنّم و بر آں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ بخواہد کہ جہنّم را مشتعل سازد امر مے فرماید کہ آں سنگ را از سرِ چاہ بردارند۔ چوں سنگ را برمی دارند جمیع جہنّم مشتعل شود۔ از حرارتِ آں چاہ پس من در حضورِ شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود اما از پیشینیاں پس ازیں شش نفر قابیل و فرعون و نمرود و پے کنندہ ناقہ صالح و دو کس از بنی اسرائیل کہ بعد از موسےٰ و عیسےٰ دین ایشاں را تغیّر دادند و اُمتِ ایشاں را گمراہ کردند اما آں شش از ایں اُمت پس دجّال است و پنج نفر ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح و سالم مولای حذیفہ و سعد بن العاص ۔" (جلاء العیون ص ۱۴۷)

"جہنّم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ[۱۲] آدمی بند ہیں۔ چھ پچھلی اُمتوں کے اور چھ اس امّت کے، اور وہ صندوق جہنّم کے ایک آتشیں کنویں میں ہے۔ اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب جہنّم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا تو حکم فرمائے گا کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹا دیا جائے۔ جب وہ پتھر ہٹا دیا جائے گا تو اس کنوئیں کی آگ سے سارا جہنّم بھڑک اُٹھے گا۔ (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی اُمتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں قابیل[۱] ۔ نمرود[۲] ۔ فرعون[۳] اور حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کا قاتل[۴] ۔ اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے بعد ان کے دین کو بدل ڈالا۔ اور ان کی اُمتوں کو گمراہ کیا۔ اور اس اُمّت کے چھ آدمی یہ ہیں :

دجالؒ اور ابوبکرؓ، عمرؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح، سالم مولیٰؓ حذیفہ اور سعدؓ بن العاص۔ مجلسی نے یہ آتشی تابوت والی روایت اپنی دوسری کتاب حق الیقین میں ص ۵۰۲ پر بھی ذکر کی ہے۔

اور جلاء العیون میں ملّا باقر مجلسی نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

"آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسولؐ نیاوردہ بودند، یعنی ابوبکر و عمرؓ" (ص ۱۶۰)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ہرگز ایمان نہ لاتے یعنی ابوبکر اور عمرؓ۔

جلاء العیون ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ "ہیچ عاقل را مجال نیست کہ شک کند در کفر عمرؓ پس لعنت خدا و رسولؐ برایشاں باد و بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید" (ص ۴۵)

کسی صاحبِ عقل کے لئے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمرؓ کے کافر ہونے میں شک کرے پس خدا اور رسولؐ کی لعنت ہو عمرؓ پر اور ہر اس شخص پر جو اس کو مسلمان جانے اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے۔

ملّا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون، حق الیقین، زاد المعاد، حیات القلوب

وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور اشتعال انگیز روائتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں نقل کی جا سکتی ہیں۔ لیکن غیر ضروری طوالت ہوگی۔ اس لیئے "حق الیقین" سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی کتاب اختصاص" کے حوالہ سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کی روایت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے۔

واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام غائب (امام مہدی) غار میں روپوش ہوجانے اور غیبت صغریٰ کا دور ختم ہوجانے کے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے۔ شیعوں کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ اس لیئے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ روایت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اس لیئے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس کا پورا ترجمہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے (نقل کفر، کفر نباشد)

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ :-

لہ : امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے۔

شیخ مفید کے نام امام غائب کے جن خطوط کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف جلد دوم کے ص ۳۲۲ تا ۳۲۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعی دنیا میں ان کے ائمہ معصومین کے بعد شاید شیخ مفید ہی کا درجہ اور مرتبہ ہے۔

"شیخ مفید نے "کتاب اختصاص" میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السّلام نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ سے باہر گیا۔ (اور قنبر (خادم وغلام) میرے آگے جارہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آگیا میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ بدبخت ہے تو! اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم کھا کے میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں جو میرے اور خداوند عزّوجل کے درمیان ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی بنا پر جو میں نے کی تھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا تو جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے خداوند عزّوجل سے عرض کیا کہ اے میرے خدا اور میرے مالک وآقا، میں گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ سے زیادہ شقی اور بدبخت مخلوق پیدا کی ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے۔ تو جہنّم کے داروغہ کے پاس جا تاکہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اور اس کی جگہ دکھلا دے۔ تو میں جہنّم کے داروغہ کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا کہ خداوند عزوجل تجھ کو سلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کو دکھلا دے جو مجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے تو مجھے وہ جہنّم کی طرف لے گیا۔ اور جہنّم کے اوپر جو سرپوش تھا وہ اس نے اٹھایا۔ اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہر نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنّم کو بھی کھا جائے گی۔ داروغہ جہنّم نے اس سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وہ ساکن ہو گئی۔ پھر وہ مجھے جہنّم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا تو اس میں سے ایسی آگ نکلی

جو پہلی والی آگ سے بھی زیادہ سیاہ اور گرم تھی تو داروغہ جہنّم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وُہ ساکن ہو گئی۔ اسی طرح داروغہ جہنّم جس طبقے میں مجھے لے جاتا اس میں سے ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے زیادہ تیرہ و تار اور زیادہ گرم ہوتی، یہاں تک کہ وُہ مجھے جہنّم کے ساتویں طبقے میں لے گیا۔ اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنّم کو بھی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کر دے گی۔ تو میں نے اس آگ کی دہشت اور خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لیئے اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں۔ اور میں نے داروغہ جہنّم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے ورنہ میں مر جاؤں گا، داروغہ جہنّم نے کہا تو ہر گز اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک، وُہ وقت نہ آجائے جو تیری موت کے لیئے خدا کی طرف سے مقرّر اور اس کے علم میں ہے (آگے ابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنّم کے اس ساتویں طبقے میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں اور ان کو اُوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے اور ان کے سر پر دو گروہ کھڑے ہیں۔ اور آگ کے گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور وُہ ان دونوں آدمیوں پہ آگ کے وُہ گرز مارتے ہیں۔ میں نے کہا اے داروغہ جہنّم یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ تو نے وُہ نہیں پڑھا جو عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا؟ (ابلیس کہتا ہے کہ) میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دُنیا کے یا آدمؑ کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا کہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ایدتہ

ونصرته بعلی " (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں، میں نے محمدؐ کی مدد علی کے ذریعہ کی اور قوت بخشی) یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں اور جن پر آگ کے گرزوں کی مار پڑ رہی ہے) یہ دونوں علی کے دشمن اور ان پر ظلم وستم کرنے والے ہیں۔ یعنی یہ ابوبکر و عمر ہیں"۔

(حق الیقین ص ۵۰۹، ۵۱۰)

رجال کشی میں ہے کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید کمیت بن زید نے امام موصوف سے عرض کیا کہ ان دونوں آدمیوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے بارے میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے فرمایا:۔

"یا کمیت بن زید ما اھریق فی الاسلام محجمة دم ولا اکتسب مال من غیر حله ولا نکح فرج حرام الا وذلك فی اعناقھما الی یوم یقوم قائمنا۔" (ص ۱۳۵)

اے کمیت بن زید اسلام میں جس کا بھی ناحق خون بہایا گیا اور جو بھی ناجائز مال کمایا گیا اور جو بھی زنا ہوا یا ہوگا، ہمارے امام مہدی کے ظہور کے دن تک اس کا سب گناہ انہی دونوں کی گردن پر ہوگا۔

ابوجعفر یعقوب کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک روایت کتاب الروضہ میں نقل کی ہے۔ روایت بہت طویل ہے، خلاصہ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں، ابوبکرؓ کی بیعت کا فیصلہ ہو گیا اور وہاں سے مسجد نبویؐ میں آ کر ابوبکرؓ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کی تو سلمان فارسیؓ نے اس منظر کو دیکھ کر حضرت علیؓ کو جا کر اس کی اطلاع دی، انہوں نے سلمانؓ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اس وقت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کس نے کی؟ سلمانؓ نے کہا کہ میں اس آدمی کو تو نہیں جانتا، لیکن میں نے ایک بوڑھے بزرگ کو دیکھا تھا۔ وہ پہلے اپنے عصا کے سہارے چل کر آئے۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا وہی آدمی سب سے پہلے ابوبکرؓ کی طرف بڑھا، وہ روتا تھا اور کہہ رہا تھا:

"الحمد لله الذی لم یمتنی من الدنیا حتی رأیتك فی هذا المکان ابسط یدك فبسط یده فبایعه"

ساری حمد اس اللہ تعالیٰ کے لیئے ہے جس نے مجھے موت دے کر اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھایا کہ میں نے تم کو اس مقام پر دیکھ لیا۔ تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تو ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھا دیا اور اس بوڑھے بزرگ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علیؓ نے سلمانؓ سے یہ بات سن کر فرمایا:

هل تدری من هو؟ تم جانتے ہو وہ کون تھا؟

سلمانؓ نے کہا میں نہیں جانتا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ذلك ابلیس لعنه الله : یہ بوڑھے بزرگ کی صورت میں آنے والا اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا آدمی ابلیس ملعون تھا۔"

آگے روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ خلافت کے بارے میں جو کچھ ہوا ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی۔ آپؐ نے مجھے تبلا دیا تھا کہ "غدیرِ خم" کے مقام پر اپنے بعد کے لیئے امامت و ولایت کے لیئے میری نامزدگی کا جو اعلان آپ نے کیا تھا۔ اس سے شیطان اور اس کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ اور وہ اس کے خلاف سازش کریں گے اور اس کے نتیجہ میں میری وفات کے بعد لوگ پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں اور اس کے بعد مسجد میں آکر ابوبکرؓ کی بیعت کریں گے۔

روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

"ثم یأتون المسجد فیکون اوّل من یبایعہ علی منبری ابلیس لعنہ اللہ فی صورۃ شیخ یقول کذا وکذا"

پھر (سقیفہ بنی ساعدہ) سے یہ لوگ مسجد میں جائیں گے یہاں میرے منبر پر ابوبکرؓ سے بیعت سب سے پہلے ابلیس ملعون کرے گا۔ جو ایک بوڑھے بزرگ کی صورت میں آئے گا۔ اور یہ کہتا ہوگا (جو سلمان فارسیؓ نے اس کے بارہ میں بیان کیا تھا)

(کتاب الروضہ ص ۱۵۹-۱۶۰، ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت ص ۱۹۵)

ایک غلط خیال کی تردید:۔

شیعہ رافضیہ کے مذکورہ بالا بیہودہ اور واہیات عقائد جب موجودہ شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کیئے جاتے ہیں تو ان میں سے بعض نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقہ

پر کہہ دیتے ہیں کہ یہ عقائد اگلے زمانہ کے شیعوں کے ہوں گے۔ ہمارے زمانہ کے اثنا عشریوں کے یہ عقائد نہیں ہیں۔ تو ایسے لوگوں کی تسلی کے لیئے ہم ذیل میں اسی صدی کے لکھے ہوئے دو مشہور و معروف شیعہ علماء کے ترجمۂ قرآن کے اقتباسات خصوصیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ جن میں وہی اگلے زمانہ کے شیعوں کے عقائد بیان کیئے گئے ہیں:

ایک مولوی مقبول احمد دہلوی اور دوسرے مولوی فرمان علی

یہ دونوں ترجمے اسی صدی میں لکھے گئے ہیں۔ اور اسوقت کے شیعوں کے قبلہ وکعبہ اکابر علماء و مجتہدین نے ان دونوں ترجموں پر شاندار تقاریظ لکھی ہیں اور مترجموں کو بھرپور خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔

ہمارے نزدیک مولوی مقبول احمد صاحب کا یہ طرزِ عمل قابلِ قدر ہے کہ انہوں نے شیعہ کی حدیث و تفسیر کی مستند و معتبر کتابوں سے اپنے ائمہ کی وہ روایات اپنے حواشی میں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر نقل کر دی ہیں۔ جن میں حضرات خلفاء ثلاثہ اور ان کو خلیفہ برحق ماننے والے تمام صحابہ کرام کو منافق و مرتد کہا گیا ہے۔ اسی طرح وہ روایتیں بھی صفائی کے ساتھ نقل کر دی ہیں جن میں قرآنی آیات میں تحریفات کا ذکر کیا گیا ہے اور جن سے موجودہ قرآن کا محرف اور ناقابلِ اعتبار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولوی مقبول احمد صاحب کے حواشی اور ضمیمہ شیعہ مذہب اور اس کی رُوح کو سمجھنے کے لیئے بالکل کافی ہیں۔

مولوی فرمان علی صاحب نے بہت کچھ پردہ داری سے کام لیا ہے۔ تاہم قرآن مجید کے محرف ہونے کے بارے میں خود ان کا اور دوسرے شیعہ علماء کا جو عقیدہ ہے، اس کو کسی حد تک صفائی سے لکھ دیا ہے، جیساکہ ناظرینِ کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

حضرات شیخین (معاذ اللہ) مومن نہیں منافق تھے

سورہ بقرہ کی آیت ۸ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" کا ترجمہ لکھا ہے:

"اور آدمیوں میں سے ایسے بھی ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔"

پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے:

تفسیر امام عسکری میں جو کچھ وارد ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غدیر کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کو امیر المومنین سے بیعت کرنے اور ان پر بلفظ امیر المومنین سلام کرنے کا حکم دیا تو ابوبکرؓ و عمرؓ مہاجرین و انصار میں سے نو شخصوں کے پاس گئے اور ان سے اس بارہ میں پختہ وپز کرلی کہ جس وقت رسولؐ اللہ کا انتقال ہو جائے تو علی المرتضیٰؓ سے امرِ خلافت چھین لینے کی کوشش کریں اور جس چال سے ممکن ہو انہیں خلیفہ نہ ہونے دیں...... چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں عداوت ہے اور مستحق کو اس کے حق سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ پس اس آیت کے ذریعہ اپنے رسول کو ان کی حالت سے خبر دے دی۔" (ص ۴)

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خ

دے دی کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ ایمان سے محروم یعنی منافق ہیں۔ اور آپ کے قائم فرمائے نظام کو ناکام کرنے کے لیے خفیہ سازش کر رہے ہیں جو بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت اور شدید ترین کفر ہے۔ (العیاذ باللہ)

سورۂ نساء کی آیت ۱۳۷:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ٥

کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت فلاںؓ، فلاںؓ، فلاںؓ کے بارے[1] میں نازل ہوئی ہے۔ ابتداءِ اسلام میں جب وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان لائے اس کو تو خدا نے فرمایا "آمَنُوا" پھر جب ولایت انہیں جتلائی گئی اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان سے فرمایا:

"مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ"

تو اس وقت ان کے دلوں نے انکار کیا، اسے خدا نے فرمایا: "ثُمَّ كَفَرُوا" پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ "علیؓ کو میرا جانشین، اور امیر المومنین تسلیم کرنے کی بیعت کرو" تو انہوں نے اس حکم کی تعمیل اور بیعت کی، اسے خدا فرماتا ہے "ثُمَّ آمَنُوا" پھر جب رسول خدا کا انتقال ہوا تو وہ اس بیعت پر قائم نہ رہے، اسے خدا فرماتا ہے "ثُمَّ كَفَرُوا" بلکہ ان لوگوں نے جو بحکم رسولِ خدا جناب امیر المومنین کی بیعت کر چکے تھے

(1) حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

خود اپنے لیئے بیعت لی۔ اسے خدا فرماتا ہے "ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا"
جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کا کوئی جز تو کہاں باقی رہتا، کفر بھی معمول سے
کہیں زیادہ بڑھ گیا۔" (ص ۱۵۸)

روایت کا حاصل یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ (حضرات ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم) معاذ اللہ صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس درجہ کے کافر تھے کہ ان کے دلوں میں ذرّہ برابر ایمان بھی نہیں تھا۔

سورۃ الحاقہ کی آیت ۴۴:

" وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ

پر حاشیہ لکھا ہے:-

"تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسولِ خدا نے علیؓ المرتضٰے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر (مقام غدیر خم میں) ان کی ولایت کا اظہار کیا تو اس وقت ان دونوں صاحبوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ واللہ یہ خُدا کی طرف سے نہیں ہے اور یہ کوئی چیز بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ رسول یہ چاہتے ہیں کہ اپنے چچیرے بھائی کو اس کے ذریعے سے بزرگ بنا دیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے " وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا" سے لے کر آخر سورۃ تک یہ سب آیتیں نازل کیں، ازاں جملہ جو یہ فرمایا:

لہ: شیعوں کے ائمہ کی روایات اور ان کے علماء کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ فلاں، فلاں، فلاں سے مراد حضرات خلفاء ثلاثہ ہوتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ آیت انہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (الفرقان)

"اِنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِیۡنَ" اس سے مُراد فلاںؓ اور فلاںؓ ہیں، اور یہ جو فرمایا "وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِیۡنَ" اس میں اسم ضمیر سے مُراد علی مرتضیٰؓ ہیں۔" (ص ۹۰۷)

مطلب یہ ہُوا کہ قرآن پاک کی آیت "اِنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِیۡنَ" میں اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) شیخینؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا اور آپؐ کو جھوٹا قرار دینے والا فرمایا ہے۔ (استغفر اللہ ثم استغفر اللہ)

سُورۂ محمدؐ کی آیت ۲۵:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤى اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدَى الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ وَاَمۡلٰى لَهُمۡ"

کا ترجمہ لکھا ہے:

"بہ تحقیق جو لوگ بعد اس کے کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی تھی، اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گئے۔ شیطان نے ان کو فریب دیا اور ان کو اُمیدیں دلائیں۔"

پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے:

کافی میں امام جعفر صادق سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ فلاں اور فلاں (مراد شیخین) جناب امیر المومنین کی ولایت ترک کرنے میں ایمان سے پھر گئے، پھر فرمایا: واللہ یہ آیت ان دونوں کے بارے میں اور ان کے پیروؤں کے بارے میں نازل ہوئی۔

آگے اسی آیت کے لفظ "اَلشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ" کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"نیز جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ یہاں "الشیطٰن" سے

مُراد "حضرت ثانی" ہیں۔ (ص ۸۱۲)

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں خاص طور سے شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اور ان تمام صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں کو جنہوں نے ان کو خلیفہ رسول مانا اور ان کی پیروی کی مُرتد قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ثانی (یعنی حضرت عمرؓ) کو شیطان کہا ہے۔ (أستغفر الله العلی العظیم)

معلوم ہو کہ شیعہ علماء و مصنّفین خاص طور سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو سب سے بڑا مجرم اور کافرِ اعظم قرار دیتے ہیں۔ ان کو جابجا اپنی کتابوں میں "فرعون ہٰذا الامۃ" (اس اُمت کا فرعون) لکھتے ہیں۔ خلافت غصب کرنے کا اصل مجرم بھی انہی کو کہتے ہیں۔

شیعوں کے معروف محدّث اور فقیہ و متکلم نعمت اللہ الجزائری نے اپنی کتاب "الانوار النعمانیہ" میں لکھا ہے:۔

"إِنَّهُ قَدْ وَرَدَتْ فِي رِوَايَاتِ الْخَاصَّةِ أَنَّ الشَّيْطٰنَ يُغَلُّ بِسَبْعِيْنَ غِلًّا مِّنْ حَدِيْدِ جَهَنَّمَ وَيُسَاقُ إِلَى الْمَحْشَرِ، فَيَنْظُرُ وَيَرٰى رَجُلًا أَمَامَهُ تَقُوْدُهُ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ وَفِي عُنُقِهِ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ غِلًّا مِّنْ غِلَالِ جَهَنَّمَ فَيَدْنُو الشَّيْطٰنُ إِلَيْهِ وَيَقُوْلُ مَا فَعَلَ الشَّقِيُّ حَتّٰى زَادَ عَلَيَّ فِي الْعِقَابِ وَأَنَا أَغْوَيْتُ الْخَلْقَ وَأَوْرَدْتُهُمْ مَوَارِدَ الْهَلَاكِ فَيَقُوْلُ عُمَرُ لِلشَّيْطٰنِ مَا فَعَلْتُ شَيْئًا سِوَاءَ أَنِّيْ غَصَبْتُ خِلَافَةَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ" (جلد اوّل ص ۸۱، ۸۲)

"خاصہ (یعنی ہم شیعوں) کی روایات میں وارد ہوا ہے کہ شیطان کے گلے میں جہنم کے لوہے کے ستر طوق ہوں گے اور وہ اسی حالت میں محشر کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا، وہ دیکھے گا کہ اس کے آگے ایک آدمی ہے جس کو عذاب کے ملائکہ گھسیٹ کر لے جا رہے ہیں اور اس کی گردن میں جہنم کے ایک سو بیس [۱۲۰] طوق ہیں (معاذاللہ وہ حضرت عمرؓ ہوں گے) تو شیطان اس شخص کے قریب جا کر پوچھے گا کہ تجھ بدبخت نے کیا جرم کیا تھا کہ تجھ کو عذاب مجھ سے زیادہ دیا جا رہا ہے ؟ میں نے تو ساری مخلوق کو گمراہ کیا اور ہلاکت و بربادی کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ تو عمرؓ کہے گا۔ میں نے تو اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ علی بن ابی طالب کی خلافت کو غصب کر لیا تھا۔ (اور ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا دیا تھا)۔

آگے مصنف نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ:

:اس دنیا میں جو کفر و نفاق پیدا ہوا اور ظالموں کا جو تسلط اور غلبہ ہوا، وہ سب عمرؓ کی اسی مجرمانہ حرکت کا نتیجہ تھا۔ اسی لیئے اس کو آخرت میں شیطان سے زیادہ تقریباً دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

☆

(معاذاللہ) تین کے سوا تمام صحابہؓ مرتد ہو گئے :

شیعوں کے خبیث اور کفریہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار شخصوں کے سوا سارے صحابہ تمام مہاجرین و انصار مرتد ہو گئے تھے۔ یعنی کفر کی طرف پلٹ گئے تھے اور کفار کی بدترین قسم میں شامل ہو گئے تھے۔ اور اس ارتداد میں سب سے زیادہ بھرپور حصہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے لیا تھا۔ اور اسی کفر و ارتداد کی حالت میں ان کی وفات ہوئی، توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ شیعوں کی مستند کتاب "رجال کشی" کے ص ۴ پر ہے :

"عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اھل الردۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلاثۃ فقلت و من الثلاثۃ؟ فقال المقداد بن الاسود، و ابوذر الغفاری و سلمان الفارسی۔"

امام باقر سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے، سوائے تین کے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا کہ وہ کون تین تھے : تو جناب امام نے فرمایا کہ مقداد بن الاسودؓ، اور ابوذر غفاریؓ و سلمان فارسیؓ۔

نیز اسی کے ص ۵ پر ہے کہ :-

حمران نے ابوجعفر علیہ السلام سے کہا، اُف ہماری تعداد کتنی کم ہے ؟

ابوجعفر نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات بتاؤں !

حمران نے کہا ضرور بتائیے، آپ نے فرمایا :-

المهاجرون والانصار ذهبوا الا...... واشار بیدہ ثلاثۃ

یعنی مہاجرین و انصار سب چلے گئے (یعنی مرتد ہوگئے) صرف تین بچے (ص ۵)

اور ص ۶ پر ایک روایت ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے :-

وما حلق الا ھؤلاء الثلاثۃ : قلت فما کان فیہ عمار ؟ فقال لا قلت فعمار من اھل الردۃ ؟ فقال ان عمارا قد قاتل مع علی علیہ السلام بعدہ ۔

پوری روایت کا مطلب یہ ہے کہ : "ابوجعفر (یعنی امام باقر علیہ السّلام) نے فرمایا کہ مہاجرین و انصار سب نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہی امیر المؤمنین ہیں اور بخدا آپ ہی سب سے زیادہ حقدار ہیں، اور آپ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سزاوار ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو کل صبح سر منڈا کر آؤ۔ پس صرف سلمان، مقداد اور ابوذر نے سر منڈایا دوسرے کسی نے بھی نہیں منڈایا اور چلے گئے، دوسرے دن آکر انہوں نے پھر یہی بات کہی، اور حضرت علیؓ نے اپنا وہی جواب دہرایا پس اس دن بھی ان تین کے سوا اور کسی نے سر نہیں منڈایا۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ کیا ان میں عمار نہیں تھے ؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا تو کیا عمار بھی مرتدین میں سے تھے ؟ تو ابوجعفر نے کہا کہ عمار نے بعد میں حضرت علی علیہ السّلام کی معیت میں جہاد کیا تھا۔

اور ص ۸ پر انہیں ابوجعفر علیہ السّلام کے یہ الفاظ مذکور ہیں :-

ارتد الناس الا ثلاثۃ نفر سلمان وابوذر ومقداد

"یعنی سارے لوگ تین کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے۔ ایک سلمان، دوسرے ابوذر اور تیسرے مقداد۔"

ملّا مجلسی "کشی" کے حوالہ سے لکھتا ہے:

"وایضاً بسند حسن از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ صحابہ بعد از حضرت رسول مرتد شدند، مگر سہ نفر سلمان و مقداد و ابوذر، راوی گفت کہ عمار چہ شد؟ حضرت فرمود کہ اندک میلے کرد و بزودی برگشت۔" (حیات القلوب ص ۸۳۷ ؛ ج ۲)

نیز مجلسی "حیات القلوب" ہی میں لکھتا ہے:-

"وابن ادریس بسند معتبر از مفضل روایت کردہ است کہ گفت عرض کردم بر حضرت صادق جماعتے را کہ بعد از رسول مُرتد شدند پس کہ را نام می بُردم می فرمود کہ دور شو از من تا آنکہ حذیفہ وابن مسعود را گفتم و ہر یک را چنیں گفت پس فرمود کہ اگر آنہا را می خواہی کہ ہیچ شکے در ایشاں داخل نشدہ است پس بر تو باد بابوذر و سلمان و مقداد۔"

"وعیاشی بسند معتبر از امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسولؐ از دنیا رحلت نمود مردم ہمہ مُرتد شدند بغیر چہار نفر، علی بن ابی طالبؓ و مقداد و سلمان و ابوذر، راوی پرسید کہ عمار چہ شد؟ حضرت فرمود کہ اگر کسے را می خواہی کہ ہیچ شک در او داخل نشدہ باشد ایں نفر اند،" (ص ۲۶۷) (مجلسی کی نقل کردہ ان روایات کا مطلب یہی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تمام صحابہ مُرتد ہو گئے سوائے چار کے)

اصولِ کافی میں امام جعفر کا ارشاد ہے :-

کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ الاوّل والثانی والثالث ۔ (صافی اصول کافی کتاب الحجہ جزء ۳ : حصہ ۲ : ص ۱۱۵)

"یعنی اس آیت میں کفر، فسوق اور عصیان سے مراد اوّل، ثانی اور ثالث ہیں"۔

ملّا خلیل قزوینی لکھتا ہے :

مراد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ است ۔ یعنی کفر سے مراد ابوبکرؓ، فسوق سے مراد عمرؓ اور عصیان سے مراد عثمانؓ ہیں ۔

مجلسی، کلینی اور عیاشی سے نقل کرتا ہے کہ :

امام محمّد باقر سے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے اور پہلے سے یوں تفسیر بیان کرنا شروع کی کہ :-

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ میں جبت اور طاغوت سے ابوبکرؓ و عمرؓ مراد ہیں۔

مجلسی کے الفاظ یہ ہیں :-

"حضرت فرمود کہ مراد بہ جبت و طاغوت دو بت منافقاند ابوبکرؓ و عمرؓ"۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ھٰۤؤُلَآءِ اَھۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ۝

حضرت فرمود کہ مراد خلفاء جور و امامان گمراہ کہ مردم را بسوئے آتش جہنم خوانند ایشاں می گفتند کہ ایشاں ہدایت یافتہ تراند از آلِ محمّدؐ ... الخ

(ص ۸۵ : ج ۳)

ان سب عبارتوں اور روایتوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں کے عقیدہ میں چار پانچ کے سوا باقی، تمام صحابہؓ، سارے مہاجرین و انصار مرتد و کافر ہو گئے تھے اور نیز ابوبکرؓ و عمرؓ جبت و طاغوت تھے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

شیعوں نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کر کے قرآن کریم کی بکثرت آیات کو جھٹلایا ہے، مثلاً مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (آخر سورۃ تک) یہ عقیدہ اس آیت کے ایک ایک لفظ کی تکذیب کرتا ہے۔ اور مثلاً آیت: وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کہ اس کی بھی تکذیب اس سے ہوتی ہے۔ اور مثلاً اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی تکذیب بھی ہوتی ہے۔

نیز اس عقیدہ سے اسلام کی تاریخ مسخ ہوتی ہے۔ اس کی رُو سے اسلام کے ہیرو چند کافر و مرتد، باطل پرست، غاصب حقوق ظالم اور ظالم بھی اہل بیت رسالت کے حق میں قرار پاتے ہیں۔ جو اسلام کی سخت ترین توہین اور بدترین درجہ کی اسلام دشمنی ہے۔

اس عقیدہ کی رُو سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ناکام رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی درجہ کی اہانت ہے۔

نیز اس عقیدہ کی رُو سے باور کرایا جاتا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبویہؐ اور ساری شریعت کافر و مرتد، باطل پرست اور منافقوں کے ہاتھوں سے ملی، جو

کفر و فسوق و عصیان کے مصداق تھے، پھر اسے قرآن ایسی شریعت پر اعتماد کیسے کیا جاتا ہے؟

ان وجوہ اور ان کے علاوہ اور وجوہ سے ائمہ اسلام مثلاً قاضی عیاضؒ اور ملا علی قاریؒ نے واضح طور پر یہ فتویٰ صادر فرمایا:-

"نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة وتکفیر جمیع الصحابة۔" (کتاب الشفاء)

ہم قطعی طور پر ایسے شخص کی تکفیر کرتے اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں جو ایسی بات کہے جس کے نتیجہ میں ساری اُمت گمراہ قرار پاتی ہو اور تمام صحابہؓ کی تکفیر ہوتی ہو۔

افهم يعتقدون كفر اكثر الصحابة فضلا عن سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

یہ شیعہ روافض اکثر صحابہؓ کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، چہ جائیکہ اہل السنۃ والجماعۃ، پس یہ لوگ بالاجماع کافر ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (خصوصی اشاعت ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۱۰۴)

ایسے خبیث اور گندے عقائد رکھنے والے خیر البریہ نہیں، بلکہ شر البریہ ہیں، جناب خادم حسین اور ان کے ہم خیال شیعہ کو ایسے بیہودہ عقائد رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو خیر البریہ کہنا پرلے درجہ کی بے شرمی و بے حیائی کی بات ہے۔

☆

ازواجِ مطہرات حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کی شان میں گستاخی

معلوم ہے کہ سورۃ احزاب کے آغاز ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کے تعلق کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ

”قرآن مجید کی اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو مومنین کی مائیں بتلایا گیا ہے“ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اہلِ ایمان دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق اور رشتہ سے آپؐ کی ازواجِ مطہرات کی وہ عظمت ہونی چاہیئے جو ماؤں کی ہوتی ہے۔ اور اسی کے مطابق ادب و احترام کا رویہ رہنا چاہیئے وہ ایمان کے رشتہ سے اہلِ ایمان کی مقدس مائیں ہیں جو خون کے رشتہ سے بدرجہا زیادہ احترام کی مستحق ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ چونکہ حضرت صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی صاحبزادیاں ہیں اس لیئے ان کے ساتھ بھی شیعہ شرّالبریّہ کو وہی عداوت ہے جو حضرات شیخینؓ کے ساتھ ہے۔ اور ان کی روایات میں ان مطہر و مقدس ماؤں کے لیئے بے تکلف منافقہ و کافرہ جیسے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں اور ان پر وہ سنگین ترین تہمتیں لگائی گئی ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے تراشنے والے اور بیان کرنے والے ایمان ہی سے نہیں، انسانیت اور اس کے خاص امتیازی جوہر عقل سے بھی محروم ہیں، چہ جائیکہ ان کو خیرالبریہ کہا جائے۔ جیسا کہ ہمارے شیعہ دوست خادم حسین کا زعمِ فاسد ہے۔

ملّا باقر مجلسی کی کتاب حیات القلوب (ص ۷۴۲ : ج ۲) میں ایک مستقل

باب ہے۔ جس کا عنوان ہے :۔

" باب پنجاہ و پنجم در بیان احوالِ شقاوت مآلِ عائشہؓ وحفصہؓ "

" باب نمبر ۵۵ ، عائشہؓ وحفصہؓ کے بدبختانہ حالات کے بیان میں "

اس باب میں اور کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی ان دونوں امہاتُ المومنینؓ کو مجلسی نے بار بار " منافقہ " لکھا ہے۔ پھر اسی کتاب کی اسی جلد میں آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں لکھا ہے :

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہؓ وحفصہؓ ، آنحضرت را بزہر شہید کردند۔ (ص - ۸۷)

عیاشی نے سند معتبر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ عائشہؓ وحفصہؓ نے آنحضرتؐ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

اور اسی کتاب کی اسی جلد میں مجلسی نے اپنے اسلاف علی بن ابراہیم اور عیاشی کی روایت سے یہ خرافاتی کہانی بھی بیان کی ہے کہ :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو رازداری کے ساتھ بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے بتلایا ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ ظالمانہ طور پر خلیفہ ہو جائیں گے۔ اور ان کے بعد تمہارے والد عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ لیکن حفصہؓ نے عائشہؓ سے ذکر کر دیا۔ انہوں نے اپنے والد ابوبکرؓ کو بتلا دیا۔ انہوں نے عمرؓ سے کہا کہ حفصہؓ نے عائشہؓ کو یہ بات بتلائی ہے انہوں نے اپنی حفصہؓ سے پوچھا، اس نے پہلے تو بتلانا نہ چاہا، لیکن آخر میں بتلا دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ سے فرمائی تھی۔

آگے مجلسی نے لکھا ہے :

"پس آں دو منافق و دو منافقہ بایک دیگر اتفاق کردند کہ آنحضرتؐ را بہ زہر شہید کنند" (ص ۷۴۵)

پس ان دونوں منافقوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) اور دونوں منافقات (عائشہؓ و حفصہؓ) نے اس بارے میں اتفاق کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کر دیا جائے۔

استغفراللہ : لاحول ولا قوۃ الا باللہ !!

ایسے کفریہ عقائد رکھنے والے فرقہ کے متعلق کہنا کہ یہ شیعہ خیر البریہ ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے شیطان ملعون کے متعلق یہ کہنا کہ وہ تمام مخلوقات میں سے بزرگ ترین مخلوق ہے۔

شیعہ رافضی لوگوں کو ایسے بیہودہ دعوے کرنے سے شرم و حیا کرنی چاہیئے۔

مولوی محمد حسین فاضل نجف اشرف

۱ پاکستان کے شیعہ مجتہدین میں سے ایک مولوی محمد حسین ڈھکو فاضل نجف اشرف (مقیم سرگودھا) ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "اثبات الامامت" میں اپنے اساتذہ کی ان تحریرات کا عکس بھی شائع کر دیا ہے جنہوں نے ان کو اجتہاد کی سندیں دی ہیں۔ مجتہد مذکور بھی اپنے عقیدۂ امامت کی بناء پر صحابہ کرامؓ اور خصوصاً پہلے تین خلفاء راشدین امام الخلفاء حضرت ابوبکرؓ صدیق۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے انتہائی بغض رکھتے ہیں۔ اور ان کو صراحتہً غیر مومن اور منافق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نے اپنے استفتاء میں ان کی کتاب "تجلیاتِ صداقت" سے دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اس سلسلے میں مولوی محمد حسین شیعہ مجتہد یہ زہر افشانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

- "جناب امیر (یعنی حضرت علیؓ المرتضٰے) خلافتِ ثلاثہ کو غاصبانہ وجابرانہ، اور خلفاء ثلاثہ کو گنہگار، کذّاب، غدّار، خیانت کار اور ظالم و غاصب اور
۲ اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافتِ نبوّت کا حقدار سمجھتے تھے۔"

(تجلیاتِ صداقت ص ۲۰۶ ناشر انجمن حیدری بھون روڈ چکوال)

- اصحابِ ثلاثہ اور ان کے تابعین ہرگز اس میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ نہ مومن ہیں نہ مخلص مہاجر۔ (ایضاً ص ۴۹)
- ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا۔ (ایضاً ص ۶۵)
- ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔ عائشہؓ صاحبہ

نے خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازہ کو روکا اور حجرہ میں اس سے مانع ہوئیں اس پر شیعانِ علیؓ نے شور مچایا کہ تو کبھی اونٹ پر سوار ہوتی ہے اور کبھی خچر پر، اگر زندہ رہی تو اب ہاتھی پر سوار ہوگی۔ (ایضاً ص ۴۷۸)

یہ کتاب تجلیاتِ صداقت اسی طرح کے ہذیانات و مکذوبات سے مملو ہے۔

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

مولوی حسین بخش جاڑا

پاکستان کے ایک اور شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش جاڑا ہیں (مقیم دریا خاں ضلع میانوالی حال لاہور) مجتہد مذکور بھی فاضل نجف اشرف (عراق) ہیں تو انہوں نے بھی اپنی تفسیر انوار النجف جلد ا میں اپنے اساتذہ کا سلسلۂ اسناد درج کیا ہے۔

- مصنف مذکور نے چند سال ہوئے ایک فرضی مناظرہ بغداد شائع کیا جس میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے:۔

یہ لوگ (ثلاثہ) دل و جان سے مومنین نہیں تھے۔ البتہ ظاہراً زبانی طور پر وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ (ص ۵۷)

- اسلام کے جرنیل اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:۔

انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اسی رات اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا اور اس ظالم خالد نے مالک اور اس کی قوم کے دوسرے سرداروں کے سر چولہے کی اینٹوں کی جگہ رکھ کر اوپر دیگ چڑھا دی۔ اور اس زنا کا ولیمہ تیار کیا اور خود بھی کھایا اور فوج کو بھی کھلایا۔ (ص ۹۹)

• "خالد سیف اللہ نہیں، سیف الشیطان تھا۔" (ص ۱۰۰)

٦

مولوی غلام حسین نجفی

• ایک اور شیعہ مصنف مولوی غلام حسین نجفی فاضل نجف اشرف مقیم لاہور نے اپنی کتاب "سہم مسموم فی وجوب نکاح ام کلثوم" میں بعنوان "جناب عمرؓ کے متعلق قرطاس ابیض" نمبروار ایک سو الزامات حضرت فاروقِ اعظمؓ پر لگائے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

جناب عمرؓ کا موجودہ قرآن پر ایمان نہ تھا۔

جناب عمرؓ کو لقب فاروق یہودیوں نے عطا کیا تھا۔

جناب عمرؓ نبیؐ کی بیویوںؓ پر آوازے کستا تھا۔ جب وہ رات کے وقت رفع حاجت کے لیئے مدینہ سے باہر جاتی تھیں۔

جناب عمرؓ جہنم کا تالا ہے اور بہتر تو یہ تھا کہ جہنم کا گیٹ ہوتا۔ (العیاذ باللہ)

• یہی غلام حسین نجفی اپنی ایک دوسری تصنیف "قولِ مقبول فی اثباتِ وحدتِ بنتِ رسولؐ (ص ۴۳۲) میں قرآن نبیر سے موعود خلیفہ راشد داماد رسولؐ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یوں ہرزہ سرائی کرتا ہے:۔

جناب عثمانؓ نے پہلی بیوی رقیہؓ کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ دوسری بیوی ام کلثومؓ کو اذیتِ جماع سے مار ڈالا تھا۔ اور پھر خلیفہ ولید کی طرح اس کے مردہ سے ہمبستری کرتا رہا۔ اور پوری دنیا میں یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے شرم وحیا کا پردہ توڑ کر اپنی بیوی کے مردہ سے ہمبستری کی ہے اور نبی کریمؐ کو اذیت دینے والا رحمتِ خداوندی کا حقدار نہیں ہے۔ پس شیعوں کے امام نے اس لیئے فرمایا

ہے جس نے نبی کریم کو اذیت دی۔ اے خدا تو اس پر لعنت بھیج ۔"

استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۰

مرزا حسن الحائری الاحقاقی

ایک شیعہ آیت اللہ مرزا حسن الحائری الاحقاقی عراق سے فرار ہو کر کویت میں پناہ گزین ہیں۔ ان کی ایک عربی کتاب کا ترجمہ بنام "مصباح العقائد" پاکستان میں، مبلغ اعظم اکیڈمی فیصل آباد نے شائع کیا ہے۔ اس میں بھی خلفائے راشدینؓ کے بارے میں زہر افشانی کی گئی ہے۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ پر اس مذکورہ بہتان کو دہراتے ہوئے (جو ایران کے خمینی سے لے کر پاکستان کے شیعہ مصنفین تک سب کا شیوہ ہے) کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ:

خلیفہ ثانی کی خلافت میں مغیرہ بن شعبہؓ نے زنا کیا اور زنا کار کی بجائے اس کے چشم دید گواہوں کو کوڑے لگائے گئے۔ حضرت علیؓ کے اعتراض کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ خلافت عمرؓ کا زمانہ ہی تھا کہ معاویہؓ جیسا طالب دنیا امیر شام بن گیا ...... الخ (ص ۱۶۹)

قارئین کرام اندازہ کر سکتے ہیں کہ شیعہ مصنفین کفر و نفاق کے زہر آلود تیر ان اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر برسا رہے ہیں جو مہاجرین اولین میں سے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ۔ (پ ۱۱: ع ۲) قرآن کی قطعی سند عطا فرمائی ہے۔ اور

یہ شیعہ علماء ان ازواجِ مطہرات کی عظمت مجروح کر رہے ہیں جن کو ربّ العالمین نے امہات المومنین (اہلِ ایمان کی مائیں) فرما کر اُمتِ مسلمہ کے ایمان کے لیئے معیارِ حق قرار دیا ہے۔ شیعیت کی اس ناپاک اور جارحانہ کاروائی کے بعد کیا کوئی اہلِ عقل وانصاف شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ فرقہ خیر البریّہ ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ لعنتی فرقہ ہے۔

(خصوصی اشاعت ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۶۴)

٭ ٭ ٭

شیخین کے بارے علامہ خمینی کا عقیدہ

رُوح اللہ خمینی صاحب جو شیعہ عالم اور مجتہد ہونے کے ساتھ اپنے نظریہ "ولایۃ الفقیہ" کے مطابق امام غائب معصوم (امام مہدی) کے گویا قائم مقام بھی ہیں۔ ہمارے اس دور میں شیعہ مذہب کے سب سے بڑے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء سابقین اوّلین صحابہ کرام کے بارہ میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے بغیر صفائی سے وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی شیعوں کے ائمہ معصومین کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ خمینی صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء فارسی تصنیف کشف الاسرار میں ص ۱۱۲ سے ۱۲۰ تک اس موضوع پر بہت طویل اور

مفصل کلام کیا ہے۔ جس کا حاصل چند نمبروں میں ملاحظہ فرمائیں :۔

۱۔ شیخین ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع و ہوس میں انہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔ (یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں)

آنہا نیکہ سالہا در طمع ریاست خود را بدیں پیغمبر چسپانده بودند (کشف الاسرار ص ۱۱۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا، اس کے لیئے وہ ابتداء ہی سے سازش کرتے رہے اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی۔ ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کر لینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ (ایضاً ص ۱۱۳-۱۱۴)

۳۔ اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت اور خلافت کے لیئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر بھی کر دیا جاتا۔ تب بھی یہ لوگ ان آیاتِ قرآنی اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبے سے دست بردار ہونے والے نہیں تھے۔ جس کے لیئے انہوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہ سے چپکا رکھا تھا۔ اس مقصد کے لیئے جو حیلے اور جو داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے۔ اور فرمانِ خداوندی کی پرواہ نہ کرتے۔ (ایضاً)

۴۔ قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لیئے معمولی بات تھی انہوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی۔ اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس سلسلہ میں خمینی صاحب نے "مخالفتہائے ابوبکرؓ بانصِ قرآنی" اور

"مخالفتہائے عمرؓ با قرآن" کے عنوانات قائم کر کے ان کی مخالفتِ قرآن کی مثالیں بھی دی ہیں۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۵ و ۱۱۹)

۵۔ اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لیئے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے۔ یہ ان کے لیئے معمولی بات تھی (ایضاً ص ۱۱۴)

۶۔ اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے، تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام وخلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شورٰی سے طے ہوگا۔ اور علیؓ جن کو امامت کے منصب کے لیئے نامزد کیا گیا تھا، اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا تھا۔ ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔ (ایضاً ص ۱۱۴)

۷۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عمرؓ ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کو نازل کرنے میں، یا جبریلؑ یا رسولؐ خدا سے ان کے پہنچانے میں اشتباہ ہو گیا۔ یعنی غلطی اور چوک ہو گئی۔ (ایضاً ص ۱۱۹-۱۲۰)

۸۔ خمینی صاحب نے حدیثِ قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دردناک توجہ کے انداز میں (حضرت عمرؓ کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپؐ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روحِ پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ اور آپؐ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس موقع پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمرؓ یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زندقہ کا ظہور تھا۔ یعنی اس سے ظاہر ہو گیا کہ (معاذ اللہ) وہ باطن میں کافر و زندیق تھا۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

۹۔ اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لیئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسلام کو ترک کر کے اور اس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یہ ایسا ہی کرتے۔ اور (ابوجہل و ابولہب کا موقف اختیار کر کے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہو جاتے۔ (ایضاً ص ۱۱۴)

۱۰۔ عام صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک و شامل، اُن کے رفیقِ کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی ان میں جرأت و ہمت نہیں تھی۔ (ایضاً ص ۱۱۹-۱۲۰)

خمینی صاحب کے بیانات جو اُن کی کتاب "کشف الاسرار" کے حوالہ سے سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے سامنے آجانے کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء سابقین اوّلین صحابہؓ کرام کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ سب (معاذ اللہ) کافر و منافق ایمان سے قطعی محروم، خالص دنیا پرست تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع میں انہوں نے منافقانہ طور پر

صرف زبان سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ باطن میں وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ استغفراللہ۔ استغفراللہ!

(ایک اہم استفتاء ص ۱۱ ، ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت ص ۷۵)

علامہ خمینی کے مذکورہ خیالات کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اگر ان کو خادم صاحب خیرالبریہ کہتے ہیں تو خادم صاحب کو اپنا دماغی علاج کرانا چاہیئے۔

تحریفِ قرآن کا شیعی عقیدہ

شیعہ رافضیہ کی بنیادی اور مسلمہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ایسے یقین کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آئی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ شیعہ رافضیہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے۔ اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسی اگلی آسمانی کتابوں تورات۔ انجیل وغیرہ میں ہوئی۔ یہ بعینہ وہ "کتاب اللہ" نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی۔

شیعہ رافضیہ کی حدیث کی ان کتابوں میں جن کے ائمہ معصومین کی روایات جمع کی گئی ہیں (جن پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے) خود ان کے اکابر محدثین ومجتہدین کے مطابق دوہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جن سے قرآن کا محرّف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ان کے اُن علماء ومجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں۔ اور تحریفِ قرآن پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے۔ جس میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

اسی مطالعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے آخر بلکہ چوتھی صدی کے قریباً نصف تک پوری شیعی دنیا کا یہی عقیدہ رہا۔ اس صدی کے قریباً وسط میں شیخ

سے پہلے صدوق بن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) نے اور اس کے بعد پانچویں صدی میں شریف مرتضےٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور شیخ ابوجعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اور چھٹی صدی ہجری میں ابوجعفر طبرسی مصنّف تفسیر "مجمع البیان" (م ۵۴۸ھ) نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ وہ قرآن کو عام مسلمانوں کی طرح محفوظ اور غیر محرّف مانتے ہیں۔ لیکن شیعی دنیا نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا بلکہ ائمہ معصومین کی متواتر اور صریح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔

مختلف زمانوں میں شیعوں کے اکابر واعاظم علماء ومجتہدین نے قرآن کے محرف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب جو مطالعہ میں آئی، وہ شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب ربّ الارباب"۔ یہ عربی زبان میں باریک قلم سے لکھی ہوئی قریباً چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کے مصنّف نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے، دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کتابوں کی طویل فہرست دی ہے جو مختلف زمانوں میں شیعہ کے اکابر علماء ومجتہدین نے موجودہ قرآن کو محرّف ثابت کرنے کے لیے لکھی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے اس میں شک وشبہ نہیں رہتا کہ شیعہ کا عقیدہ قرآن پاک کے بارے میں یہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔ اور ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔

شیعہ فرقہ کے جن لوگوں نے خاص کر جن علماء ومصنّفین نے تحریف کے عقیدہ سے انکار کیا ہے۔ اس کی سمجھ میں آنے والی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے یہ انکار کچھ مصلحتوں کے تقاضے سے کیا ہے۔ یعنی تقیہ کیا ہے۔ (ایک اہم استفتاء ص ۱۲)

مُسلمانوں کی نظر میں تحریفِ قرآن کا عقیدہ قرآن پر ایمان نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مذہب شیعہ کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت چیز یہی ہے۔ کیا وہ اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے بھی خیرالبریّہ کا دعویدار رہے؟

ذیل میں شیعہ کی چند ایک کتب کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جن میں قرآن پاک میں تحریف اور تغیّر و تبدّل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ عن ابی جعفر علیہ السّلام قال نزل جبرئیل علیہ السّلام بھٰذہ الآیۃ علی محمّد (ص) "بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فی علیّ بَغْیًا۔

امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جبرائیل (ع) محمد (ص) پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔" بِئْسَمَا اشْتَرَوْا...... فی علیّ بَغْیًا

۲۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال نزل جبرئیل علیہ السّلام علی محمّد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم بھٰذہ الآیۃ ھکذا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا فی علیّ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔

(اصُولِ کافی ص ۲۶۴)

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جبرئیل (ع) محمد (ص) پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا فی علیّ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔"

امام باقر اور امام جعفر صادقؒ کی ان دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو مرتب اور شائع کرنے والے خلفاء ثلاثہ نے ان دونوں آیتوں میں سے فی علیّ نکال دیا اور یہ

تحریف کر دی۔

۳۔ باقر مجلسی "حیات القلوب" میں لکھتا ہے کہ جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ وَآلَ مُحَمَّدٍ عَلَى الْعَالَمِينَ اور کہتے تھے کہ

"پس آلِ محمد را از قرآن انداختند و گفت چنیں نازل شدہ است۔"

(یعنی) ابوبکر و عمر اور ان کے ہمنواؤں نے قرآن سے لفظ آلِ محمد نکال ڈالا۔ حالانکہ وہ آیت لفظ آلِ محمد کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔

اور امام موسیٰ کاظم سے بھی نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ "وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ وَآلَ مُحَمَّدٍ عَلَى الْعَالَمِينَ

(حیات القلوب ص ۶۳)

۴۔ قرأ رجل عند ابی عبد اللہ علیہ السلام قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ فقال: لیس ھکذا ھی، انما ھی والمأمونون، فنحن المأمونون۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی "قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ" (موجودہ قرآن میں یہ آیت اسی طرح ہے) تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے، صحیح اس طرح ہے " فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ والمأمونون" اور مامونون سے مراد ہم ائمہ ہیں۔

۵۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال: نزل جبرئیل علیہ السّلام بھذہ الآیۃ ھکذا فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ بولایۃ علی علیہ السّلام اِلَّا کُفُوْرًا۔

امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جبرئیلؑ یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔ "فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ بولایۃ علی علیہ السلام اِلَّا کُفُوْرًا" (مطلب یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں نے اس آیت میں سے بولایۃ علی علیہ السلام کے الفاظ نکال دیئے۔ اور قرآن میں تحریف کر دی)

۶۔ قال: ونزل جبرئیل علیہ السلام بھذہ الآیۃ ھکذا: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فی ولایۃ علی علیہ السلام فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ بآل محمد نَارًا ص۱۸۰

اور یہ بھی فرمایا کہ جبرئیلؑ یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے "وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فی ولایۃ علی علیہ السلام..... اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ بآل محمد نَارًا" (مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں سے فی ولایۃ علی علیہ السلام اور آخر سے بآل محمد کے الفاظ نکال دیئے ہیں اور اس آیت میں دو تحریفیں کی گئیں۔

۷۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ تعالی: سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ بولایۃ علی لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ۔ ثم قال: ھکذا واللہ نزل بھا جبرئیل علیہ السلام علی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

(صافی کتاب الحجہ، جز سوم حصہ ۲ ص۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ"

کے بارے میں امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جبرئیلؑ یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ لِلْكَافِرِينَ "کے آگے" بِوَلَايَةِ عَلِيٍّ "کے الفاظ تھے (مطلب یہ ہوا کہ ظالموں نے یہ الفاظ قرآن میں سے نکال دیئے اور تحریف کر دی)

۸۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال: نزل جبرئیل علیہ السلام بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھکذا فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

(صافی کتاب الحجہ جزء سوم ص۱۰۶)

امام باقر سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ محمد (ص) پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ "بَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" (مطلب یہ کہ اس آیت میں دو جگہ "آل محمد حقھم" کے الفاظ تھے وہ دونوں جگہ سے نکال دیئے گئے)

۹۔ عن ابی جعفر قال: نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ ھکذا: "اِنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ الآیۃ" ص۱۰۲

امام باقر سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آل محمد حقھم لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ الآیۃ۔ مطلب یہ کہ اس آیت میں سے بھی "آل محمد حقھم" کے الفاظ آلِ محمدؐ کے دشمن ظالموں نے نکال دیئے۔

۱۰۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال ھکذا نزلت ھذہ الآیۃ " ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لھم۔ (ص ۱۷۱)

امام باقرؒ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی " ولو انھم فعلوا مایوعظون بہ فی علی لکان خیرا لھم " (مطلب یہ کہ اس آیت میں سے بھی فی علی نکال دیا گیا اور تحریف کر دی گئی)

کافی میں ایک باب کا عنوان ہے " باب انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ " اس کی پہلی حدیث یہ ہے۔ راوی کہتا ہے:۔

سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب، وما جمعہ وحفظہ الا علی بن ابیطالب والائمۃ من بعدہ علیھم السلام (صافی کتاب الحجہ ص ۱۵۸)

میں نے امام باقرؒ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو دعویٰ کرے کہ اس نے پورا قرآن جس طرح کہ وہ نازل ہوا ہے جمع کر لیا ہے (یعنی وہ اس کے پاس ہے) وہ اعلیٰ درجہ کا جھوٹا ہے۔ پورا قرآن تو صرف حضرت علیؓ اور ان کے بعد کے اماموں نے جمع کیا ہے (یعنی پورا قرآن صرف ان ہی کے پاس رہا ہے۔ اور اب آخری امام، امام غائب کے پاس ہے)

ملا خلیل قزوینی اس کی شرح میں لکھتا ہے:۔

" روایات خاصہ وعامہ در اسقاط بعض قرآن بسیار است "

قرآن کے بعض حصوں کو حذف کر دینے کی روایتیں خاص شیعوں کے ہاں، اور عامہ عوام کے ہاں بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

شیعوں کے قائل تحریف ہونے کی یہ شہادتیں " مشتے نمونہ از خروارے " ہیں۔ اور تحریف

قرآن کا عقیدہ رکھنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ وہ بلاشبہ کافر و مرتد ہے۔ اس لیے کہ یہ ارشادِ خداوندی (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ) کی تکذیب ہے۔

نیز قرآن کو محرّف ماننے کے علاوہ اس کو ناقابلِ استناد و احتجاج قرار دینا شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کی تعلیم ہے۔

شیعوں کی مشہور کتاب "رجال کشی" میں امام جعفر صادق کی یہ حدیث مذکور ہے:۔

نظرت فی القرآن فاذا ھو یخاصم بہ المرجئی والقدری والزندیق الذی لا یؤمن بہ حتیٰ یغلب الرجال بخصومتہ فعرفت ان القرآن لا یکون حجۃ الا بقیم (ص ۲۶۴)

اس قرآن سے تو مرجئی اور قدری اور زندیق جو اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی اس سے دلیل پکڑتا ہے۔ اور مناظرہ میں لوگوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے، اس سے میں نے جان لیا کہ یہ قرآن بغیر کسی قیم (یعنی امام معصوم) کے قابلِ استناد و احتجاج نہیں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی نازل فرمائی ہوئی یہ کتاب پاک قرآن حکیم جس کو اللہ تعالیٰ نے جا بجا "مبین" فرمایا ہے (یعنی صاف صاف بیان فرمانے والی) اور فرمایا اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (یعنی یہ قرآن قول فیصل ہے) نیز اس کی شان میں فرمایا۔

لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝

(یعنی یہ قرآن اللہ حکیم و حمید کا نازل فرمایا ہوا ہے، سراسر حق ہے۔ اس میں باطل کسی طرف سے بھی داخل نہیں ہو سکتا)

اس کے بارے میں علاوہ تحریف کے اثنا عشریہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) ایک مہمل کتاب ہے کہ اس سے حق و باطل کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جناب امام کی تشریح و تفسیر کی

بنیاد پر ہی فیصلہ ہو سکے گا۔

قرآن پاک کی اس سے بڑی اہانت اور کیا ہو سکتی ہے ؟

ہم یہاں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تحریف وغیرہ سے متعلق جو روایتیں یہاں نقل کی گئی ہیں ، ہمارے نزدیک وہ جناب امام باقر اور جعفر صادق وغیرہ بزرگوں پر شیعہ مذہب گھڑنے والوں اور ان کے مصنفین کا افتراء ہے۔

ان بزرگوں کا دامن اس طرح کی موجب کفر باتوں سے بالکل پاک ہے ۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ، علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ص ۹۹)

عقیدۂ تحریفِ قرآن اور مولوی مقبول احمد دہلوی !

مولوی مقبول احمد دہلوی نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۶۴ "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ الآية" پر حاشیہ لکھا ہے ۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اصل تنزیل میں جَاءُوكَ کے بعد یا علی تھا ۔(ص ۱۴۰)

مطلب یہ ہے کہ آیت میں تحریف کی گئی ۔ جَاءُوكَ کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں حضرت علی رض تھے ۔ آیت میں سے ان کا نام نکال دیا گیا ۔

پھر اسی سلسلہ کی آیت نمبر ۶۶ " وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ الآية " پر حاشیہ لکھا ہے کہ :-

" کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اصل تنزیل یوں تھی "

"مَا يُوعَظُونَ بِهِ فِي عَلِيٍّ" (یعنی علی رض کے بارے میں جو نصیحت کی گئی) ص ۱۴۰

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے بھی فِی عَلِیٍّ کا لفظ نکال دیا گیا اور تحریف کر دی گئی۔

سُورۃ نسآء کی آیت نمبر ۱۷۰ " یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ الاٰیۃ " کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

" کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ آیت اس طرح منقول ہے: قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فِیۡ وِلَایَةِ عَلِیٍّ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ وَاِنۡ تَکۡفُرُوۡا بِوِلَایَةِ عَلِیٍّ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الخ " ص ۱۶۵

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے فِیۡ وِلَایَةِ عَلِیٍّ بِوِلَایَةِ عَلِیٍّ کے الفاظ نکال دیئے گئے۔ اور اس طرح اس آیت میں دو تحریفیں کی گئیں۔

سُورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۹ " فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا " کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:-

" کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جبرائیلؑ امین نے یہ آیت یوں پہنچائی تھی۔

فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ بِوِلَایَةِ عَلِیٍّ اِلَّا کُفُوۡرًا۔ (پھر بھی بہت سے لوگ ولایت جناب امیر المومنین کا انکار کیئے بغیر نہ رہے) ص ۴۶۴

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ کے بعد اور اِلَّا کُفُوۡرًا سے پہلے بولایۃ علی تھا قرآن کو مرتب و جمع کرنے والے خلفاء ثلاثہؓ نے یہاں سے بھی بولایۃ علیؑ کا لفظ نکال دیا اور تحریف کر دی۔

سُورۃ کہف کی آیت نمبر ۲۹ " وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ الایۃ " کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:-

" کافی میں جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جبرائیلؑ امین اس آیت کو یوں لائے تھے۔ وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فِیۡ وِلَایَةِ عَلِیٍّ۔

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے بھی فِی وِلَایَۃِ عَلِیٍّ کے الفاظ نکال دیئے گئے اور تحریف کر دی گئی۔

سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ " وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ " الآیۃ پر حاشیہ لکھا ہے کہ :۔

کافی میں جناب امام جعفر صادق سے خدا تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں منقول ہے کہ واللہ جناب رسولِ خدا پر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی :

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ كَلِمٰتٍ فِي مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْأَئِمَّةِ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ فَنَسِيَ۔ ص ۵۰۹

مطلب ظاہر ہے کہ شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس آیت میں لفظ من قبل کے بعد پوری عبارت یہ تھی : كَلِمٰتٍ فی محمد و علی وفاطمۃ و الحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔ یعنی قرآن کو جمع اور مرتب کرنے والے خلفاء ثلاثہؓ نے اس پوری عبارت کو قرآن سے نکال دیا۔

سورۂ احزاب کی آخری آیت کے آخری کلمات " وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا " کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ :

"ثواب الاعمال" میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ سورۂ احزاب، سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ طویل تھی، مگر چونکہ اس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں۔ اس لیے اسے کم کر دیا گیا، اور اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔ ص ۶۸۲

قرآن مجید کھول کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سورۂ بقرہ میں دو سو چھیاسی آیتیں ہیں، اور موجودہ

سورۂ احزاب میں صرف تہتّر یعنی سورۂ بقرہ کے مقابلہ میں قریباً ایک چوتھائی، تو حاصل یہ ہوا کہ موجودہ سورۂ احزاب کے مقابلہ میں اصلی سورۂ احزاب تقریباً چار گُنا تھی۔ قرآن مجید جمع کرنے والے حضرات خلفاء ثلاثہؓ نے ¾ کے قریب اس میں سے نکال دیا اور وہ تقریباً چوتھائی رہ گئی۔ حاشیہ لکھنے والے مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اس کو خود تحریف لکھا ہے۔

یہ تو صرف ایک سورۂ احزاب میں تحریف کا حال ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیعہ صاحبان کے نزدیک موجودہ قرآن مجید اصل نازل ہونے والے قرآن مجید کے مقابلہ میں کتنا ناقص رہ گیا ہے۔

استفتاء میں اصولِ کافی کے حوالہ سے انہیں امام جعفر صادقؒ کا ارشاد نقل کیا جا چکا ہے کہ جو قرآن جبرائیلؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا تھا اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں (جبکہ موجودہ قرآن میں کُل آیتیں چھ ہزار سے کچھ ہی اُوپر ہیں۔ ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں)

سورۂ محمدؐ کی آیت نمبر ۲ کے کلمات " وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:

"تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ اصل تنزیل یوں ہوئی تھی۔ وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ فِیْ عَلِیٍّ (یعنی اور جو کچھ محمد مصطفےٰ پر حضرت علیؓ کے بارے میں نازل کیا گیا اُس پر ایمان لائے)" صفحہ ۸۰۸

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے بھی قرآن جمع کرنے والوں نے فِیْ عَلِیٍّ کا لفظ نکال دیا اور تحریف کر دی۔

سورۂ واقعہ کی آیت نمبر ۲۹ "وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ" پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

تفسیر مجمع البیان میں عامۃ النّاس کی روایت ہے کہ کسی شخص نے جناب امیر المومنین

کے سامنے وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ پڑھا تو حضرت نے فرمایا کہ طلح کا کیا موقع ہے۔ اصل تو یہاں طَلْع ہے۔ جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "وَ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ"، کسی نے عرض کی، پھر حضور اسے بدل کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: آج اس کا موقعہ نہیں ہے کہ قرآن مجید میں اصلاح کر کے عوام الناس کو ہیجان میں لایا جائے (ائمہ علیہم السلام میں یہ حق مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السلام کا ہے کہ قرآن مجید کو اسی حد پر پڑھوائیں گے جس پہ وہ زمانہ جناب رسولِ خدا میں پڑھا جاتا تھا)

تفسیر صافی میں ہے کہ ہمارے بہت سے علماء نے یعقوب سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق کے سامنے وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ پڑھا تو حضرت نے فرمایا کہ اصل تو یوں نہیں ہے۔ اصل تو وطلع منضود تھا۔ ص۸۵۴

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن کا لفظ طلحِ منضود غلط ہے۔ اصل تنزیل میں طلع منضود تھا۔ واضح رہے کہ یہ صرف ح اور ع کا فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کے معنی میں بھی فرق ہے۔ اس روایت کے مطابق امیرالمومنین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے موجودہ قرآن کے طلحِ منضود کو غلط تو بتلایا، لیکن صرف عوام کے ہیجان اور ناراضگی کے خوف سے اس غلطی کی اصلاح و تصحیح سے گریز فرمایا۔ کیا اس میں کوئی شک شبہ کی گنجائش ہے کہ یہ سیدنا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر افتراء اور بہتان ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شیعوں کی حدیث کی کتابوں میں حضرت علی مرتضٰی اور دیگر ائمہ معصومین سے اس طرح کی جو روایتیں نقل کی گئی ہیں وہ مذہب شیعہ کے مصنفین کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان کا اصل مقصد قرآن پاک کو ناقابلِ اعتماد کر دینا ہے۔ جو دین اسلام کی اصل بنیاد ہے۔

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۴۹: "ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ

یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْہِ یَعْصِرُوْنَ کا ترجمہ کیا ہے کہ :-

" پھر اس کے بعد ایک ایسا برس آئے گا جس میں لوگ سیراب ہو جائیں گے اور جس میں وہ نچوڑیں گے۔"

پھر اس پہ حاشیہ لکھا ہے کہ :-

تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی۔ ثُمَّ یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیْہِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْہِ یَعْصِرُوْنَ. یعنی یعصرون کو معروف پڑھا۔ جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں، حضرت نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر وہ کیا نچوڑیں گے؟ آیا خمر نچوڑیں گے؟ اس شخص نے عرض کی یا امیر المومنینؑ! پھر میں اسے کیونکر پڑھوں؟ فرمایا، خدا نے تو یوں نازل فرمایا ہے " ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیْہِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْہِ یُعْصَرُوْنَ " یعنی یُعْصَرُوْنَ کو مجہول بتلایا، جس کے معنی میں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا جائے گا۔ اور دلیل اس امر پہ خدا کا یہ قول لائے۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجًا۔ (اور ہم نے بدلیوں سے موسلا دھار پانی اتارا)

آگے مترجم اور محشی مقبول احمد دہلوی قول مترجم کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے کہ :-

معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاء کی خاطر یُعْصَرُوْنَ کو یَعْصِرُوْنَ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا ہے۔ یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لیے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اسکی اصلی حالت پہ

لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے۔ اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔ ص ۳۸۴

تفسیر قمی کے حوالہ سے جو روایت مولوی مقبول احمد دہلوی نے اس حاشیہ میں نقل کی ہے۔ اور اپنی طرف سے اس پر جو اضافہ یا تبصرہ فرمایا ہے وہ اس کی صریح دلیل ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید میں تحریف کی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہ شیعوں کو اسی تحریف شدہ قرآن کو پڑھنا چاہیئے، یہی ان کو ان کے امام کا حکم ہے۔ جب کبھی ان کے آخر الزماں امام (امام غائب) ظاہر ہوں گے، اس وقت وہ قرآن کو اس طرح پڑھیں گے اور پڑھوائیں گے جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور آپؐ کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا۔ ان کے ظاہر ہونے تک شیعوں کو ان کے امام کا حکم ہے کہ قرآن کے جن کلمات یا جن آیات کا غلط اور محرف ہونا ان کو معلوم ہے ان کو بھی وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح موجودہ قرآن میں ہیں۔ صحیح کر کے نہ پڑھیں۔

کیا اس کے بعد بھی کسی کے لیے شیعوں کے عقیدۂ تحریف کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش ہے؟

سورۃ الحاقہ کی آیت نمبر ۴۳ "تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ" پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

کافی میں جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو فرمایا "اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ولایت جناب امیر المومنین کا حکم عزت والے رسول یعنی جبرائیل امینؑ نے خدا کی طرف سے پہونچایا، چونکہ لوگوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ محمدؐ نے اپنے پروردگار کے خلاف جھوٹ بول دیا ہے۔ اللہ نے ان کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن مجید نازل کیا، اور فرمایا: اِنَّ وِلَایَۃَ عَلِیٍّ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ، وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا مُحَمَّدٌ

بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ " پھر اس پر عطف فرمایا، اور ارشاد فرمایا، اِنَّ وِلَایَۃَ عَلِیٍّ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ. وَاِنَّ عَلِیًّا لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ وَاِنَّ وَلَایَتَہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ فَسَبِّحْ یَا مُحَمَّدُ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ۔ ص۹۰

سُوْرۃُ الحاقہ کے آخر میں " تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ " سے سُورۃ کے خاتمہ تک دس آیتیں ہیں ۔ مولوی مقبول احمد دہلوی نے کافی کے حوالہ سے یہ جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے پہلے ان ولایۃ علیّ تھا جو غائب کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد والی آیت میں " وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا " کے بعد " محمد " تھا، وہ بھی حذف کر دیا گیا۔

آگے آیت نمبر ۴۸ " وَاِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ " اس طرح تھی " اِنَّ وِلَایَۃَ عَلِیٍّ لتذکرۃ للمتقین " اس سے ولایۃ علی نکال دیا گیا۔

پھر آیت نمبر ۵۰ دراصل اس طرح تھی " وان عَلِیًّا لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ " اس میں سے حضرت علی کا اسم گرامی نکالا گیا۔

پھر اس سے آگے کی آیت نمبر ۵۱ اس طرح تھی " وان ولایتہ لحق الیقین " اس میں سے لایتہ نکال دیا گیا۔

اور سورۃ کی آخری آیت نمبر ۵۲ اس طرح تھی " فسبح یا محمد باسم ربک العظیم " اس میں سے یا محمد کا لفظ نکال دیا گیا۔ اس طرح اس سورۃ کی ان آخری آیتوں میں ایک دو نہیں چھ جگہ تحریف کی گئی۔

(استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

سُورۃ معارج کی پہلی آیت " سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ " کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی "سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ بِوِلَایَةِ عَلِیٍّ"
اور اسی طرح مصحفِ فاطمہ میں درج ہے۔ ص۹۰

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں لِلْکٰفِرِیْنَ کے بعد بولایۃ علی کا لفظ تھا۔ قرآن کو جمع و مرتب کرنے والوں (حضرات خلفاءِ ثلاثہؓ) نے یہاں سے بھی بولایۃ علی کا لفظ غائب کر دیا اور تحریف کر دی۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ ہے کہ قرآن مجید کی تحریف سے متعلق مولوی مقبول احمد دہلوی کی ایک درجن جو عبارتیں ان صفحات میں نقل کی گئی ہیں، ان سب میں انہوں نے اپنے ائمہ معصومین کی روایات پیش کی ہیں جن میں قرآنی آیات میں تحریف کی متعین طور سے نشاندہی کی گئی ہے۔ پھر انہوں نے ان روایات کی کوئی تاویل بھی نہیں کی ہے۔ بلکہ اپنے قارئین کو یہی بتلایا ہے کہ ان قرآنی آیات میں یہ تحریفیں کی گئی ہیں۔

اس کے بعد اس میں کسی کے لیئے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی ان کا عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ شیعوں کے قبلہ و کعبہ ان سب اکابر علماء و مجتہدین کا ہے جنہوں نے اس ترجمہ پر تقریظیں لکھی ہیں۔ اور یہی انہوں نے اپنے عوام کو بتلانا چاہا ہے۔

انتباہ

ہم کو اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہے اور نہ کسی مسلمان کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ شیعوں کی حدیث و تفسیر کی کتابوں میں قرآن مجید کی تحریف اور شیخین اور ان کے رفقاء صحابہ کرام کی تکفیر کی جو روایتیں سیدنا حضرت علیؓ مرتضٰے اور ان کی اولاد کے دیگر بزرگانِ دین حضرت محمد باقرؒ، حضرت جعفر صادقؒ و موسیٰ کاظمؒ وغیرہ سے نقل کی گئی ہیں یہ سب ان لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ جنہوں نے تیسری صدی ہجری میں شیعہ مذہب تصنیف کیا۔ ان بزرگانِ دین کا

دامن ان خرافات وکفریات سے بالکل پاک ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ٥

مولوی مقبول احمد دہلوی نے شیعوں کی حدیث وتفسیر کی کتابوں کافی، تفسیر قمی، تفسیر عیاشی اور تفسیر عسکری وغیرہ سے خاص کر قرآنی آیات میں تحریف سے متعلق جو روایتیں اپنے حواشی میں نقل کی ہیں (جن میں سے ہم نے صفحات میں عدم گنجائش کی مجبوری سے صرف بارہ یہاں پیش کی ہیں ورنہ اس سے کئی گنی پیش کی جا سکتی تھیں) ان سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ ان روایتوں کے گھڑنے والے بہت ہی کم علم تھے۔ انہوں نے جن کلمات کے بارے میں لکھا ہے کہ فلاں فلاں آیتوں میں یہ کلمات تھے جو غائب کر دیئے گئے۔ اگر ان کلمات کو ان آیات میں اس طرح لکھ دیا جائے جس طرح ان روایتوں میں بتلایا گیا ہے تو عربی زبان کا ذوق رکھنے والے ہر شخص کو مخمل کی عبا میں ٹاٹ کے پیوند سے بھی زیادہ بدنما محسوس ہوگا۔ اور کیا عجب کہ ان روایتوں کے گھڑنے کا مقصد قرآن مجید کو ناقابل اعتماد کر دینے کے علاوہ اس کی معجزانہ حیثیت کو مجروح کر دینا بھی رہا ہو۔

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب

عقیدۂ تحریف قرآن

قرآن مجید کے آخری پارہ کی سورت اَلَمْ نَشْرَحْ کی آخری دو آیتیں یہ ہیں:-

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥ موجودہ قرآن مجید میں فانصب کی صاد پر زبر ہے، لیکن شیعوں کی روایات میں ہے کہ اصل میں صاد کے زیر کے ساتھ فَانْصِبْ تھا۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ تم مقرر کر دو۔ مولوی فرمان علی صاحب نے اپنے

یہاں کی اس روایت کی بنیاد پر فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصِبْ کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"توجب تم فارغ ہو جاؤ تو مقرر کر دو۔"

اور حاشیہ میں لکھا ہے۔

"خدا نے دوسرا احسان جتایا ہے کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہونچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا، اس کو علیؑ بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا۔ اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علیؓ کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کام سمجھتے تھے۔ اس بنا پر خدا نے جس طرح دوسرے مقام پہ دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمایا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کر دو۔"

پھر آگے اپنے بیان کیے ہوئے اس مطلب کی تائید میں لکھا ہے:۔

اس کی مؤید وہ روایت ہے جس کو صاحب کشاف نے جلد ۳ ص ۳۸۰ میں ذکر کر کے بدعت فرمایا ہے۔ ص ۸۲۵ و ص ۸۲۶

مولوی فرمان علی نے یہاں روایت کے لیے زمخشری کی تفسیر کشاف کا صرف حوالہ دے دیا ہے۔ کشاف کی عبارت یہ ہے:

ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ فَانْصِبْ بکسر صاد أی فانصب علیا للامامة۔

"اور بدعات میں سے ایک وہ بھی ہے جو بعض روافض سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فانصَب کو صاد کے کسرہ کے ساتھ فانصِب پڑھا اور اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ علیؓ کو امامت کے لیے مقرر اور نامزد کر دو۔"

یہاں ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ مولوی فرمان علی کے نزدیک اس کلمہ فانصَب میں تحریف کی گئی ہے۔ اصل قرآن میں جو حضورؐ پر نازل ہوا تھا، صاد کے زیر کے ساتھ فانصِب تھا اور اس کا مطلب یہ تھا " اے رسولؐ! تم علیؓ کو امام و خلیفہ مقرر کر دو۔" اس میں تحریف کر کے صاد کے زبر کے ساتھ فانصَب کر دیا گیا۔ جس سے مطلب بالکل بدل گیا۔ لیکن (جیسا کہ مولوی مقبول احمد دہلوی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہو چکا ہے۔ شیعوں کو ان کے اماموں کا حکم ہے کہ وہ قرآن کو اسی طرح پڑھیں جس طرح اس تحریف کے بعد لکھا گیا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ غلط اور تحریف شدہ ہے اس کو اسی طرح پڑھیں) مولوی فرمان علی صاحب نے جو قرآن اپنے ترجمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کرایا ہے (جو اس وقت راقم سطور کے سامنے ہے) اس میں بھی صاد کے زیر کے ساتھ فانصِب لکھا گیا ہے جو ان کے نزدیک ایسی تحریف ہے جس کے نتیجہ میں آیت کا مفہوم بالکل بدل جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ جو ایک اہم حکم دیا تھا، وہ تحریف ہو کر ہمیشہ کے لیئے نظروں سے غائب بلکہ معدوم و نابود ہو گیا ہے۔

قرآن پاک سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۹ ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل فرمائے ہوئے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کا اعلان فرمایا ہے۔ مولوی فرمان علی صاحب نے بھی اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:۔

"بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی تو اس کے نگہبان بھی ہیں۔"

شیعوں کا عقیدۂ تحریف قرآن چونکہ اس آیتِ کریمہ کی گویا تکذیب ہے اس لیئے شیعہ علماء و مصنفین طرح طرح سے اس کی تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اس آیت کو قرآنی آیت مانتے ہوئے بھی ان کے لیئے عقیدۂ تحریف قرآن کی گنجائش رہے۔ چنانچہ مولوی فرمان علی صاحب نے

اس آیت پر حاشیہ لکھا ہے۔

"ذکر سے ایک تو قرآن مُراد ہے جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے تب اس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع اور برباد نہ ہونے دیں گے۔ پس اگر تمام دُنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وُہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدّل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی ہے۔" ص ۳۶۱

مولوی فرمان علی صاحب نے اس حاشیہ میں قرآن کے ایک نسخہ کے محفوظ رہنے کی جو بات کہی ہے اس کو انہوں نے صراحت اور صفائی سے بیان نہیں کیا۔ اور نہیں بتلایا کہ وُہ کونسا نسخہ ہے، اور کہاں محفوظ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اپنے ائمہ معصومینؑ کی روایات کے مطابق شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید مکمل اور اصلی صُورت میں صرف علیؓ مرتضیٰ نے جمع فرمایا تھا، اس کو انہوں نے اپنے ہی پاس محفوظ رکھا۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ وُہ نُسخہ اسی طرح رازدارانہ طور پر ایک امام سے دوسرے امام کو منتقل ہوتا رہا۔ اور اب وُہ بارھویں امام (امام غائبؑ) کے پاس ہے۔ جو شیعی عقیدے کے مطابق اب سے قریباً ساڑھے گیارہ سَو سال پہلے پَیدا ہوتے تھے اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ پھر وُہ اپنے والد حسن عسکری کی وفات سے دس دن پہلے چار پانچ برس ہی کی عُمر میں منصبِ امامت سے متعلق سارا ساز و سامان حضرت علیؓ مُرتضیٰ سے لے کر گیارھویں امام اپنے والد حَسن عسکری تک کے سارے تبرّکات و متروکات اور قرآن مجید کا وُہ خاص نُسخہ بھی ساتھ لے کر اپنے شہر سُرمن رائی کے ایک غار میں رُوپوش ہو گئے تھے۔ اور اب تک غائبؑ ہیں۔ اور قیامت سے پہلے کسی وقت وُہ ضرور ظاہر ہوں

گے۔ اس وقت وہ مکمل اصلی قرآن کا وہ نسخہ بھی لائیں گے۔

الغرض مولوی فرمان علی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ ایک نسخہ محفوظ ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" پورا ہو رہا ہے۔ اور موجودہ قرآن میں جو تحریفات اور تبدیلیاں ہوئی ہیں جن کی نشاندہی ان کے ائمہ معصومین نے فرمائی ہے اُن کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہم صرف یہ دُعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیعہ حضرات (خواص و عوام) کو وہ عقل و فہم عطا فرمائے جس سے وہ سمجھ سکیں کہ ان کی اس بات میں کتنی معقولیت ہے؟

اِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔

یہاں ہمارا مقصد مولوی فرمان علی صاحب کی تردید اور ان کی بات کو غلط ثابت کرنا نہیں ہے اور نہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی ضرورت۔ کیونکہ اللہ نے جس شخص کو کچھ بھی عقل عطا فرمائی ہے وہ خود سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات انتہائی مہمل اور کتنی غیر معقول ہے۔

ہمارا مطمحِ نظر اور مدّعا اس وقت صرف یہ ہے کہ مولوی فرمان علی صاحب قرآن میں تحریف اور تغیّر و تبدّل کے قائل ہیں۔ اور اپنے اسی عقیدے کے تحفّظ کے لیئے انہوں نے وعدۂ خداوندی "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کی مندرجہ بالا جو تاویل کی ہے وہ انسانی عقل کے لیئے قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔

مولوی فرمان علی صاحب نے اسی حاشیہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی ہے۔"

انہوں نے اپنے حواشی میں بعض آیتوں کے متعلق متعین طور پر بتلایا ہے کہ یہ آیت کسی دوسری جگہ تھی۔ موجودہ قرآن کو جمع و مرتب کرنے والوں نے کسی غرض سے اور جگہ داخل کر دیا۔ مثلاً:

سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

یہ آیت (یعنی آیت تطہیر) اس مقام کی نہیں بلکہ خواہ مخواہ کسی غرض سے داخل کی گئی ہے۔ ص ۵۸۳

اسی طرح سورۂ ہود کی آیت نمبر ۷۳ "قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" (جس میں فرشتوں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہ کو خطاب ہے، اور ان کو اہلِ بیت کہا گیا ہے۔) مولوی فرمان علی نے مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

"اور اس مقام پر شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی کو خدا نے اہلِ بیت میں داخل کیا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل کی آیت میں جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے واحد مونث حاضر کے صیغہ ہیں، اور اس آیت میں ضمیر "کُمْ" جمع مذکر حاضر کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں۔ اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے۔" ص ۳۱۷

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے، اس وقت ہمارا مقصد صرف یہ دکھلانا ہے کہ مولوی فرمان علی بھی قرآن میں تغیرّ و تبدّل اور تحریف کے قائل ہیں۔ اس حاشیہ میں اور اسی طرح سورۂ احزاب کی آیتِ تطہیر سے متعلّق حاشیہ میں انہوں نے دلیل کے طور پر جمع مذکر حاضر کی ضمیر کے استعمال کی جو بات لکھی ہے خدا ہی جانتا ہے کہ وہ عربی زبان و محاورات سے ان کی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یا دانستہ فریب کاری۔ حقیقت یہ ہے کہ محترم اور باعظمت خواتین سے خطاب کے وقت خاص موقعوں پر ان کی عظمت کے اظہار کے لیے جمع مذکر حاضر کی ضمیر سے بھی ان کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور ان دونوں

آیتوں میں جمع مذکر حاضر کی ضمیر سے خطاب اسی مقصد سے کیا گیا ہے۔

آیتِ تطہیر میں حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ مخاطب ہیں اور سُورۂ ہُود کی اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہؑ۔ اور یہ قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اور سورۂ احزاب کی آیت تطہیر میں اہلِ بیت حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کو فرمایا گیا ہے۔ اور انہیں کی کامل تطہیر کے ارادۂ الٰہیہ کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور سُورۂ ہُود کی آیت میں اہل البیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہ کو فرمایا گیا ہے۔

عربی زبان و ادب سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ لفظ اہل البیت کا اطلاق بیوی ہی کے لیئے ہوتا ہے۔ کسی شخص کی ماں یا بیٹیوں کو اس کی اہل البیت نہیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح فارسی میں اہل خانہ (جو اہل بیت کا لفظی ترجمہ ہے) بیوی ہی کے لیئے استعمال ہوتا ہے کسی شخص کی ماں یا اس کی بیٹیوں کو اس کی اہلِ خانہ نہیں کہا جاتا۔ اُردُو محاورہ بھی اسی کے مطابق ہے ـــــ ہاں جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ جب آیتِ تطہیر نازل ہُوئی (جس میں حضورؐ کی ازواج مطہرات کی کامل تطہیر کے ارادۂ الٰہیہ کا اعلان فرمایا گیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہؓ اور ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی المرتضےٰؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کو اپنے ساتھ لے کر دُعا فرمائی کہ "اے اللہ! ان کو بھی میرے اہل البیت میں شامل فرما۔ اور ان کی بھی خصوصی تطہیر کا فیصلہ فرما۔"

اور ہمارا یقین ہے کہ حضورؐ کی یہ دُعا قبول فرمائی گئی۔ اور حضورؐ کی دُعا کے نتیجہ میں یہ حضرات بھی اہل البیت میں اور خصُوصی تطہیر کے ارادۂ الٰہیہ کی وُسعت میں شامل ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولوی فرمان علی صاحب کے مندرجہ بالا حاشیہ سے

یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان کے نزدیک قرآن کو جمع کرنے والوں نے اس کی آیتوں کی ترتیب میں صرف یہی ردّ و بدل نہیں کیا ہے کہ ایک آیت کو اس کی اصل جگہ سے نکال کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ بلکہ ان "ظالموں" نے ایسا بھی کیا ہے کہ تحریف کی چھری سے ایک آیت کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑے کو کسی دوسری جگہ ٹانک دیا۔ سورۂ ہود کی آیت :

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

کے بارے میں مندرجہ بالا حاشیہ میں مولوی فرمان علی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ آیت کے پہلے جزء "اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے بعد آیت کا جو حصّہ ہے وہ کسی دوسری جگہ کا ہے۔ جس کو قرآن مرتب کرنے والوں نے اپنی کسی خاص غرض سے یہاں جوڑا ہے۔ یہی حال سورۂ احزاب کی آیتِ تطہیر کا ہے وہ بھی پوری آیت نہیں ہے بلکہ آیت کا آخری جزء ہے، معلوم ہوا کہ مولوی فرمان علی صاحب کے نزدیک قرآن مجید کی آیتوں میں صرف جگہ تبدیل نہیں کی گئی بلکہ ان میں قطع و برید کا عمل بھی کیا گیا ہے۔

کیا کسی صاحبِ عقل کو اس بارے میں شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآنی آیتوں کی ترتیب میں ردّ و بدل اور قطع و برید کا یہ نظریہ تسلیم کر لینے کے بعد قرآن قطعاً ناقابلِ اعتماد ہو جاتا ہے۔ آیتوں کا سیاق، سباق اور ان کی جگہ بدلنے سے اکثر ان کا مفہوم و مطلب بھی بدل جاتا ہے۔ اور آیتوں میں قطع برید تسلیم کر لینے کے بعد قرآن ہرگز قابلِ اعتبار نہیں رہتا۔ ہمارے نزدیک یہ عقیدہ، اور نظریہ بلاشبہ قرآن دشمنی ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ۔ علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ص ۴۰)

مولوی محمد حسین مجتہد فاضل نجف اشرف

پاکستان کے شیعہ علماء و مجتہدین بھی اپنے اسلاف کی طرح تحریفِ قرآن کے قائل ہیں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین مجتہد مذکور نے بعنوان " ایک مشہور اعتراض " لکھا ہے کہ:-

" کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں، تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسماءِ گرامی صراحتہً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دیئے۔ تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے۔" الخ

اس کا الزامی جواب دینے کے بعد مصنف مذکور لکھتے ہیں:-

اس کا حل اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ فریقین کی بعض روایات کے مطابق ائمہ اطہار علیہم السلام کے اسماءِ گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی ص۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے، فرمایا:-

لو قرئ القرآن کما انزل لالفیتمونا فیہ مسمّین

" اگر قرآن کو اس طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام پاتے۔" (اثبات الامامت طبع دوم ص۳۱۲)

۲۔ یہی شیعہ مجتہد لکھتے ہیں:-

" ہاں یہ درست ہے کہ ہمارے بعض علماءِ کرام تحریف کے قائل ہیں۔"

اس کے بعد مجتہد مذکور نے قائلین تحریف کی طرف سے پانچ دلیلیں پیش کی ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے کہ:-

اس سلسلہ میں ان کی پہلی اور محکم دلیل وہ روایات ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق کتب فریقین میں موجود ہیں ۔ جو اس امر پہ دلالت کرتی ہیں کہ جمع قرآن کے وقت اس میں فی الجملہ ضرور کچھ کمی واقع ہوئی ۔ یہ روایات اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان سب کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ علامہ مجلسی (یعنی باقر مجلسی متوفی سنہ۱۱۱ھ) نے مرآۃ العقول میں ان کے تواتر کا ادعا فرمایا ہے ۔ اور اس قدر صریح الدلالت ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ۔"

(احسن الفوائد فی شرح العقائد طبع دوم صہ۴۹۱)

اور اسی سلسلے میں مصنف مذکور نے لکھا ہے کہ :-

" یہاں ان دلائل کی صحت و سقم سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ ان کے یہاں ذکر کرنے سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جو حضرات اس نظریہ کے قائل ہیں وہ بھی کچھ دلائل رکھتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ بھی محض بے دلیل نہیں ہے ۔ اور یہ کہ ان کے اس نظریہ سے کسی اسلامی مسلمہ عقیدے کی مخالفت لازم نہیں آتی ۔" کما لایخفی

(ایضاً صہ۴۹۳)

علاوہ ازیں مصنف مذکور آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ه (پ ۱۴ سورۃ الحجر) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" اگر قرآن کا ایک فرد اس تحریف سے محفوظ ہے تو وعدۂ خداوندی پورا ہے ۔ اور قائل تحریف کہہ سکتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کا جمع کردہ قرآن اس وعدۂ الٰہیہ کی عملی تصویر ہے ۔ جو موجود ہے ۔ اور ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے ۔" (ایضاً صہ۴۹۴)

منقولہ عبارات کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ مولوی محمد حسین ڈھکو مجتہد تحریف قرآن کا قائل نہیں ہے ؟ عبرت ، عبرت ، عبرت ۔

مولوی حسین بخش جاڑا

اس شیعہ مصنف کے شائع کردہ مناظرہ بغداد کی بعض عبارتیں پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ ان کی تفسیر انوار النجف ۱۴ جلدوں میں پاکستان میں شائع ہو چکی ہے۔ وہ بھی اصول کافی کی روایات کے پیش نظر لکھتے ہیں:۔

ایک اور روایت میں آپ (یعنی امام محمد باقر) نے فرمایا کہ "جو شخص یہ دعویٰ کرے، کہ میں پورے قرآن کا جامع ہوں جس طرح کہ وہ اترا تھا تو وہ جھوٹا ہے۔ بلکہ جس طرح اترا تھا اسی طرح پورے طور پر اس کو جمع اور حفظ سوائے حضرت علی بن ابیطالب کے اور کوئی کر ہی نہیں سکا۔ اور پھر وہ ائمہ کے پاس ہے۔ جو اس کے اوصیاء ہیں"۔

(انوار النجف جلد اوّل ص۲۷)

لیکن ہمارا سوال بہر حال یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے اصلی قرآن کو کیوں غائب کیا؟ لیکن اس کے باوجود جاڑا صاحب اپنی تفسیر میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اسی قرآن کے قائل اور اس کو محفوظ مانتے ہیں۔ جو امت میں رائج ہے۔

حضرت علیؓ قرآن سے افضل ہیں

یہی جاڑا مجتہد لکھتے ہیں:۔

"جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں (ایک) اللہ کی کتاب اور دوسرے علیؓ بن ابی طالب۔ اور علیؓ تمہارے لیئے کتاب اللہ سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ تمہارے لیئے کتاب اللہ کی ترجمانی کرے گا۔ (علیؓ ناطق قرآن صامت ہے۔ اور ناطق، صامت سے افضل ہوا کرتا ہے۔)

(ایضاً انوار النجف جلد اوّل ص۶۵)

مرزا علی امرتسری ثم لاہوری

شیعوں کے ایک مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری نے جو پاکستان میں ہی آنجہانی ہوئے ہیں اپنی کتاب "الانصاف فی الاستخلاف" میں لکھا ہے کہ:۔

"حضرت عثمانؓ کا قرآن کی نقلوں کو پھیلانا مسلّم۔ لیکن یہی ترتیب قرآن ان کی غفلت از اسلام کو طشت از بام کرتی ہے۔ اگر وہ حضرت علیؓ کے جمع شدہ قرآن کو رائج کرتے تو ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔ ہم نمونہ کے طور پر اس ترتیب کی چند غلطیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ الخ"

اسی سلسلہ میں مرزا احمد علی رقمطراز ہیں:۔

"اگر متروک محاوروں کو بھی معجزہ کہا جائے تو بس خیبر پھر تو میں بھی ایک ایسی کتاب لکھ سکتا ہوں جو پرانے محاورات کو شامل ہو، اور وہ معجزہ ہوگا۔ بس حضور یہی آپ کے حضرت عثمانؓ کی کاروائی ہے۔"

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ میں ذکر سے رسول اللہ مراد ہے۔ مرزا احمد علی آنجہانی کی اس کتاب پر لاہور کے ایک مشہور شیعہ مجتہد علی الحائری نے تقریظ لکھی ہے۔

عقیدہ تحریف قرآن اور ماہنامہ خیر العمل لاہور

ایک شیعہ ماہنامہ خیر العمل لاہور سے شائع ہوتا ہے جس کا ہیڈ آفس ۶۶ قاسم روڈ سمن آباد میں ہے۔ اس رسالہ کے ٹائیٹل پر لکھا ہے:۔

زیر سرپرستی قائم آل محمد علیہ السلام۔ نگران اعزازی۔ علامہ مرزا یوسف حسین صاحب (جو چند دن ہوئے آنجہانی ہو چکے ہیں) اس ماہنامہ کے مدیر اعلیٰ ڈاکٹر عسکری بن احمد، ایم بی۔ بی ایس ہیں جو مرزا احمد علی مذکور کے خلف ہیں، اسی سال کے خیر العمل ماہ نومبر ۱۹۸۶ء

میں ڈاکٹر موصوف نے بعنوان "فتدبروا یا اولی الالباب" ایک مفصل اداریہ لکھا ہے جس میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے (العیاذ باللہ)
بطور نمونہ اس مضمون کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں :-

ا- بہرحال کتاب بندی کے مراحل عہد ثلاثہ (یعنی خلفاءِ ثلاثہ ؓ) میں ہوئے۔ اور جامعین قرآن نے وہ قرآن جمع کیا جو آج کل ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اس کو سرکاری طور پر رائج کیا۔ لہٰذا اسے "مصحفِ عثمانؓ" کہنا چاہیئے۔ پاکستان بننے سے پہلے لاہور میں قرآن کی جتنی کتابت ہوتی تھی وہ گلاب سنگھ کے پرنٹنگ پریس میں ہوتی تھی۔ اگرچہ حضرت علیؓ کے مرتب کیئے ہوئے قرآن کو سرکاری طور پر مسترد کر دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی ظاہری خلافت کے دور میں بھی اسے رائج کرنے کی کوشش نہ فرمائی۔ مگر انہوں نے یہ ضرور کیا کہ مفسرینِ قرآن کی ایک جماعت بنائی۔ جس نے قرآن مجید کے معانی و مطالب کو ماثورہ روایات اور احادیث سے محفوظ کر لیا۔ اور وہ بتلاتے چلے گئے کہ اس جمع شدہ قرآن میں ترکیب و ترتیب اور آیات کی تقدیم و تاخیر میں کیا کیا خرابی ہوئی ہے۔ الخ

۲- یہ اُلٹ پلٹ اتفاقاً ہوئی یا غفلتاً، عمداً یا التزاماً۔ مگر اس سے کلام اللہ میں بہت خلط ملط ہو کر رہ گئے۔ اللہ نے اس کا انکشاف اپنے کلام میں کر رکھا ہے۔ سورۃ الفتح پ ۲۶، آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے :-

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ۔

یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل ڈالیں۔

۳- قرآن مجید کے چیلنج فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وغیرہ آیات

کے متعلق لکھتے ہیں۔

"آج بھی اللہ کا یہ چیلنج قرآن اللہ اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کے لیئے قائم مگر جامعینِ قرآن کی غلط ترتیب سے یہ غیر منطقی بلکہ قدرے مضحکہ خیز بن گیا ہے۔ اُلٹا غیر منطقی ہونے کا الزام اللہ تعالیٰ پر دھرنے کی بجائے یہی بہتر ہے کہ جامعین و مرتبینِ قرآن پر اسے دھرا جائے جنہوں نے اِدھر کی آیت کو اُدھر جوڑ دیا۔ اور اُدھر والی کو اِدھر۔ تاریخ یہ بتلانے سے قاصر ہے کہ کتنے مکذبین کی اصلاح میں یہ اُلٹ ترتیب مانع ہوئی اور اللہ پر کیا کیا الزام انہوں نے دھرے۔

۴۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۴:۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط

ایسا حکم اللہ اور رسول کا نہیں ہو سکتا۔ کاتبینِ وحی اور جامعینِ وحی کی بھول چوک یا عمداً یہاں سے لفظ "لا" چھوٹ گیا ہے۔ سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں یطیقونہ دراصل لا یطیقونہ ہے۔ یعنی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ روزہ دیں۔

۵۔ اسی طرح سورۂ انفال پ ۹، آیت ۲۷ میں حکم اللہ تعالیٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اس آیت کریمہ میں بھی کاتبین و جامعین وتخونوا امانا تکم سے لا کو بھول گئے ہیں یا عمداً چھوڑ گئے۔ اس حذف لا نے کتنے کتنوں کو گمراہ کیا ہو گا۔ اور کتنے گمراہ فرقے بنے ہوں گے بیّن مسائل قرآنیہ کے۔

۶۔ سورۃ الحجر پ ۱۴، آیت ۴۱ میں قولِ باری تعالیٰ ہے:۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ۔

اللہ نے کہا ہے کہ میرے اُوپر ہے جو ایک راستہ وہ سیدھا ہے۔

یہ آیت دراصل یوں ہے:۔ هٰذَا صِرَاطُ عَلِيٍّ مُسْتَقِيْمٌ۔

یہ علیؓ کی راہ (ہی) سیدھی ہے۔

۷۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں قولِ باری تعالیٰ

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْيَاسِيْنَ

ہے۔ اس پہ بھی علماءِ مفسّرین غلطاں ہیں کہ اِلْيَاسِيْنَ کیا ہے؟

عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیری روایت اور کتبِ احادیث و تفاسیر میں ہے کہ الیاسین دراصل آلِ لیٰسین ہے۔ اور یٰسٓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسماءِ مبارکہ میں سے ایک ہے۔

۸۔ قرآن بین الدفتین کو جمع کرنے والوں اور اس پہ اعراب و اوقاف لگانے والوں کا مطمحِ نظر بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ جب یہ سمجھ لیں کہ سقیفائی خلافتوں کی مدِّمقابل، وہی شخصیّت تھی جسے آنحضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے بعد خلافت پہ نصب و مقرّر کیا تھا، یعنی علی بن ابی طالب علیہ السّلام، لہٰذا ان کے متعلق آیات پہ ہی سقیفائی رندہ پھیرا گیا۔ اور ایک موٹا قرآن تیار کیا گیا جس میں فضائلِ علیؓ کی صفائی کی گئی ہو۔

۹۔ تنزیلِ قرآن میں بنواُمیہ اور دوسرے قریش کے ستر منافقین کے بدنام نازل ہوتے تھے جو مصحفِ عثمانیؓ سے مفقود ہیں۔ قرآن میں اگر ایک دشمنِ رسولؐ

(یعنی ابولہب) کا نام آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جانی دشمن تھے ان کے اسماءِ نامبارکہ کو بتلانے سے پرہیز کرنا۔ ابولہب ہاشمی نے اگرچہ زبانی کلامی دشمنی کی تھی اس کا نام ہی نہیں بلکہ مکمل سورۃ اللھب نازل ہوگئی۔ اس کی بیوی حمالۃ الحطب (ابوسفیان کی بہن ام جمیل) کا ذکر نام کے بغیر آگیا۔ مگر ایسے موذیانِ رسولؐ کے بدناموں کا قرآن میں ذکر نہیں ہے جنہوں نے رسولؐ اللہ کی ہتکِ حرمت کی اور آپؐ کو لہولہان کر دیا اور آپؐ کو ضربات شدید پہنچائیں۔ اور آپؐ کے اعضاء کو توڑ دیا یعنی دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ سنت اللہ اور اسلوبِ قرآن کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے ناموں پر بھی مکمل مکمل سورے نازل ہوتے۔ اولوا الالباب کے لیے قطعاً مشکل نہیں کہ وہ عقل دوڑا کر سمجھ لیں کہ اہل حسبنا اور سقیفائی خلیفے چونکہ خود قریشی تھے اور جامع القرآن خود اموی تھا اس لیے احترام خلافت کو برقرار رکھنے کے لیے قرآن کمیٹی کے نوخیزوں نے قریشی اور اموی موذیان رسولؐ کے بدناموں کو خارجِ دفتر کر دیا۔ مگر مفسرین نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

تبصرہ

ڈاکٹر عسکری کے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحبِ عقل و شعور یہ کہہ سکتا ہے کہ اس رافضی کا موجودہ قرآن پر ایمان ہے؟ کیا کوئی عیسائی اور یہودی وغیرہ دشمنِ اسلام قرآن کو ناقابلِ اعتماد ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ گوئی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ غیر مسلم مصنفین اگرچہ قرآن کو کلام اللہ نہیں مانتے، لیکن وہ اس امر کے معترف ہیں کہ موجود قرآن وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ اور اس کی تبلیغ و اشاعت آج تک

ساری ملّتِ اسلامیہ کر رہی ہے۔

بہر حال ڈاکٹر عسکری ہو یا کوئی اور۔ قرآن میں تغیّر و تبدیلی، کمی بیشی کے متعلق جس کا یہ عقیدہ ہو وہ یقیناً کافر ہے۔ اور سب سے زیادہ تعجب اور دُکھ کی بات یہ ہے کہ "خیر العمل" کا یہ مضمون تازہ ہے۔ اور اس دورِ حکومت میں شائع ہوا ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ پاکستان میں قرآن و سنّت پر مبنی نظامِ حکومت قائم کریں گے۔

شیعہ تراجم قرآن اور تحریف

میرے پاس مولوی مقبول احمد دہلوی کا ترجمہ مع ضمیمہ (مطبوعہ ۱۹۱۵ء دہلی) اور مولوی فرمان علی کا ترجمہ (ناشر امامیہ کتب خانہ) اندرون موچی دروازہ لاہور، اور ترجمہ مولوی امداد حسین کاظمی بعنوان القرآن المبین تفسیر المتقین (تالیف ۱۳۸۰ھ) ناشر شیعہ بک ایجنسی انصاف پریس لاہور موجود ہیں۔ ان تینوں شیعہ تراجم کے حواشی میں شیعہ ائمہ کی ایسی روایات منقول ہیں جن سے تحریفِ قرآن (کمی و بیشی) ثابت ہوتی ہے۔ اور ان تراجم کی تائید و تصدیق متعدد شیعہ علماء و مجتہدین نے کی ہے۔ خصوصاً مولوی مقبول احمد کے ترجمہ پر تو لکھنؤ کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین کی تقاریظ درج ہیں۔

یہاں بطورِ نمونہ سورۂ آلِ عمران کی آیت یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ کا ترجمہ اور تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

تحریفِ قرآن اور قیامت میں پانچ جھنڈے

مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد نے یہ لکھا ہے:۔

"جس دن کچھ چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ مُنہ کالے۔"

اس کے حاشیہ پر مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں:۔

"تفسیر قمی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت میرے پاس پانچ جھنڈوں کے تحت میں ہو کر آئے گی۔ ان میں چار کے ماتحت تو بھوکے پیاسے جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اور پانچویں کے سیر و سیراب جنت میں داخل کیئے جائیں گے۔ پوری حدیث ضمیمے میں ملاحظہ فرمایئے اور ضمیمہ میں جو روایت منقول ہے وہ درج ذیل ہے:-

ان پانچ جھنڈوں سے پہلا جھنڈا اس امت کے گوسالہ (ابوبکر) کا ہوگا۔ اس میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں سے سوال کروں گا کہ تم نے میرے بعد ان دو گرانقدر چیزوں کے ساتھ جو میں تم میں چھوڑ آیا تھا۔ کیا برتاؤ کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ ثقلِ اکبر (یعنی کتابِ خدا) میں تو ہم نے تحریف کی اور اسے پس پشت ڈال دیا۔ اور ثقلِ اصغر (یعنی اہل بیت رسولؐ) ان سے ہم نے عداوت و بغض رکھا اور ظلم کیا۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں، میں ان سے یہ کہوں گا کہ تمہارے کالے منہ ہوں، تم جہنم میں بھوکے پیاسے چلے جاؤ۔ پھر دوسرا جھنڈا اس امت کے فرعون (عمر) کا میرے پاس آئے گا، اور میں ان سے سوال کروں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ ثقلِ اکبر میں تو ہم نے تحریف کی اور اسے پھاڑ ڈالا اور اس کی مخالفت کی۔ اب رہا ثقلِ اصغر، ان سے ہم نے دشمنی کی۔ اور ان سے لڑے۔ تو میں ان سے کہوں گا کہ تمہارا بھی منہ کالا ہو تم بھی جہنم میں پیاسے چلے جاؤ۔

اس کے بعد تیسرا جھنڈا امت کے سامری (عثمان) کا آئے گا، ان سے بھی

میں یہی سوال کروں گا کہ تم نے میرے بعد میرے ثقلین کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ وہ جواب دیں گے، ثقلِ اکبر کی ہم نے نافرمانی کی اور اسے چھوڑ دیا۔ اور ثقلِ اصغر کی ہم نے نصرت چھوڑ دی اور ان کو ضائع کر دیا۔ تو میں ان سے کہوں گا کہ تمہارا بھی منہ کالا ہو، جہنم میں پیاسے چلے جاؤ۔

اس کے بعد چوتھا جھنڈا ذوالثدیہ کا۔ جس کے ساتھ اوّل سے آخر تک کُل خوارج ہوں گے، آئے گا۔ میں ان سے بھی سوال کروں گا کہ میرے ثقلین کے ساتھ تم نے کیا کیا؟ وہ کہیں گے کہ ثقلِ اکبر کو تو ہم نے پھاڑ ڈالا۔ اور اس سے علیحدہ رہے۔ اور ثقلِ اصغر کے ساتھ ہم لڑے اور ان کو قتل کیا۔ میں ان سے کہوں گا، جاؤ جہنم میں پیاسے۔

پھر پانچواں جھنڈا امام المتقین، سید الوصیین، قائد الغر المحجلین وصی رسول رب العالمین کا میرے پاس وارد ہوگا، میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ثقلِ اکبر کی ہم نے پیروی اور اطاعت کی۔ اور ثقلِ اصغر سے ہم نے محبت و موالات کی۔ اور ان کی یہاں تک مدد کی کہ ان کے بارے میں ہم نے خون تک بہا دیئے۔ پس ان سے میں کہوں گا، سیر و سیراب ہو کر سفید رُو بن کر جنت میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ سے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ تک۔

(ضمیمہ ترجمہ مولوی مقبول احمد ص۵۸ مطبوعہ مقبول پریس دہلی ۱۹۱۵ء)

اور یہی روایت پانچ جھنڈوں والی مولوی امداد حسین کاظمی نے تفسیر المتقین میں نقل کی ہے۔ یہ روایت تفسیر قمی سے لی گئی ہے۔ جو شیعہ مذہب کی قدیم ترین تفسیروں میں سے ہے جس کا مؤلف شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن ہاشم القمی ہیں (متوفی ۳۰۷ھ) اور شیخ قمی

نے شیعوں کے گیارھویں معصوم امام حسن عسکری متوفی ۲۶۰ھ کا زمانہ پایا ہے۔ شیخ محمد یعقوب الکلینی (مولف اصول وفروع کافی) متوفی ۳۲۹ھ نے الکافی میں اکثر روایات تفسیر قمی سے لی ہیں۔

شیخ قمی صراحۃً تحریف قرآن کے قائل ہیں اور زیر بحث پانچ جھنڈوں والی روایت میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ صحابہ کرام نے قرآن میں تحریف کی تھی۔ یہ روایت تفسیر قمی ص۱۰۹ مطبوعہ نجف اشرف (۱۳۸۶ھ) پر ہے۔

اصل روایت میں گوسالہ، فرعون اور سامری کے الفاظ ہیں جس کا مصداق مولوی مقبول احمد دہلوی نے توسین میں ابوبکر۔ عمر اور عثمان کو قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ روایت گو من گھڑت ہے لیکن خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اور تحریف قرآن کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ اس سے واضح ہوتا ہے۔ اور تعجب ہے کہ قرآن میں تحریف کرنے والے تو حسب روایت جہنمی بن جائیں گے، لیکن حضرت علی المرتضٰی اپنے پیروکاروں سمیت جنت میں جائیں گے۔ حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ، انہوں نے ظہور مہدی تک اصلی قرآن کو بالکل ہی غائب کر دیا تھا۔ پھر ان کے پیروکار شیعوں نے کس ثقل اکبر (یعنی کتاب اللہ) کی پیروی اور اطاعت کی تھی؟ بِئْسَمَا یَحْکُمُوْنَ۔

ہمارا سوال شیعہ امامیہ کا اصل مذہب تو تحریف قرآن کا ہی ہے لیکن اگر مولوی محمد حسین صاحب مجتہد فاضل نجف اشرف اور ان جیسے علماء کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ متن قرآن میں تحریف کے قائل نہیں تو پھر وہ ان اکابر علماء شیعہ کو بالوضاحت کافر قرار دیں جو قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جامعین قرآن کے ہاتھوں تحریف قرآن کے قائل ہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ص ۶۵)

عقیدۂ امامت

شیعہ عقیدۂ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں

اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک یہ حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ شیعہ کا عقیدۂ امامت جو اس مذہب کی اساس وبنیاد ہے عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امتِ مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ "ختمِ نبوت" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جس طرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں) لیکن اس کی حقیقت کے منکر ہیں۔ شیعوں اور قادیانیوں کے علاوہ امت کے تمام فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت ورسالت جس حقیقت اور جس مقام ومنصب کا عنوان ہے اس کا سلسلہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپؐ پر ختم کر دیا ہر نبیؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ونامزد اور بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہوتا تھا۔ اس پر ایمان لانا نجات کی شرط ہوتا تھا۔ اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے۔ وہ معصوم ہوتا تھا۔ بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی۔ صرف وہی اور اس کی تعلیم امت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع وماخذ ہوتا تھا۔ اگر وہ صاحبِ کتاب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوتی تھی۔ یہی نبوت کی حقیقت اور نبی کا مقام ومنصب تھا۔ اور جمہورِ امتِ محمدیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ کے بعد یہ مقام ومنصب کسی کو عطا نہیں ہوگا۔

لیکن شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقام و منصب اور یہ سب امتیازات بلکہ ان سے بھی بالاتر مقامات و درجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہیں۔ وہ نبیوں کی طرح بندوں پہ اللہ کی حجت ہیں۔ ان کے بغیر اللہ کی حجت بندوں پہ قائم نہیں ہوتی۔ وہ نبیوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد، معصوم اور مفترض الاطاعت ہیں۔ ان پہ ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح نبیوں پہ ایمان لانا شرطِ نجات ہے۔ ان پر فرشتوں کے ذریعے وحی بھی آتی ہے۔ اللہ کے احکام بھی آتے ہیں۔ ان کو معراج بھی ہوتی ہے۔ ان پہ کتابیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ یہ تو وہ صفات اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں۔ جن میں یہ "ائمہ معصومین" انبیاء علیہم السلام کے شریک اور ان کے برابر ہیں۔ لیکن شیعہ کے نزدیک ان کو ان کے علاوہ ایسے بلند مقامات اور کمالات بھی حاصل ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں مثلاً یہ کہ یہ دنیا انہی کے دم سے قائم ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیئے بھی ہماری یہ دنیا امام کے وجود سے خالی ہو جائے تو سب نیست و نابود ہو جائے۔ اور مثلاً یہ کہ ان کی پیدائش اس عام طریقہ اور عام راستہ سے نہیں ہوتی۔ جس طریقہ اور راستہ سے عام انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ماں کی ران میں سے نکلتے ہیں۔ اور مثلاً یہ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی تکوینی حکومت ہے یعنی ان کو "کن فیکون" کا اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اور یہ کہ ان کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں۔ اور مثلاً یہ کہ تمام ائمہ عالم ما کان و ما یکون ہیں۔ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ اور مثلاً یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے وہ علوم بھی عطا ہوئے جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی نہیں دیئے گئے۔ اور مثلاً یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں دے دیں، بخش دیں۔ اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔

اور مثلاً یہ کہ وہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں۔ اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جمہور امتِ محمدیہؐ کے نزدیک یہ شان انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں۔ لیکن شیعہ رافضیہ کے نزدیک ان کے ائمہ کی یہی شان ہے۔ اور یہ سب صفات و مقامات ان کو حاصل ہیں۔

سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔

ائمہ کی صفات و امتیازات اور ان کے بلند مقامات و درجات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ ان کی اصح الکتب "اصول کافی کتاب الحجہ" کی روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ ان روایات و ارشادات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی صاحبِ عقل و دانش کو اس میں شک و شبہ نہیں رہ سکتا کہ شیعہ رافضیہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی۔ وہ تو امامت کے عنوان سے ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ پس یہی ان کے نزدیک ختمِ نبوت کی حقیقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیئے جانے کا تقاضا ہے۔ شیعہ رافضی مذہب کے ترجمانِ اعظم ان کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسیؒ نے اپنے ائمہ معصومین کی روایات کے حوالہ سے صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ "امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔ اور اپنے نزدیک اس کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب "حیات القلوب" ج ۳ : ص ۱۰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرتبۂ امامت بالاتر از مرتبۂ پیغمبری است۔ امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔

آگے یہ علامہ مجلسی دلیل کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیمؑ خطاب فرمودہ کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ

لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (حیات القلوب)

چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبوّت عطا فرمانے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامت نبوّت سے آگے درجہ کی چیز ہے۔ ہمارے دور کے ایک بلند پایہ مجتہد علامہ محمد حسین نے شیخ صدوق کے رسالہ "العقائد" کی اردو میں ضخیم شرح لکھی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ

ائمہ اطہار جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے دیگر تمام انبیاءؑ اولوالعزم وغیرہم سے افضل واشرف ہیں۔ (احسن الفوائد شرح العقائد ص ۴۰۶، طبع پاکستان)

اور اس زمانہ کے شیعی دنیا کے امام خمینی صاحب نے بھی صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ:

وان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاما لایبلغہ ملك مقرب ولا نبی مرسل (الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲: طبع ایران)

ہمارے مذہب (شیعہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسلؑ بھی نہیں پہنچ سکتا۔

علامہ مجلسی۔ علامہ محمد حسین اور خمینی صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ شیعہ رافضیہ کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام ومرتبہ انبیاءؑ علیہم السّلام سے بالاتر ہے۔ اور وہ ان اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر فائز ہیں جن تک کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ ان ائمہ پر نبی کے لفظ کا اطلاق اس وجہ سے نہیں کیا جا سکتا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو "خاتم النبیّین" فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فی الحقیقت

عقیدۂ ختم نبوّت کی قطعی نفی ہے۔ لہٰذا یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ شیعہ رافضیہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے فی الحقیقت ختمِ نبوّت کے منکر ہیں۔ (ایک اہم استفتاء ص ۳۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کتبِ شیعہ کے مطالعہ اور اپنی خداداد فکر و بصیرت سے یقین کے ساتھ سمجھا اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

امام باصلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ منصوب الخلق است۔ و وحی باطنی در حق امام تجویز نمایند۔ پس در حقیقت ختمِ نبوّت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء میگفتہ باشند۔ (تفہیماتِ الٰہیہ ص ۲۲۴)

شیعہ رافضیہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اور مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے۔ اور شیعہ رافضیہ امام کے حق وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس فی الحقیقت وہ ختمِ نبوّت کے منکر ہیں۔ اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جیسا کہ قادیانی بھی زبان سے خاتم النبیّین ہی کہتے ہیں)

جناب فاضل شیعہ خادم صاحب سے ہم بڑے ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ شیعہ مذہب کے مذکورہ عقیدہ کے باوجود اگر آپ کو اصرار ہے کہ شیعہ ہی خیر البریہ ہیں تو کوئی قادیانی اگر آپ سے یہ سوال کر ڈالے کہ "جناب قادیانی اگر ختمِ نبوّت کے منکر ہونے کی وجہ سے آپ کے نزدیک کافر، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں تو پھر شیعہ حضرات منکرِ ختمِ نبوّت ہو کر آپ کے نزدیک خیر البریّہ کیسے بن گئے۔ یہ تفاوت کیوں ہے؟ تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہو گا؟

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

کیا قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ خیر البریہ ہو سکتے ہیں ؟

واضح ہو کہ لفظ " محبتِ اہلِ بیت ؓ " کے معنی اہلِ سُنّت کے نزدیک نہ صرف عُمدہ بلکہ جزوِ ایمان ہیں۔ مگر فرقۂ شیعہ کے ہاں عملاً اس کے معنی " عداوتِ اہلِ بیتؓ " کے سوا کچھ نہیں۔ شیعہ صاحبان ناواقفوں کو بہکانے کے لیے مشہور کرتے ہیں کہ قاتلانِ حسینؓ " سُنّی " تھے۔ مگر کُتبِ شیعہ میں جب نظر کی جاتی ہے تو ہماری حیرت حد سے بڑھ جاتی ہے کہ حضرات شیعہ باوجود دعوٰی فرطِ محبتِ اہلِ بیت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درحقیقت دشمنِ اہلِ بیتؓ ہیں۔

قابلِ غور یہی بات ہے کہ شیعہ عوام اپنی کُتبِ احادیث کے مفہومات سے بے خبر ہیں۔ ان کے علمأ و مجتہدین عوام سے ان اسرار کو اس لیے مخفی اور پوشیدہ رکھتے ہیں کہ کہیں وہ ہمارے مخفی رازوں سے باخبر ہو کر برگشتہ نہ ہو جاویں۔

بایں ہمہ مشہور کرتے ہیں کہ قاتلانِ حضرت حسینؓ سُنّی تھے۔ حالانکہ کتبِ شیعہ

میں مصرح ہے کہ قاتلانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کثر شیعہ تھے۔ اور حضرت علی المرتضےٰؓ کے عہد کے بعد عبداللہ بن سبا یہودی کی کوشش سے زمرۂ شیعان میں محسوب ہو چکے تھے۔ چنانچہ مجتہدِ عصر ملّا باقر مجلسی شیعی جلاء العیون میں لکھتے ہیں :-

"کہ جب اہلِ کوفہ کو یہ خبر پہنچی کہ امام حسینؓ مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے ہیں تو شیعانِ کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہو کر درباره وفات معاویہؓ و بیعتِ یزید پر گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا کہ امام حسینؓ بیعتِ یزید سے انکار کر کے مکہ معظمہ گئے ہیں۔ اور تم ان کے شیعہ اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اگر ان کی نصرت بہ جان و مال کر سکو گے تو ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھ کر یہاں بلا لو۔ شیعوں نے کہا کہ جب اس شہر کوفہ کو اپنے نورِ قدوم سے منور کریں گے تو ہم سب بقدمِ اخلاص ان سے بیعت کریں گے۔"

(ص ۲۴۰)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ کوفہ فقط امام حسینؓ ہی کے شیعہ نہ کہلاتے تھے مگر ساتھ ہی حضرت علیؓ کی محبت کا بھی ادّعا رکھتے تھے۔ جیسا کہ موجودہ شیعہ صاحبان کا شیوہ ہے۔ انہی مکار، غدار شیعوں نے متعدد خطوط لکھ کر امام مظلوم کو کوفہ میں بلا لیا۔ چنانچہ بارہ ہزار خطوط ان کی طرف سے امام مرحومؒ کے پاس جمع ہو گئے۔

چنانچہ ملّا باقر مجلسی لکھتا ہے :-

"اور جب مبالغہ و اصرار ان کا از حد ہوا، اور متعدد قاصد حضرتؓ کے پاس جمع ہو گئے اور بارہ ہزار خطوط آ گئے، حضرتؓ نے ان کے آخری خط کا جواب لکھا۔ یہ خط حسینؓ بن علیؓ کا مومنوں، مسلمانوں، شیعوں

کی طرف سے۔" (جلاء العیون ص ۴۳۱)

آخری خط جو امام موصوف کے پاس گیا اس کا مضمون درج ذیل ہے :۔

"جمیع شیعانِ مومنین و مسلمین اہلِ کوفہ کی طرف سے بخدمت امام حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب ہے۔ واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام و پیشوا نہیں، پس آپ ہماری طرف توجہ فرمایئے اور ہمارے شہر (کوفہ) میں قدم رنجہ فرمایئے۔ ہم سب آپ کے مطیع ہیں۔ اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ نہایت ذلیل و خوار دارالامارت میں بیٹھا ہے۔ اور ہم جمعہ اور عیدین کی نماز وہاں پڑھنے نہیں جاتے۔" (جلاء العیون ص ۴۳۰)

عبارتِ بالا سے صاف پایا جاتا ہے کہ اہلِ کوفہ و اعیان امام حسینؓ ایسے غالی شیعہ تھے کہ اوروں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ہمچناں شیعانِ موجودہ کا بھی عقیدہ یہی ہے کیوں نہ اسلاف کی پوری تابعداری کی جائے۔

جب شیعانِ اہلِ کوفہ کا اصرار و الحاح حد سے بڑھ کر انتہا کو پہنچا، تو امام حسینؓ نے مسلمؓ بن عقیلؓ[1] کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفی بشرفِ بیعت امام حسینؓ ہوئے چنانچہ امام حسینؓ کو امام مسلمؓ نے خط لکھا کہ اہل کوفہ تہِ دل سے آپ کے خواہاں ہیں آپ بلا دریغ تشریف لایئے۔ (جلاء العیون ص ۴۳۲)

بعد ازاں شیعانِ کوفہ نے امام مظلوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہ کتبِ شیعہ میں مذکور ہے۔ اور جب امام عالی مقام کوفہ میں تشریف فرما ہوئے اور شیعانِ کوفہ نے اپنی غدّاری و مکّاری کو ظاہر کیا، اور خطوط

---

[1]: اپنے چچا زاد بھائیؓ کو پہلے بھیج کر ان کے تشیّع کا مزید اطمینان کر لیا۔

مرسلہ جو آپ کے ہاں محفوظ تھے، ان لاف زنوں کو دکھائے گئے، مگر وہ جفا کار شیعہ اپنی بے شرمی سے باز نہ آئے تو امام مظلوم کو فرمانا پڑا، کہ ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا۔

(جلاء العیون ص ۴۵۲، ۴۵۳)

ان جفا کار غدار شیعوں نے امام مظلوم کی نصرت سے عزلت و کنارہ کشی اختیار کرنا ہی کافی نہ سمجھا، بلکہ غضبِ الٰہی کے ایسے خواہاں و متلاشی ہوئے کہ امام مظلوم کے مقابلہ پہ کمر بستہ ہو گئے۔ اس لیئے تو امام موصوف نے فرمایا:

" تمہارے ارادوں پہ لعنت ہوائے جفا کار غدار! تم نے شمشیر کینہ مجھ پہ کھینچی " ۔

(جلاء العیون ص ۴۶۸)

"آخر کار انہیں شریر النفس بے وفایان مکار و غدار کے ہاتھ سے امام مغفور نے جام شہادت نوش فرمایا" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

(جلاء العیون ص ۶۹۰)

گو ان حوالہ جات کے بعد امام حسینؓ کو بلانے والے کوفیوں کے شیعہ ہونے کے ثبوت میں کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں۔ مگر صرف اس لیئے کہ اہلِ تشیع کو اتنے سے تسکین نہ ہو، ان کے مزید اطمینان کے لیئے ایک اور حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ قاتلانِ امام حسینؓ سنی نہیں تھے۔

چنانچہ علامہ قاضی شوستری شیعی مجالس المومنین میں لکھتے ہیں کہ:۔

"تشیع اہلِ کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سنی کوفی الاصل بودن خلاف اصل و محتاج بدلیل است اگرچہ ابو حنیفہؒ کوفی باشد"۔

اہلِ کوفہ کے شیعہ ہونے پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔
اور ان کا سُنّی ہونا خلافِ اصل اور دلیل کا محتاج ہے۔ اگرچہ امام
ابو حنیفہؒ کوفی ہیں۔" (مجالس المؤمنین ص ۲۴ مطبوعہ ایران)

عبارتِ محولہ بالا سے مثل آفتابِ تاباں کے روشن ہوتا ہے کہ قاتلانِ امام حسین رضی اللہ عنہ شیعہ بلکہ راہنمایانِ شیعہ تھے۔ اور غدار و مکار شیعوں نے اپنی بد اطواری اور بد اعتقادی کو فقط امام حسین رضؓ کے ساتھ ہی ظاہر نہیں کیا بلکہ قبل ازیں آپ کے پدر بزرگوار جناب علی رضؓ اور برادرِ سعید امام حسنؓ کے ساتھ ان کی بدگوہری عیاں ہو چکی تھی۔ اور بعد ازاں باقی ائمہ اہلِ بیت کے ساتھ بھی ایسا کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۴۴۵۔

نیز جلاء العیون کے ص ۳۲۳ میں مذکور ہے کہ امام حسنؓ نے فرمایا:۔

"بخدا اس جماعت (شیعہ) سے میرے لیئے معاویہؓ بہتر ہے۔ یہ لوگ دعوٰی کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں، اور میرا ارادۂ قتل کیا۔ میرا مال لوٹ لیا۔"

اور کتاب سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ میں مرقوم ہے:۔

"پس دستِ بغاوت دراز کردند۔ آنچہ از نقد و جنس یافتند بتاراج بردند۔ حتّٰی کہ مصلّٰی کہ آنحضرتؓ کہ برآں نشستہ بود از زیرِ آں کشیدند و بردند۔"

"شیعوں نے حضرت امام حسنؓ کے ساتھ ایسی بدسلوکی اور بے وفائی کی کہ بغاوت کرکے آپ کا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ حتّٰی کہ مصلّٰی

نماز ہی ان بد گوہر، بدکردار شیعوں نے زبردستی چھین لیا۔"

اور تاریخ الامم والملوک طبری سنی میں بھی اسی طرح مسطور ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو جن لوگوں (شیعوں) نے بلایا، انہوں نے قتل کیا۔ جب امام موصوف نے ان کی غدّاری برملا دیکھی تو آپ نے فرمایا:۔

اِنِّیْ لَمْ اٰتِکُمْ حَتّٰی اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَقَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ اَنْ اَقْدِمْ عَلَیْنَا فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَنَا اِمَامٌ فَقَدْ جِئْتُکُمْ فَاِنْ تُعْطُوْنِیْ مَا اَطْمَئِنُّ اِلَیْہِ مِنْ عُھُوْدِکُمْ وَمَوَاثِیْقِکُمْ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَنَقَضْتُمْ عَھْدَکُمْ وَخَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ مِنْ اَعْنَاقِکُمْ فَلَعَمْرِیْ مَا ھِیَ لَکُمْ بِنُکْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوْھَا بِاَبِیْ وَاَخِیْ وَابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمٍ وَاِنْ کُنْتُمْ لِمَقْدَمِیْ کَارِھِیْنَ صَرَفْتُ عَنْکُمْ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ اَقْبَلْتُ مِنْہُ اِلَیْکُمْ۔

(ص ۲۲۸-۲۲۹ ج ۶ مطبوعہ مصر)

"میں تمہارے بلائے بغیر یہاں نہیں آیا۔ تمہارے بے شمار خطوط اور پیغام رساں میرے پاس پہنچے کہ ہمارا کوئی امام نہیں، تم ہمارے پاس آجاؤ۔ پس میں تمہارے پاس آگیا۔ تم پر لازم تھا کہ اپنے وعدوں پر قائم رہ کر میری تابعداری کرتے۔ مگر تم نے اپنے وعدوں اور میری بیعت کو توڑ ڈالا۔ سو یہ بات قابلِ تعجب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم تم قبل ازیں اسی قسم کی عہد شکنی اور بے وفائی میرے والد بزرگوار رضی اللہ عنہ اور برادر حسن رضی اللہ عنہ اور میرے چچا زاد بھائی مسلم

سے کر چکے ہو۔ اور اگر تم کو میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں، وہاں واپس لوٹ جاتا ہوں۔"

کتاب خلاصۃ المصائب شیعہ کے ص ۴۹ میں مذکور ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

قَدْ خَذَلَنَا شِيْعَتُنَا

یعنی ہمارے شیعہ نے ہم کو ذلیل کیا ہے۔

نیز خلاصۃ المصائب کے ص ۲۰۱ پر مرقوم ہے:-

لَيْسَ فِيْهِمْ شَامِيٌّ وَلَا حِجَازِيٌّ بَلْ جَمِيْعُهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ ط

"یعنی وہ امام کے قتل کرنے والے سب کوفی تھے، ان میں نہ کوئی شامی تھا، نہ کوئی حجازی۔"

ان کوفی شیعوں کی دشمنی کا ظہور تو امام کے کربلا پہنچنے سے پیشتر ہو چکا تھا۔ یعنی وہ حضرت امام مسلم اور امام کے قاصد عبداللہ بن بقطر کو شہید کر کے حر کے ساتھ ہو کر راستہ ہی میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو روکنے کے درپے ہوئے۔ جس کی وجہ سے مجبوراً امام کو کوفہ سے رخ پھیر کر کربلا کے وحشت ناک میدان میں قیام کرنا پڑا۔

الغرض روایاتِ صحیحہ متفقہ شیعہ سنی سے صاف ثابت ہوا کہ قاتلان و داعیان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کٹر شیعہ تھے۔ اور اس سے یہ بات بھی ثابت و ظاہر ہو گئی کہ اہلِ تشیع کے نزدیک محبتِ اہلِ بیت کے معنی عداوت و دشمنی اہلِ بیت کے سوا کچھ نہیں۔

برادرانِ اہلِ سُنّت پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شیعہ صاحبان کہتے ہیں کہ قتلِ حضرت حسینؓ سے ہم کو نفع ہوا، اور تمام شیعوں کے گناہ معاف ہو گئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے خواب کی تعبیر حضرت حسینؓ کی شہادت سے ہوئی، کہ ان کی طرف سے نہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کا فدیہ ہونا منظور ہوا۔ نہ ابن خلیلؑ اللہ کے عوض دُنبہ کی قربانی مقبول ہوئی۔

پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت خلیلِ خدا کی صحیح تعبیر ہوئی۔ اور وہی ان کی طرف سے کامل فدیہ ہیں۔

ثبوت میں کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ سے بھی قتلِ حسینؓ مُراد ہے۔ چنانچہ مولوی اولاد حیدر صاحب شیعی نے اپنی کتاب ذبح عظیم میں اس کی تصریح کی ہے۔

ہم شیعہ صاحبان سے نہایت ہی ادب سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے اس عقیدہ (کہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے ہمارے گناہ معاف ہوئے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اپنی اُمت کے گناہگاروں کے بدلہ میں سُولی پر چڑھے) میں کیا فرق ہے؟ نہیں نہیں! بلکہ کامل اِتحاد و اِتّفاق ہے۔ کیوں نہ ہو؟ جبکہ مذہب شیعہ کی بنیاد یہود و نصاریٰ کے متبرّک ہاتھوں سے رکھّی گئی ہے تو نتائج میں فرق کیسے آئے؟

حق یہ ہے کہ شیعوں نے حضرت حسینؓ کو بتقیہ قتل کر کے بزعمِ خود ثواب کا ذخیرہ جمع کیا۔ اور ان کی حمایت میں بعد کے شیعہ شہادتِ حضرت حسینؓ کے بہانہ سے اس قسم کے فوائد بیان کر کے درحقیقت اصل خدا کے خلیل ذبیحُ اللہ اور

دینِ اسلام پر افتراء و بہتان ہے) اپنے اسلاف کے جرمِ قتلِ حضرت حسینؓ کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ لیکن شیعہ صاحبان کو بدل و جان یاد رہے کہ ہمارے متقدمین ہی نے امام حسینؓ کو جامِ شہادت نوش کرایا۔ اور ابد الآباد تک خدا کے غضب اور قہر کے مستحق ہو کر خسر الدنیا والآخرہ ہوئے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت وہ رنگ لائی کہ شیعوں کو بارگاہِ ایزدی سے بجز تمغۂ ارتداد و بے ایمانی کے اور کچھ نہ ملا۔ اور تھوڑے بہت شیعہ جو پردۂ تقیہ میں اظہارِ اسلام کرتے تھے وہ بھی ظاہر بظاہر مرتد و بے ایمان ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت حسینؓ کے رفقاء میں سے حسبِ روایاتِ شیعہ بجز پانچ کے باقی سب مرتد اور بے ایمان ہو گئے۔

چنانچہ قاضی نور اللہ شوشتری شیعی لکھتے ہیں:۔

از حضرت زین العابدین روایت کردہ اند کہ می فرمایند کہ تمام مردم بعد از قتل حضرت حسینؓ مرتد شدند۔ اِلّا پنج کس ابو خالد و یحیی بن ام الطویل و جبیر بن مطعم و جابر بن عبداللہ انصاری و شبکہ حرم محترم حضرت حسینؓ بود۔ (مجالس المومنین مجلس پنجم ص ۱۳۵)

"امام زین العابدین سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ قتلِ امام حسینؓ کے بعد تمام آدمی بجز پانچ کے مرتد ہو گئے۔ ابو خالد۔ یحیی بن ام الطویل، جبیر بن مطعم۔ جابر بن عبداللہ انصاری، شبکہ حرم محترم حضرت حسینؓ۔"

یہ پانچ بھی لباسِ تقیہ میں ملبوس تھے جو بعد تھوڑے دنوں کے، کافر ہو گئے۔ امام جعفرؒ کے زمانہ میں تین شیعہ بھی مومن نہ پائے گئے۔

اصولِ کافی میں ہے:۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ اَنِّیْ اَجِدُ مِنْکُمْ ثَلَاثَۃَ مُؤْمِنِیْنَ یَکْتُمُوْنَ حَدِیْثِیْ مَا اسْتَحْلَلْتُ اَنْ اَکْتُمَهُمْ حَدِیْثًا۔

"امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم اگر میں تم سے تین مومن پاؤں جو میری بات کو چھپا دیں تو پھر میں تم سے اپنی کوئی بات پوشیدہ نہ رکھوں۔"

امام موسیٰ کاظمؒ کو بجز عبد اللہ بن یعفورؒ کے اور کوئی مومن نہ ملا۔ فرمایا:۔

مَا وَجَدْتُ اَحَدًا یَقْبَلُ وَصِیَّتِیْ وَ یُطِیْعُ اَمْرِیْ اِلَّا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ یَعْفُوْرٍ۔ (مجالس المؤمنین ص ۱۳۶)

"میں عبد اللہ بن یعفورؒ کے سوا کسی کو نہیں پاتا جو میری وصیّت قبول کرے اور میرا کہا مانے۔"

ان ہر دو روایات سے معلوم ہوا کہ شیعہ کی سرشت میں ارتداد و بے ایمانی کا مادہ بھرا ہوا تھا۔ اور سنیئے:

شیعہ کی مشہور کتاب اصول کافی میں ہے، امام محمد باقرؒ نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَقَّتَ هٰذَا الْاَمْرَ فِی السَّبْعِیْنَ فَلَمَّا اَنْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَخَّرَهٗ اِلٰی اَرْبَعِیْنَ وَمِائَةٍ۔ (ص ۲۳۲)

"خدا نے امام مہدی کے ظاہر ہونے کا زمانہ (جو ہر طرح شیعوں کے عیش وعشرت اور شادمانی و کامرانی کا زمانہ ہے) ۷۰ھ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب شیعوں نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا تو اللہ کا غصہ زمین والوں پہ بڑھ گیا۔ اور خدا نے ظہورِ مہدی کے وقت کو ٹال کر ۱۴۰ھ مقرر کیا۔[1]

روایت ہذا میں اہل الارض سے مُراد شیعہ ہیں۔ کیونکہ شیعوں نے ہی امام حسینؓ کو قتل کیا۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ تو خدا کے قہر و غضب کا شیعہ پہ ہی نازل ہونا ضروری ولازمی تھا۔

دوسری روایتِ شیعہ میں صاف موجود ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ غَضِبَ عَلَی الشِّیْعَۃِ ، (اصُول کافی ص ۱۵۹)

بہ تحقیق خدا کا غضب شیعہ پہ ٹوٹ پڑا۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں بجائے عَلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ کے عَلَی الشِّیْعَۃِ تھا جو راوی نے شیعہ کی مذلت اور رُوسیاہی کو

[1] :- آج ساڑھے تیرہ سو برس ہو گئے خدا کا قہر و غضب شیعوں سے فرو نہیں ہوا ورنہ امام مہدی غار سے ضرور ظہور فرما کر قرآن کریم کی اشاعت کرتے۔ امام موصوف شیعوں کو بددعا دیتے ہوں گے کہ ان کے ارتداد و عداوت کی وجہ سے غار میں بند ہیں۔ اور شیعہ میں آپ کو کوئی ایماندار نظر نہیں آتا۔

پوشیدہ رکھنے کی غرض سے عمداً عَلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ بنا دیا۔ مگر امام موسیٰ کاظمؒ نے اس راز کو منکشوف کر دیا کہ علی اہل الارض کی بجائے علی الشّیعہ ہے۔

بہر حال امام باقر صاحبؒ نے اپنے اس قول اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ الخ سے نہ صرف اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیا، کہ قاتلِ امام حسینؓ شیعہ ہیں۔ بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ شیعہ پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوا، اور امام موسیٰ کاظم صاحب نے

اِنَّ اللّٰہَ غَضِبَ عَلَی الشِّیْعَۃِ

کہہ کر مزید تصدیق فرمائی۔ ان ہر دو روایات کا مفاد ظاہر ہے کہ اس وقت دنیا میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ، مجوسی وغیرہ فِرَقِ ضالّہ موجود تھے۔ لیکن شیعہ ایسے بدترین مجرم تھے کہ اللہ کی نظرِ قہر نے سب کو چھوڑ کر صرف شیعوں کو تاکا۔

اصولِ کافی میں ایک اور دلکش روایت ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

اِذَا غَضِبْتُ لَعَنْتُ وَلَعْنَتِیْ تَبْلُغُ السَّابِعَ مِنَ الْوَرٰی (ص۵۱۱)

یعنی جب میں کسی پر غضب کروں تو اس کو لعنتی قرار دیتا ہوں، اور میری لعنت ملعون کی سات پشتوں تک جاتی ہے۔

اس روایتِ شیعہ نے ثابت کیا کہ شیعوں کے گلے میں یہ پھولوں کا ہار قیامت تک رہے گا۔ مبارک ہو جو قوم جیتے جی معذّب اور مغضوب ہو اس کے مرتد اور منافق ہونے میں کیا شک ہے۔

چنانچہ شیعہ کی روایت موجود ہے کہ امام موسیٰ صاحب کاظمؒ نے شیعو کے مرتد و منافق ہونے میں فتوٰی صادر فرمایا ہے۔

لَوْ مَیَّزْتُ شِیْعَتِیْ مَا وَجَدْتُھُمْ اِلَّا وَاصِفَۃً وَلَوِ

امتحنتهم لما وجدتهم الّا مرتدّين۔

یعنی میں اگر اپنے شیعوں کو جُدا کروں تو نہ پاؤں ان کو مگر محض زبانی دعویٰ کرنے والے۔ اور اگر امتحان کروں میں ان کا تو نہ پاؤں ان کو مگر مُرتدّ۔ (فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۰۷)

شیعہ صاحبان خلفاء الراشدینؓ و دیگر صحابہؓ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شب و روز منافق وغیرہ (نعوذ باللہ) کہہ کر اپنا ایمان اکارت کرتے ہیں۔ خدائی غیرت نے ایسا جوش مارا کہ شیعہ مصنفّین کی اقلام سے شیعوں کے حق میں اسی دنیا میں ملعون معذّب۔ مغضُوب۔ مقہور۔ مُرتدّ۔ منافق وغیرہ لکھوا دیا۔ اور سیّد شباب اہل الجنّۃ حضرت حسینؓ کو انہی کے ہاتھوں شہید کرا کے ان کو جہنّم کا مستحق ٹھہرایا۔ جو آج تک کتبِ شیعہ میں مسطور و مرقوم پایا۔ اور خسر الدّنیا والآخرہ کا فردِ کامل بنایا۔

کسی نے خُوب کہا :-

کان رکھتے ہو تو سُن لو نعرۂ قہرِ خُدا !\
پردہ پوشی ہو چکی ختم اب عذاب آنے کو ہے

تمام پیغمبروں کے شیعہ ہونے کا دعویٰ جناب خادم حسین صاحب بخاری لکھتے ہیں:

فاضل اہل حدیث قرآنِ کریم سے تو شاید اہل حدیث کا لفظ بھی نہ دیکھا سکیں جبکہ خداوند کریم نے اپنے خلیل جدِ انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ کی آیت نازل فرما کر خلعتِ شیعیت سے نوازا ہے۔ (جوازِ متعہ ص ۱۵)

شیعہ فاضل اس بلند بانگ دعویٰ سے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے۔ اور یہ مذہب زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ع

برایں فہم و ادراک باید گریست

ہمارے یہ نادان شیعہ فاضل محض لفظ شیعہ دیکھ کر خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ شیعہ خارجی مذہب کا وجود تو اس وقت سے ہے جب سے بقول ان کے خلافت غصب ہوئی۔ جو لوگ تین یاروں کو نہیں مانتے۔ اور ایک حضرت علیؓ کو مانتے ہیں۔ وہ شیعہ اور رافضی کہلاتے ہیں۔ پھر پہلے پیغمبروں حضرت ابراہیمؑ، اور دیگر انبیاءؑ کا شیعہ ہونا چہ معنی دارد؟ جبکہ نہ حضرت علیؓ تھے، نہ باقی یا ان نبیؐ۔

مشہور شیعہ مفسر علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

الشیعۃ صارت فی العرف اسما لمتبعی امیرالمومنین علی سبیل الاعتقاد لامامتہ بعد النبی بلافصل من الامامیۃ والزیدیۃ وغیرھم (مجمع البیان ص ۳۱۵ : ج ۲)

عرف میں لفظ شیعہ کا اطلاق ان امامیہ اور زیدیہ وغیرہ فرق پر ہوتا ہے۔ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت علیؓ تھے۔

علامہ طبرسی کے بیان کے مطابق ثابت ہوا۔ کہ باقاعدہ کسی مذہب پر اس لفظ کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا ہے۔ لہٰذا شیعہ فاضل کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شیعہ مذہب کا ایک فرد ثابت کرنا پرلے درجے کی جہالت بھی ہے اور توہینِ پیغمبر بھی۔

لفظ شیعہ کا لغوی مفہوم | شیعہ کا لفظ اصل لغت میں ایسی جماعت پر بولا جاتا ہے جو کسی خاص غرض کے لیئے جمع ہوں۔ اور اس غرض میں ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ جس کا با محاورہ ترجمہ آج کل کی زبان میں فرقہ، گروہ یا پارٹی ہے۔ اور یہ گروہ اچھے لوگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور برے لوگوں کا بھی۔ قرآن پاک میں اس کا استعمال دونوں قسم کے لوگوں پر ہوا ہے۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

الشیع الفرق وکل فرقۃ شیعۃ علیحدۃ و شیعۃ فلان اتباعہ (مجمع البیان ص ۳۱۴ ؛ ج ۲)

شیع فرقوں کو کہتے ہیں۔ اور ہر ایک الگ الگ فرقے کو شیعہ کہا جاتا ہے اور شیعۃ فلاں بول کر اس کے اتباع مراد ہوتے ہیں۔

مشہور شیعہ مفسر علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں۔

الشیعۃ الجماعۃ المتعاونون علی امر او المتبعون لعقیدۃ۔

(المیزان فی تفسیر القرآن ص ۸۹ ؛ ج ۱۴) شیعہ اس جماعت کو کہتے ہیں۔ جو کسی ایک امر میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار یا کسی خاص عقیدہ کے پیروکار ہوں۔

فاضل شیعہ کی اس پیش کردہ آیت میں لفظ شیعہ اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے

گروہ کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ مذہب پر شیعہ کا لفظ قرآن میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ جہاں اللہ جل شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو بیان فرمایا ہے۔ وہاں اس قسم کا لفظ موجود نہیں ہے۔ قرآن کریم کی آیت ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا (آلِ عمران آیت : ٦٧)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی بلکہ سب سے بیزار، صرف اللہ کے فرمانبردار تھے۔

اس آیت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ جہاں ابراہیم علیہ السّلام کا مذہب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں لفظ شیعہ مذکور نہیں۔ اور جہاں لفظ شیعہ مذکور ہے وہاں مذہب مراد نہیں۔ پس صحیح مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت نوح علیہ السّلام کے گروہ میں سے تھے یعنی جس طرح وہ نبی تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام بھی نبی تھے اگر آپ کا استدلال صحیح ہے تو لغت یا قرآنی آیات سے ثابت کیجئے کہ یہاں لفظ شیعہ سے مُراد مذہب شیعہ ہے اور بس۔

۲۔ فاضل شیعہ کا اس آیت سے استدلال غلط ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام مستقل نبی تھے۔ وہ کسی کے تابع نہیں تھے۔ اور شیعہ کا مفہوم آپ کی اصطلاح میں تابعداری کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ لہٰذا جو تابعدار ہو، وہ مستقل نبی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ بالفرض اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا شیعہٗ نوحؑ ہونا ثابت ہوگا۔ اور آپ کا دعوٰی شیعانِ علیؓ کے مذہب کا اِثبات ہے۔ پس جو کچھ ثابت ہوا، وہ آپ کا مقصود نہیں۔ اور جو آپ کا مقصود ہے وہ ثابت

نہ ہوا۔ لہٰذا کوئی اور استدلال پیش کیجئے !

۴۔ اگر شیعہ کے لفظ سے مذکورہ آیت میں شیعہ مذہب مراد لیا جائے تو حسب ذیل آیات کا جواب مطلوب ہے۔

۵ ● اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ

جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور بن گئے شیعہ، اے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے (الانعام آیت ۱۵۹)

فرمائیے! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گروہ میں سے نہ ہوئے تو آپ کے مذہب کی کیا حیثیت رہی۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کرو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۶ ● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا

(القصص آیت ۴) ۔ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اہل ارض کو شیعہ بنا دیا۔

فرمائیے! اگر شیعہ کا معنی مذہب لیا جائے تو فرعون اور فرعونیوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیونکہ انہیں بھی خلعتِ شیعیت سے نوازا گیا ہے۔

۷ ● فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ۝ (مریم آیت ۶۹)

تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے۔ پھر جہنم کے گرد لا کر انہیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے

پھر ہم نکال لیں گے دوزخ میں ڈالنے کے لیئے۔ پہلے ان شیعوں سے جو رحمٰن کے مقابلے میں زیادہ سرکش بنا ہوا تھا۔

بتایئے! اگر شیعہ سے مُراد مذہب شیعہ لیا جائے تو آیت کا جواب کیا ہوگا؟ یہ لازم نہ آئے گا کہ شیعہ کا لفظ اس انسان پہ اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ جو خدا کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔

۸ ● قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا (الانعام: ۶۵)

اللہ تعالیٰ اس پہ قادر ہیں کہ بھیجدے تم پہ عذاب تمہارے اُوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو شیعہ شیعہ بنا آپس میں لڑادے

فرمایئے! اگر "شیعا" سے مُراد شیعہ لیا جائے۔ تو پھر کیا ان کے معذّب ہونے میں شک باقی رہ سکتا ہے۔

۹ ● وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا (سورۂ روم آیت ۳۲)

نہ ہو تم ان مشرکین میں سے جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور بن گئے شیعہ۔

بتایئے جناب خادم صاحب! یہاں خلعت شیعیت سے کن لوگوں کو نوازا گیا ہے۔ جدِ انبیاء حضرت ابراہیم علیہم السّلام کے تذکرے میں تو ایک آیت لکھ کر اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا کر لیا۔ اور شیعہ مذہب کے قدیم ہونے کا بھی آپ کو ثبوت مل گیا۔ سورۂ روم کی اس آیت میں جن لوگوں کو خلعتِ شیعیت سے نوازا گیا ہے۔

کیا آپ ایسے شیعہ بننے کے لیئے تیار ہیں؟ اگر آپ ایسے شیعہ بن جائیں تو واللہ ہم آپ کے مذہب کی حقانیت بھی تسلیم کر لیں گے۔ اور اس مذہب کے قدیم ہونے کے بھی ہم معترف ہو جائیں گے۔ اور آپ کو بھی سچا پکا شیعہ مذہب کا فرد مان لیں گے۔

جناب خادم صاحب کی تسلی کے لیئے شیعہ مفسر کی تشریح نقل کر دیتے ہیں جو انہوں نے مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھی ہے۔ اس تفسیر سے شیعہ مذہب کی قدامت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:-

اختلف فی معنی هذه الاية علیٰ اقوال احدها انهم الکفار واصناف المشرکین وثانیها انهم الیهود و النصاریٰ لانهم یکفر بعضهم بعضا وثالثها انهم اهل الضلالة واصحاب الشبهات والبدع من هذه الامة (تفسیر مجمع البیان ص ۳۸۹ : ج ۲)

آیت کا مفہوم تعین کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں شیعہ سے تمام کفار اور مشرک مراد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں شیعہ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں شیعہ اس اُمت کے تمام گمراہ اور بدعتی مراد ہیں۔

ہم جناب خادم صاحب سے عرض کریں گے کہ آپ ہی کے شیعہ مفسر نے تین معنی بیان کر دیئے ہیں۔ آپ ان تینوں میں سے جو معنی بھی اپنے لیئے پسند کریں اختیار کر لیں۔ ہم آپ کو سچا شیعہ مان لیں گے۔ اگر آپ تینوں قسم کے شیعہ بننے کے لیئے تیار نہ ہوں تو پھر شیعہ مذہب کی حقانیت اور قدامت کے لیئے قرآن کی کسی آیت

سے استدلال نہ کریں۔ اور جدِّ انبیاء کو گروہِ انبیاء ہی میں رہنے دیں۔ ان کو خواہ مخواہ کھینچ کر اپنے شیعہ مذہب میں نہ لائیں۔

۱۰۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (حجر آیت ۱۰ - ۱۱)

اے ہمارے حبیب ہم آپ سے پہلے بہت سے گزرے ہوئے شیعوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہو۔ اور انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔

دیکھئے! اس آیت میں خلعتِ شیعیت سے ان لوگوں کو نوازا گیا ہے جو خدا کے برگزیدہ پیغمبروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ہم جناب خادم صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اگر قرآن کا مطالعہ کرتے تو آپ کو شیعہ مذہب کی قدامت اور حقانیت کے لیئے یہ آیات بھی مل جاتیں۔ آپ نے صرف ایک آیت نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ہم نے آپ کی اطلاع کے لیئے چند دیگر آیات بھی نقل کر دی ہیں۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان میں بھی شیعہ مذہب کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اگر اس خصوصیّت کو آپ خیر البریہ کے نام سے یاد کرتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے خیر البریہ دنیا میں بہت سے گزر چکے ہیں۔

۱۱۔ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (سورۃ سبا: ۵۴) جیسا کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا۔ یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوتے تھے۔

شیعہ کے مشہور مفسر علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

یہاں شیعہ یا تو مطلق ان جیسے کافروں کو کہا گیا ہے۔ یا پھر ان کافروں کو کہا گیا ہے جو خانہ کعبہ گرانے آئے تھے۔ اور جن پر عذاب نازل ہوا۔ (تفسیر مجمع البیان ص ۳۸۹: ج ۴)

ہمارے شیعہ فاضل خوش ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعت شیعیت سے نوازا گیا ہے جس سے شیعہ مذہب کا قدیم ہونا اور برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب شیعہ فاضل کو اس سے بھی خوش ہونا چاہیئے کہ یہاں پہلے زمانے کے کافروں۔ بدکاروں اور بدکرداروں کو بھی خلعتِ شیعیت سے نوازا گیا ہے۔ اور اس سے اس مذہب کے قدیم ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگر شیعہ فاضل اس آیت سے استدلال کرتے تو زیادہ موزوں تھا۔

۱۲۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ (سورۃ قمر: آیت ۵۱)

ہم نے ہلاک کیا ہے تمہارے شیعوں کو۔

اَشیاع، شیعہ کی جمع ہے۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں۔

ای اشباھکم و نظائرکم فی الکفر من الامم الماضیۃ وعن الحسن سماھم اشیٰعھم لما وافقوھم فی الکفر و تکذیب الانبیاء ۔ (مجمع البیان ص ۱۹۴: ج ۵)

یعنی گذشتہ قوموں میں سے جو کفر اختیار کرنے میں تمہارے جیسے تھے حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ان کو اشیاعہم کے لفظ سے اس لیئے موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ کفر اختیار کرتے اور تکذیب انبیاءؑ میں ان کے ہم مشرب تھے۔ مقصد یہ ہے کہ یہاں بھی پہلے زمانے کے معذّب کفّار کو خلعتِ شیعیت سے نوازا گیا ہے۔

خلاصہ | مذکورہ تمام آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق کفار و مشرکین، فتنہ باز۔

فسادیوں، یہود و نصاریٰ، سرکش اور شیطان صفت گروہ پر ہوا ہے۔ پھر ہمارے شیعہ فاضل خود ہی سوچیں کہ کیا وہ اس لفظ کا مصداق بننا گوارا کریں گے۔ اگر آپ کو لفظ شیعہ پر بڑا ناز ہے تو لیجیے ان آیاتِ مذکورہ کا مصداق بننا بھی گوارا کریں۔ آخر قرآنی الفاظ ہی تو ہیں۔ بقول شخصے ؎

کعبے سے ان بتوں کو نسبت ہے دور کی
گو وہاں نہیں وہاں سے نکالے ہوئے تو ہیں

۱۳۔ ملّاں باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔

اعتقاد ما در برائت آن است کہ بیزاری جویند از بت ہائے چہار گانہ یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معاویہ و زنانِ چہار گان یعنی عائشہؓ و حفصہؓ و ہندؓ و ام حکمؓ و از جمیع اشیاع و اتباع ایشاں (حق الیقین ص ۵۹۹)

پس اگر اشیاع کے لفظ کا مذہب پر اطلاق کیا جائے تو بتایئے۔ مذکورہ بالا آیت کا کیا جواب ہے؟ جب کہ اشیاع شیعہ کی جمع ہے۔ اور شیعہ کا لفظ ابوبکرؓ، اور عائشہؓ کے تابعداروں پر استعمال کیا گیا ہے۔

۱۴۔ مشہور شیعہ مصنّف احمد بن ابیطالب طبرسی لکھتے ہیں:۔

وانظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ

(احتجاج طبرسی ص ۱۶۵ مطبوعہ نجف اشرف)۔ آپ سے پہلے عثمان کے شیعوں اور ان کے محبّین کو دیکھو۔

فرمایئے! اگر لفظ شیعہ سے تمہارا مذہب مراد لیا جائے تو پھر عبارت کا کیا مطلب بنے گا؟

۱۵۔ مشہور شیعہ مصنّف محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں۔

قلت وکیف النداء قال ینادی مناد من السماء اول النہار الا ان علیاً وشیعتہ ھم الفائزون وقال ینادی مناد اخر النہار الا ان عثمان وشیعتہ ھم الفائزون

(فروع کافی کتاب الروضۃ ص ۱۴۴)

میں نے امام سے کہا، آسمان سے کیسی ندا آتی ہے؟ آپ نے فرمایا دن کے پہلے حصے میں آسمان سے نداء دینے والا نداء دیتا ہے۔ خبردار تحقیق علی المرتضیٰؓ اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔ اور دن کے آخری حصے میں نداء دیتا ہے۔ خبردار یقیناً حضرت عثمانؓ اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔

پس اگر شیعہ کا معنی شیعانِ علیؓ کیا جاتے تو بتایئے شیعانِ عثمان کا کیا معنی رہے گا؟

<u>اہلِ تشیع کا دوسرا استدلال</u>: رافضی حضرات شیعہ مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لیئے قرآن پاک کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ (سورۃ قصص : ۱۵)

یہ ایک تو اس کے شیعوں میں سے تھا۔ اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی شیعہ تھے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھے۔

لیکن یہ محض شیعہ کی کوتاہ فہمی اور عدم تدبّر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ وہ پہلا شخص (حضرت موسیٰؑ کے قبیلے بنی اسرائیل میں سے تھا۔ مگر منافق و مشرک تھا۔ اور اسی گروہ

میں سے تھا جو اس سے پہلے گوسالہ پرستی میں مبتلا تھا۔ بلکہ مفسرین فرماتے ہیں اسی کا نام سامری تھا۔ جو گوسالہ پرستوں کا استاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے دن بھی اسی شیعہ کو لفظ مجرمین میں شامل کیا۔ اور دوسرے دن تو اس کی نسبت صاف صاف فرما دیا۔

" اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔ یعنی تو ایک مفسد بدخواہ بظاہر گمراہ ہے۔"

پھر یہاں بھی لفظ شیعہ کا اطلاق اچھے شخص پر نہیں بلکہ بُرے شخص پر ہوا ہے۔ یہ شخص حضرت موسیٰ کا دوست نما دشمن (منافق) تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو شہر چھوڑ کر مدین کی طرف بھاگ جانا پڑا۔ بڑی صعوبات سفر برداشت کرتے ہوئے ایک نیک مرد حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں جا کر پناہ لی۔ کئی سال اپنے وطن سے جلاوطن رہے۔ غرض اس آیت سے بھی شیعہ کا مدعا پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی تردید ہوتی ہے۔

فتح القدیر کی روایت سے استدلال

جناب غلام حسین صاحب نے حقانیتِ مذہبِ شیعہ پر مندرجہ ذیل روایت سے بھی اِستدلال کیا ہے۔ جسے امام شوکانیؒ نے سورۃ بینہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن جابر بن عبد اللہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل علی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ۔

(تفسیر فتح القدیر ص ۴۷۷ : ج ۵) "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت

علیؓ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ علیؓ اور اس کے گروہ کے لوگ قیامت کے روز کامیاب ہونگے۔"

اوّلاً اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا سطور میں ہم نے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح متّبعین علیؓ کامیاب ہیں۔ اسی طرح متبعّین عثمانؓ بھی کامیاب ہیں۔ پس کامیابی میں امتیاز مٹ گیا۔ نیز اس میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ چونکہ وہ آخری دن ہوگا تو شیعہ علیؓ کے متعلق پہلا اعلان باطل یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ اعلان خروج مہدیؒ کے وقت ہوگا۔ تو آپ کا مذہب بھی تولاء عثمانؓ ہوگا۔ اور آپ کے ساتھ تولاء عثمانؓ رکھنے والے سب مسلمانوں کی آخر کامیابی ہوگی۔ اور نام نہاد شیعہ علیؓ اس وقت بھی ناکام ہوں گے۔

علی تقدیر التسلیم حدیث کا یہی مفہوم درست ہے۔ کیونکہ اخروی نجات کے متعلق دو فرقوں کا تقابل اور دونوں کی کامیابی کا اعلان غیر معقول ہے۔ اور حدیث کا سیاق پس منظر امامِ برحق کی موجودگی میں دنیوی کامیابی کو متعیّن کرتا ہے۔ ورنہ یہ روایت روایت کے لحاظ سے موضوع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے شیعہ کے بجائے ان کے دشمن اصحاب محمدؐ کی کامیابی کی بشارت دی ہے۔

۱۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

یہ اللہ کا لشکر ہے۔ سنو: اللہ کا لشکر ہی غالب ہونیوالا ہے

۲۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

یہی لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں سب سے بڑے ہیں اور یہی کامیاب ہیں

قرآنِ پاک کے یہ ارشادات تاریخ کی کسوٹی پر پورے اترے۔ کامیابی نے اصحابِ محمدؐ اور خلفاءِ اسلام کے قدم چومے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔

آج کے ۹۵ کروڑ مسلمان ان ہی کی قربانیوں اور فتوحات کی بدولت اسلام کے سایہ میں ہیں۔ تو ان کے مخالف شیعہ کا وجود خود بخود کذب کا آئینہ ہے۔ اور کبھی ان کو متبع اسلام ہوتے کی حیثیت سے کامیابی اور ترقی نہ ہو سکی حتیٰ کہ ان کے سب اماموں نے بقول حضرت حسنؓ و حضرت مہدی اپنے اپنے زمانہ کے (ان کے خیال میں) ظالم امام کی بیعت کی۔ (جلاء العیون ص ۲۶۱ و مجالس المومنین ص ۲۴۳)

ثانیاً اصول یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت ہو کر وفاداری کا اعلان کر دیا تو جو بھی متبع علیؓ ہے اسے متبع حضرت صدیقؓ بننا پڑے گا۔ جبکہ حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کے امور دینی و دنیوی میں شریک کار رہے۔ لیکن حضرت علیؓ کا جو ایسا متبع بننا چاہے جس اتباع سے بغض ثلاثہ کی بو آئے۔ تو ایسی اتباع کا نام حقیقت میں اتباع نہیں ہے۔ بلکہ مخالفت ہے۔ اور تقابل فی العمل ہے۔ لہذا شیعہ کا اپنے آپ کو شیعۂ علیؓ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خلفاء ثلاثہؓ کو نہیں مانتے۔ اور حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کے مشیر و وزیر ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ درحقیقت شیعۂ علیؓ تمام اہل سنّت ہیں۔ کیونکہ وہ ظاہر و باطن سے آپ کے محبّ اور آپ کے متبع ہیں۔ اور حضرت علیؓ ظاہر و باطن میں خلفاء ثلاثہؓ کے محب و وفادار ہیں۔ لہذا رافضی شیعوں کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ شیعۂ علیؓ کہلائیں شیعۂ علیؓ وہ ہیں جو شیعانِ عثمانؓ و عمرؓ و ابوبکرؓ ہیں۔ اور جو شیعہ خلفاء ثلاثہ کو نہیں مانتا، وہ اگر شیعۂ علیؓ کا مدعی ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ پس خادم حسین صاحب کا امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کی مذکورہ روایت سے فضائل مذہب شیعہ پر استدلال کرنا مردود ہے۔ کیونکہ روایت میں جن شیعانِ علیؓ کے لیئے لهم الفائزون یوم القیامة کا مژدہ سنایا گیا ہے وہ اہل سنّت ہیں۔ اور یہی خیر البریہ ہیں۔ رہے شیعہ رافضی تو وہ یقیناً فرقہ ضالہ ہیں۔

ان کو شیعہ البریہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ کسی چور، ڈاکو، بدمعاش، شرابی وزانی کو پارسا کہہ دیا جائے جیسے یہ غلط ہے، ویسے وہ بھی غلط ہے۔

ثالثاً متبع کی علامت یہ ہے کہ آقا اس پر راضی ہو۔ مگر شیعہ روافض کا حال یہ ہے کہ حضرت علیؓ اُن سے سخت ناراض اور نالاں نظر آتے ہیں۔ پس وہ نہ اُن کے آقا رہے، اور نہ یہ اُن کے متبع رہے۔

رابعاً اہل تشیع کا اپنے آپ کو شیعہ کہنا ان کی کتابوں سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ امام جعفر صادقؒ نے ان کو رافضی کے نام سے ملقب کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام الرافضۃ؟ قال قلت نعم قال لا واللہ ما ھم سموکم ...... الخ (روضۃ الکافی ص ۳۴)

• کیا اہل تشیع کا نام رافضی ہے؟ فرماتے ہیں میں نے کہا ہاں۔ خدا کی قسم تمہارا یہ نام خدا نے رکھا ہے۔ انہوں نے نہیں رکھا۔

پس اگر ہمت ہے تو رافضی کا نام قرآن سے ثابت کریں۔

یعنی جیسے اہل تشیع حضرات نے قرآن سے ثابت کیا۔ امام عالی مقام کی زبان سے وہ ان کا نام نہیں، اور جو ان کا نام ہے وہ قرآن سے ثابت نہیں۔ پس ش ی ع ہ سے مشتق صیغوں سے مستعمل استدلات سب کے سب ھباءً منثورًا ہو گئے۔

حضرت علیؓ کی شیعہ روافض سے ناراضگی اب ذیل میں ہم جناب خادم صاحب کی تسلی کے لیے کتب اہل تشیع سے یہ ثابت کریں گے کہ اہل تشیع پر حضرت علیؓ ناراض اور سخت غضبناک تھے۔

۱۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

ایھا الناس انی استنفرتکم لجھاد ھؤلاء قوم فلم تنفروا واسمعتکم فلم تجیبوا ونصحت لکم فلم تقبلوا۔

(احتجاج طبرسی ص ۷۳ ج ۱) "اے لوگو! میں نے تمہیں جہاد کے لیئے تیار کرنا چاہا۔ تو تم تیار نہ ہوئے۔ میں نے تمہیں دین کی باتیں سنائیں۔ پس تم نے جواب نہ دیا۔ میں نے تمہیں نصیحتیں کیں، لیکن تم نے قبول نہ کیں۔"

مذکورہ بالا خطاب بتا رہا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ کے شیعوں سے سخت تالاں اور ناراض تھے۔ اور اس زمانہ کے شیعہ بھی آپ سے بیزار تھے۔ جب آپ ان کو بلاتے تو وہ ساتھ نہ دیتے۔ ان سے بات کرتے تو جواب نہ دیتے۔ نصیحت کرتے تو قبول نہ کرتے۔

شیعہ، حضرت علیؓ کے نزدیک گدھے ہیں

۲۔ أتلو علیکم الحکمۃ فتعرضون عنھا واعظکم بالموعظۃ البالغۃ فتنفرون عنھا کانکم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ (احتجاج طبرسی ص ۹۳)

اے لوگو! میں تم پر دانائی کی باتیں پڑھتا ہوں۔ تو تم انکار کرتے ہو۔ تمہیں عمدہ انداز سے وعظ کرتا ہوں تو تم جدا ہو جاتے ہو۔ گویا کہ تم ایسے گدھے ہو جو کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

اس خطاب میں جناب علی المرتضٰی نے شیعوں کو گدھے قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ رافضی گروہ اس روایت کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتا۔ جیسے جناب خادم حسین صاحب وزیرآبادی نے تفسیر فتح القدیر سے نقل کیا ہے۔ پھر یہ بھی قابل تعجب بات ہے کہ جس فرقے کو حضرت علیؓ گدھے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کو جناب خادم حسین بخاری صاحب

خیر البریہ کا نام دے رہے ہیں۔ اب فیصلہ قارئین کرام خود فرمالیں کہ حضرت علیؓ کی بات سچی ہے یا جناب خادم بخاری کی جس نے گدھوں کو خیر البریہ کہہ دیا ہے۔

گدھے کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ○ (سورۃ لقمان آیت ۱۹)

تمام آوازوں میں سے بدترین آواز گدھے کی ہے۔

شیعہ رضیوں کا حضرت علیؓ کی جاسوسی کرنا

علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

احثکم علی جہاد اھل الجور فما اٰتی علی اٰخر قولی حتی اراکم متفرقین ایادی سبا - ترجعون الی مجالسکم تتربعون حلقا تضربون الامثال تنشدون الاشعار تجسسون الاخبار (احتجاج طبرسی ص ۱۴۳ ج ۱)

"اے شیعو! میں تمہیں ظالموں سے جہاد پر برانگیختہ کرتا ہوں پھر میں اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پاتا یہاں تک کہ تمہیں دیکھتا ہوں کہ جدا ہو جاتے ہو۔ اپنی مجلس میں جا کر حلقے باندھ کر مثالیں مارتے، اشعار پڑھتے۔ میرے حالات کی جاسوسی کرتے ہو۔"

بتائیے! جو لوگ حضرت علیؓ کا مذاق اڑائیں۔ اور آپؓ کے خلاف حلقہ بنا کر مثال زنی کریں۔ آپ کی خبروں کی جاسوسی کر کے دشمنوں کو خبر دیں، کیا انہیں شیعان علیؓ کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسے بدقماش لوگ خیر البریہ ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ جھوٹے ہیں

علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

تقولون ان علیا یکذب کما قالت قریش لنبیھا (احتجاج طبرسی ص ۱۴۳ ج ۱)

اے شیعو! تم کہتے ہو کہ علیؓ جھوٹ بولتا ہے جس طرح قریش اپنے نبی کو جھوٹا کہتے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس عبارت نے شیعہ حضرات کی قلعی کھول دی ہے۔ اگر اس زمانہ کے شیعوں کے ایسے کرتوت نہ ہوتے۔ تو حضرت علیؓ ان کے ذمے اس قسم کے الزامات عائد نہ کرتے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ یہ حضرات شیعانِ علیؓ ہیں یا ان کے دشمن پھر یہاں سے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو جھوٹا کہنے والے خیر البریہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ شر البریہ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کی بد دعا | طبرسی لکھتے ہیں:۔

فیا ویلکم فعلی من اکذب أعلی الله ام علی رسوله (احتجاج طبرسی ص ۱۷۳ ج ۱)

خدا تمہیں تباہ کرے بھلا میں کس پر کذب بیانی کہہ سکتا ہوں۔ خدا پر یا اس کے رسولؐ پر!

ناظرین خود سوچ لیں کہ حضرت علیؓ کے یہ الفاظ آپ کے منہ سے کتنے درد انگیز لہجے میں نکل رہے ہیں۔ پھر جن کے متعلق آپ نے بد دعا کی ہے بھلا وہ خیر البریہ ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا شمار تو شر البریہ میں ہے۔

شیعہ بے عقل فرقہ ہے | طبرسی لکھتے ہیں:۔

والله ایها الشاهدة ابدانهم الناشئة عنهم عقولهم المختلفة اهوائهم۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۷۳ ج ۱)

خدا کی قسم اے وہ گروہ جن کے بدن حاضر ہیں اور خیالات مختلف ہیں۔ شیعہ گروہ کے حق میں حیدرِ کرار کا یہ بیان ان کی باطنی کیفیت اور اصلی حقیقت کی وضاحت کے لیے بہترین ثبوت ہے۔

شیعہ کے حق میں حیدرِ کرار کی ایک اور بد دعا | علامہ طبرسی لکھتے ہیں:۔

فرمائیے جناب بخاری صاحب! شیعہ روافض جن کی حضرت علیؓ شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے بھلا وہ خیر البریہ ہو سکتے ہیں؟ اور ایسے بدبخت لوگوں کے لیئے لھم الفائزون یوم القیٰمۃ کی بشارت متصور ہو سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔

شیعہ رافضی حضرت علیؓ کے غدار ہیں | حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

والله لوددت ان معاویة صارفنی بکم صرف الدینار بالدرهم فأخذ منی عشرة منکم واعطانی واحداً منهم

(احتجاج طبرسی ص ۱۷۴ ج ۱، نہج البلاغۃ ص ۹۹ : ج ۱)

خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ معاویہؓ مجھ سے دس درہم لے۔ اور ایک درہم دے دے، یعنی میرے بے وفا سپاہی مجھ سے دس لے لے۔ اور اس کے بدلے میں ایک جوان مرد، وفادار دے دے۔

جس فرقہ کی فطرت ہی غداری پر مشتمل ہو، بھلا ان سے امیدِ وفا کیسی؟

شیعہ رافضی سیدنا حسنؓ کے بھی غدار ہیں | حضرت حسنؓ اپنے محبین کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔

چنانچہ وفا نہ کردید برائے کسیکہ از من بہتر بود، چہ گونہ اعتماد کنم بر گفتہائے شما دحال آنکہ باپدر من چہ کردید پس از منبر فرود آمد سوار شد و متوجہ لشکرگاہ گردید چوں بار سید اکثر آنہا کہ اظہار اطاعت کردہ بودند حاضر نہ شدند پس خطبہ خواند فرمودہ مرا فریب دادید چنانچہ امام پیش از مرا فریب دادید۔

(جلاء العیون ص ۲۵۱ از ملا باقر مجلسی)

حضرت حسنؓ نے فرمایا جب تم نے اس سے وفا نہیں کی جو مجھ سے

بہتر تھا۔ اب میں تم پر کیسے اعتماد کروں۔ اور تمہاری باتیں کس طرح تسلیم کروں حالانکہ میرے باپ حضرت علیؓ سے تم کیا کر چکے ہو؟ پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اور سوار ہو کر لشکرگاہ کی طرف چلے گئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جن لوگوں نے فرمانبرداری کا اعلان کیا ہوا تھا، بے وفا ثابت ہوئے اور حاضر نہ ہوئے پس آپ نے خطبہ دیا۔ اور فرمایا تم نے مجھے اسی طرح فریب دیا ہے جس طرح کہ تم نے پہلے امام (ابّا جان) کو فریب دیا تھا۔

جناب خادم صاحب مذکورہ عبارت اور اس کے ترجمے کو دوبارہ، سہ بارہ پڑھیے اور خود نتیجہ نکالیے۔

تمام اہل بیت شیعہ رافضیوں کو غدّار اور قاتل سمجھتے ہیں

ملّا باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔

چوں امام حسین بے باکی وبے حیائی ایشاں را مشاہدہ نمود از روئے رضا و تسلیم دست نیاز بدرگاہ خداوند علیم برداشت و دُعا خواند (جلاء العیون ص ۳۸۸)

جب سیّدنا حسنؓ نے بلانے والوں کی بے باکی اور بے حیائی کو ملاحظہ فرمایا تو از رُوئے رضا و تسلیم نیاز کے ہاتھ خداوند علیم کی درگاہ میں اٹھائے اور دُعا فرمائی۔

جناب خادم بخاری صاحب! بھلا بتلائیے تو سہی۔ وہ تھے کون؟ جن کو ایسے پاکیزہ القاب سے نوازا جا رہا ہے۔ کیا یہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ کا دعوٰی ہے کہ یہ خیر البریّہ ہیں۔ اگر خیر البریّہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں تو ہمیں آپ کی بات سے سو فیصدی اتّفاق ہے۔

ایک اور واضح ترین بیان | شیعہ خیر البریّہ کے متعلق سیّدنا حسنؓ کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

لعنت ہو تم پر اور تمہارے عقائد پر اے بے وفا ظالمو! مجھے پریشانی کے وقت تم نے بلا لیا۔ اور تم نے مجھ سے مدد طلب کی۔ جب میں نے تمہاری بات مان لی۔ اور تمہاری ہدایت اور مدد کے لیئے آ گیا۔ تو تم نے کینے کی تلوار ہمارے منہ پر چلا دی۔ اور تم نے اپنے دشمن (ابن زیاد) کی ہمارے خلاف امداد کی تم پر تباہی ہو، کیسے تم نے بغیر دشمنی، کینہ اور جھگڑے کے عداوت کی تلوار انتقام کے نیام سے نکالی۔ اور بلا سبب اہل بیت کے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور بد بختیوں کے دستر خوان پر مکھیوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اور بیباک پروانوں کی طرح اپنے وجود کو تم نے آگ میں دھکیل دیا۔ خدا تمہاری شکلیں بدل دے۔ اے امت کے گمراہو کتاب اللہ کو چھوڑنے والو، شیطان کے پیرو کارو، رسول مکرم کو چھوڑنے والو، پیغمبروں کی اولاد کو قتل کرنے والو، اہل بیت کی اولاد اور محبین کو ہلاک کرنے والو، بغیر باپ کے حرامیو! مومنوں کو تکلیفیں دینے والو، ظالموں کی مدد کرنے والو، خدا تمہیں تباہ و برباد کرے۔ (جلاء العیون ص ۴۰۹) آمین ثم آمین۔

حضرت زینبؓ کی بد دعا

اے کوفی غدارو، مکارو۔ تم ہم پر روتے ہو۔ حالانکہ تمہارے ظلم سے ابھی ہماری آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوا۔ اور تمہارے ظلم سے آہ ختم نہیں ہوئی۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگہ کات کر توڑ دیتی ہے۔ تم نے بھی ایمانی رشتہ توڑ دیا۔ اور کفر کی طرف پلٹ گئے .... آیا تم ہم پر ماتم کرتے ہو؟ جبکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے۔ اور ہمارے غم میں روتے ہو۔ اللہ کی قسم یہ ہو گا کہ بہت رو گے۔ اور تھوڑا ہنسو گے۔ عیب اور ذلت کو تم نے اپنے لیئے خرید لیا۔ یہ ذلت کا داغ کسی پانی (آنسوؤں) سے زائل نہ ہو گا۔

(جلاء العیون ص ۴۲۴)

جگر گوشۂ فاطمہؓ سیدہ زینب مظلومہ کی بددعا اور پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوتی آرہی ہے۔

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے فرمایا:۔

تم نے ہم کو ایسے شہید کیا اور مال و متاع لوٹ کر ہم کو قید کیا جیسے کل میرے دادا علیؓ کو تم نے شہید کیا۔ ہمیشہ سے تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے۔۔ ۔۔ ۔۔ جلدی تم اپنے بدلہ کو پہنچو گے۔ تم پہ ہلاکت ہو، منتظر رہو کہ خدا کے پے در پے عذاب اور لعنت تم پر برسے گی۔ آسمانی عذاب تمہارا استیصال کریں گے۔ دنیا میں اپنے کرتوتوں سے تم اپنی ہی تلواریں اپنے اوپر چلاؤ گے۔ اور آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہو گے۔ (جلاء العیون ص ۴۲۵)

الحمد للہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ النساءؓ روتے ہوئے کجاوہ سے ندا دی کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا حال ہو۔ تمہارے منہ برے ہوں، تم نے کیوں میرے بھائی حسینؓ کو بلایا پھر اس کی مدد نہ کی۔ اسے قتل کر دیا۔ ان کے مال کو لوٹ لیا۔ اور پردہ دار حرموں کو قید کر دیا۔ تمہارے اوپر لعنت ہو۔ تمہارے چہروں پہ پھٹکار ہو۔ (جلاء العیون ص ۴۲۶)

اس پر اہل کوفہ نے ہائے ہائے کر کے (مزید) رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ حسرت کی مٹی سر میں ڈالتے۔ اور اپنا منہ نوچتے۔ اور طمانچے منہ پہ مارتے۔ اور واویلا اور ہائے تباہی کہتے۔ اتنا روتے تھے کہ کسی آنکھ نے اتنا بڑا ماتم نہ دیکھا تھا۔ اس منظر پہ مشتعل ہو کر حضرت زین العابدینؒ نے لوگوں کو خاموش کرایا۔ اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

اے لوگو! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھے۔ اس کو دھوکہ دیا۔ بڑے عہد و پیمان لکھے۔ ان کے ساتھ بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی۔ (ایضاً ص ۴۲۶)

ام کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا۔ اے کوفیو! تمہارے مرد ہم کو قتل کرتے ہیں۔ اور عورتیں

تمہاری ہم پر روتی ہیں۔ خدا قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

(جلاء العیون ص ۴۲۸ - تحفہ امامیہ ص ۱۰۸)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ قافلہ اہل بیت کے مذکورہ بیانات سے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ شیعہ ہی قاتل۔ غدّار۔ مکار اور لٹیرے ہیں۔

مگر پندرھویں صدی کے وزیر آبادی فاضل کہتے ہیں کہ شیعہ "خیر البریہ" ہیں۔

حق و باطل کا فیصلہ کرنا قارئین کرام پر لازم ہے۔ چاہیے قافلہ اہل بیت کو سچا تسلیم کر لیں یا جناب خادم حسین بخاری وزیر آبادی کے اس اعزاز کو صحیح مان لیں جو انہوں نے قاتلین اہل بیت کو ان کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے سچ فرمایا ہے:

شیعہ اُولیٰ ما ایم – اصلی شیعہ ہم ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل سنّت ہی اہل بیت کے سچے محب ہیں۔ شیعہ ضالہ فرقہ کی طرح نہیں جنہوں نے ان کے قاتلین کو خیر البریہ کہہ کر اہل بیت سے انتہائی بغض اور دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ جناب علاّمہ وحید الزماں کا اپنے آپ کو شیعہ علیؓ کہلانا بھی اسی معنی میں ہے کہ وہ اہل بیت کے سچے محب ہیں اور تمام اہل سنّت کا تو یہ کھلا عقیدہ ہے کہ اہل بیت سے عقیدت و محبت جزوِ ایمان ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت مولانا وحید الزماں کے بیان سے شیعہ مذہب کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلک اہل سنّت ہی کی تائید ہوتی ہے۔

لفظ اہل حدیث اور قرآن شیعہ فاضل نے بڑے فخریہ انداز میں لکھا ہے کہ شیعہ کا لفظ قرآن میں موجود ہے۔ اور اہل حدیث کا لفظ قرآن میں نہیں ہے۔ ہمیں شیعہ

فاضل کی بات سے اتفاق ہے کہ واقعی لفظ اہل حدیث قرآن میں نہیں ہے۔ مگر شیعہ کے لفظ کو قرآن نے جن معانی کے لیئے استعمال کیا ہے۔ اس پر شیعہ فاضل اور اس کے رافضی بھائی اگر فخر کرتے ہیں تو ان کا فخر بجا ہے۔ آخر فخر اور خوشی کا اظہار کیوں نہ کریں۔ جب کہ ربِ ذوالجلال نے اپنے کلامِ پاک میں ایسی شہادت دے دی ہے۔ جو قیامت تک قائم رہے گی قرآن کی شہادت کے مطابق شیعہ کافر، مشرک، فتنہ باز، یہودی، عیسائی، سرکش، شیطان صفت اور فرعون ہیں اور یہ بات ہم شیعہ مفسّرین کے کلام سے بھی ثابت کر چکے ہیں۔ اور لفظ اہل حدیث اگر قرآن میں نہیں ہے تو کوئی فکر والی بات نہیں ہے کیونکہ قرآن نے ہمارے متعلق وہ شہادت نہیں دی جو آپ کے بارے میں دی ہے۔

حرمتِ متعہ نصوصِ قرآن سے

اسلام میں نفسانی خواہش کی تکمیل کے دو ہی طریقے روا ہیں۔ اپنی منکوحہ بیوی اور مملوکہ کنیز۔ اس کے علاوہ اور سارے طریقے شریعت نے حرام کر دیئے ہیں۔

اہلِ تشیع متعہ کو مُباح سمجھتے ہیں۔ نہ صرف مباح بلکہ اس کے فضائل بیان کرنے میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔

قرآن حکیم کے منطوق، مدلول اور مفہوم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو رہی ہے۔ کہ متعہ قطعاً حرام ہے۔ اس موضوع پر ایک آیت نہیں بلکہ کئی آیات ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

۱۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۔ (سورۃ مومنون پ ۱۸)

وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمین میں ہوں ۔ کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں ۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں ۔ وہی زیادتی کرنے والے ہیں ۔

اس آیت کے آخری فقرے نے مذکورہ بالا دونوں صورتوں یعنی منکوحہ اور مملوکہ کے سوا خواہشِ نفس پوری کرنے کی تمام صورتوں کو حرام کر دیا ہے ۔ خواہ وہ زنا ہو یا عمل قومِ لُوط یا وطی بہائم یا کچھ اور ۔ ممنوعہ عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے اور نہ لونڈی کے حکم میں ۔ لونڈی تو ظاہر ہے کہ نہیں ۔ اور بیوی اس لیے نہیں ہے کہ زوجیت کے لیے جتنے قانونی احکام ہیں ۔ ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا ۔ نہ وہ مرد کی وارث ہوتی ہے ۔ نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے ۔ نہ اس کے لیے عدت ہے ۔ نہ طلاق ، نہ نفقہ ، نہ ایلاء نہ ظہار اور لعان وغیرہ ۔ بلکہ مقررہ چار بیویوں کی مقدار سے بھی وہ مستثنیٰ ہے ۔ پس جب وہ بیوی اور لونڈی دونوں کی تعریف میں نہیں آتی تو لامحالہ وہ ان کے علاوہ "کچھ اور" میں شمار ہو گی جس کے طالب کو قرآن "حد سے گزرنے والا" قرار دیتا ہے ۔

علماءِ شیعہ بھی خود معترف ہیں کہ ممنوعہ عورت زوجیت میں داخل نہیں ۔ چنانچہ کتاب "اعتقادات ابن بابویہ" میں تصریح ہے :

باب انّ المرأۃ عندنا اربعۃ (۱) النکاح (۲) ملک الیمین (۳) والمتعۃ (۴) والتحلیل وقد روی ابوبصیر فی الصحیح عن ابی عبداللہ الصادق (الامام جعفر الصادق) انہ سُئل

عن المتعۃ أھی من الاربعۃ - قال: لا ۔

ہمارے ہاں عورت کے حلال ہونے کے چار اسباب ہیں۔

۱۔ نکاح ۲۔ ملک یمین ۳۔ متعہ ۴۔ حلالہ

اور ابو بصیر نے اپنی صحیح میں امام جعفر صادقؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا، متعہ ان چار اسباب میں سے ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا، نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(السوال الثالث) ھذہ الآیۃ تدل علی تحریم المتعۃ علی ما یروی عن القاسم بن محمد۔

(تفسیر کبیر ص ۲۱۴ : ج ۶)

(تیسرا سوال) قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق یہ آیت تحریم متعہ کی دلیل ہے۔

(الجواب) نعم تقریرہ انھا لیست زوجۃ لہ فوجب ان لا تحل لہ وانما قلنا انھا لیست زوجۃ لہ لانھما لا یتوارثان بالاجماع ولو کانت زوجۃ لہ لحصلت التوارث لقولہ تعالیٰ ولکم نصف ما ترک ازواجکم واذا ثبت انھا لیست بزوجۃ لہ وجب ان لا تحل لہ لقولہ تعالیٰ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ ۔ (جواب) ہاں یہ آیت حرمت متعہ پر دلالت

کرتی ہے۔ تقریر استدلال یہ ہے کہ ممتوعہ عورت بیوی کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا متعہ کرنے والے کے لیئے وہ حلال نہیں ہوسکتی۔ یہ جو ہم نے کہا ہے وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام امّت (شیعہ۔سُنّی) کا اجماع ہے کہ یہ دونوں آپس میں ایک دُوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ اگر ممتوعہ عورت اس کی بیوی کے حکم میں ہوتی تو ضرور وارث بنتی۔ کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے۔ اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو، اس کا آدھا تمہیں ملے گا۔

اور جب یہ ثابت ہُوا کہ وہ بیوی کے حکم میں نہیں ہے تو پھر حلال بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور اُن عورتوں کے جو اُن کے ملکِ یمین میں ہوں کوئی عورت حلال نہیں ہوسکتی۔

حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ صاحب لکھتے ہیں:۔

وقد دلت الاٰیۃ علیٰ تحریم المتعۃ وعن القاسم بن محمّد انہ سئل عن المتعۃ فقال انی لاریٰ تحریمھا فی القراٰن ثم تلا ھٰذہ الاٰیۃ

(فتح البیان ص ۲۲۱، ج ۶)

اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور قاسم بن محمّد سے متعہ کے متعلّق سوال ہُوا۔ تو فرمایا، اس کی حرمت خود قرآن میں موجود ہے پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

وھذا یقتضی تحریم نکاح المتعۃ لان المتمتع بھا لا تجری مجری الزوجات لا ترث ولا تورث ولا یلحق بہ ولدھا ولا یخرج من نکاحھا بطلاق یستانف لھا وانّما یخرج بانقضاء المدّۃ الّتی عقدت علیھا و صارت کالمستاجرۃ ۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۶ : ج ۱۲)

یہ آیت حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ممتوعہ عورت زوجات کے حکم میں نہیں ہے۔ ممتوعہ عورت نہ خود کسی کی وارث ہوتی ہے، اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ اور نہ بچے کا الحاق متعہ کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ عورت طلاق کے ساتھ اس سے جدا نہیں ہوتی۔ بلکہ طے شدہ مدت ختم ہوتے ہی خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا یہ بیوی کے حکم میں نہیں ہے، بلکہ یہ ٹھیکہ کی چیز ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ اسی آیت کی بنا پر متعہ کو حرام قرار دیتی ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو۔

سئلت عائشۃ رضی اللہ عنھا عن متعۃ النساء فقالت بینی و بینھم کتاب اللہ عزوجل وقرأت ھذہ الآیۃ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ ۝ الخ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ مَا زَوَّجَہُ اللّٰہُ وَمَلَّکَہٗ فَقَدْ عَدَا ۔ (سنن بیہقی ص ۲۰۶ : ج ۷)

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے جب متعہ کے متعلق سوال ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میرے اور ان مجوّزین متعہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی فیصلہ کر دیتی ہے۔ پھر انہوں نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف بیوی اور لونڈی کو حلال قرار دیا ہے ان دونوں کے علاوہ جو کوئی تیسری صورت نکالے گا، وہ بلاشبہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

وفیہ دلیل تحریم المتعۃ (مدارک ص ۶۸ : ج ۲)

مذکورہ آیت حرمتِ متعہ کی دلیل ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

فقہاءِ اہل سنّت نے ان الفاظ سے متعہ کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیئے کہ نہ متعہ والی عورت ازواج کے حکم میں ہوتی ہے نہ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کے تحت ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ۔ (النسآء)

ان (محرمات) کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیئے حلال کر دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو۔ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔

صاف اور صریح طور پر یہ آیت بتا رہی ہے، کہ قرآن کے نزدیک متعہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ آیت محرمات کے ذکر کے بعد آئی ہے۔ اور اس میں بتایا ہے کہ ان محرمات کے سوا تمہارے لیئے عورتیں حلال کی گئی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ سوا ان محرمات کے جس کے ساتھ چاہیں جماع کریں۔ بلکہ دوسری عورتوں کے حلال ہونے کی چند شرائط ہیں۔ جو یہ ہیں :-

۱۔ یہ کہ بعوض مال ہو، جسے مہر کہتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ ان کو اپنی پابندی میں رکھیں تو ایک عورت کے لیئے ایک وقت میں ایک شوہر سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ یہ کہ صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو، بلکہ یہ منظور ہو کہ اولاد پیدا ہو۔ اور عورت سے خانہ داری کا انتظام ہو۔ اور معلوم ہے کہ متعہ کا مقصد صرف شہوت رانی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے ایک وقتی اور عارضی تعلق پیدا کر لیتا ہے تو یہ احصان نہیں بلکہ سفاح ہے۔ یہ محض پیشاب کرنے کے لیئے ایک پیشاب خانہ کی تلاش ہے جس سے مقصد محض وقتی طور پر مثانہ کا بوجھ ہلکا کرنا ہے۔ قرآن نے اس آیت میں یہ دو شرطیں محصنین اور غیر مسافحین لگا کر متعہ کے اس مکروہ رواج کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا۔ جو عرب جاہلیت میں رائج تھا۔ اور اسی آیت کے بعد والی آیت میں عورتوں کے بارے میں یہ کہہ کر مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ یعنی وہ عورتیں محصنہ ہوں، اور بدکار نہ ہوں۔ اور چوری چھپے یاری کرنیوالی نہ ہوں۔ عورتوں کے ساتھ ان چار شرائط کے ساتھ صحبت حلال ہوتی ہے۔

۳۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔ یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ (النساء)

یہ آیت بانگ دہل کہہ رہی ہے کہ نکاح چار تک محدود ہے۔ اور معلوم ہے کہ متعہ میں کوئی عدد[۱] مقرر نہیں ہوتا۔ متعہ والی عورت نہ منکوحہ ہے، نہ مملوکہ۔ قرآن نے اباحت کو ان دو ہی میں محدود کیا ہے۔ یعنی قرآن نے عورتوں کے حلال ہونے کی دو ہی صورتیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے ذریعہ حلال ہوں، دوسرے یہ کہ ملک یمین کے ذریعہ حلال ہوں۔ اور ان دونوں سے مقصود اولاد ہے۔ کیونکہ عورتوں کو "حرث" یعنی کھیتی کہا ہے۔ کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کھیت (بیوی) کی پیداوار اولاد ہے۔ اور متعہ کا مقصد اولاد نہیں۔ بلکہ وقتی طور پر شہوت رانی ہے۔ اگر شہوت رانی مقصد ہوتا تو اولاد کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا۔ اور اگر شہوت رانی

---

[۱] تہذیب الاحکام کتاب النکاح میں ہے۔ تزوج منھن الفًا فانھن مستاجرات چاہے ہزار سے متعہ کرے یہ تو بیشہ ور ہیں۔ مزدور ہیں۔ علامہ سید رشید رضا مرحوم لکھتے ہیں: وقد نقل عن الشیعة انفسهم انهم لو نونها احکام الزوجیة ولوازمها فلا یعدونها من الاربع اللواتی تحل للرجل ان یجمع بینهما مع عدم الخوف من الجور بل یجوزون للرجل ان یتمتع بالکثیر من النساء (المنار ص ۱۳ ج ۵)

ہی مقصد ہوتی تو عورت حاملہ من الغیر سے صحبت حرام نہ ہوتی۔ بہرحال نکاح ہو یا ملک یمین دونوں سے مقصود اولاد ہے، شہوت رانی مقصود نہیں۔ جیسے غذا کھانے سے بدن ما یتحلل مقصود ہوتا ہے۔ اور بھوک محض ایک تقاضے کے درجہ میں ہے۔ ایسے ہی عورتوں سے مقصود اولاد ہے۔ اور شہوت تقاضائے جماع کے لیئے ساتھ لگا دی گئی ہے۔ بہرحال متعہ والی عورت نہ مملوکہ ہے اور نہ منکوحہ، اور چونکہ دونوں میں سے کوئی نہیں۔ اس لیئے قرآن کے بتائے ہوئے ضابطہ حلت سے باہر ہے۔

۴۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ؕ (النور)

اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں، انہیں چاہیئے کہ عفت مآبی اختیار کریں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔

اگر متعہ جائز ہوتا تو ممکن ہوتا کہ کسی عورت کو ایک رات کا معمولی خرچ دیتے اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت حاصل کر لیتے۔ عفت بچانے میں تکلیف اور مشقت اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ نکاح کی شرائط سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نکاح کی طاقت نہ ہو تو ماسوا اس کے کہ تکلیف برداشت کرے۔ اور کوئی دوسری صورت عفت بچانے کی نہیں۔

یہاں وہ حدیث بھی ملاحظہ فرمالیں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ

بالصوم فانہ لہ وجاءٌ۔ (بخاری شریف ص ۲۵۵ : ج ۱)

نوجوانو! تم میں سے جو شادی کر سکتا ہو، اُسے کر لینی چاہیئے کیونکہ یہ نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور آدمی کی عفت قائم رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے آدمی کے جوشِ طبیعت کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مُتعہ حرام ہے۔ کیونکہ اگر حرام نہ ہوتا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوجوانوں کو روزہ رکھ کر جوشِ طبیعت کو ٹھنڈا رکھنے کی تلقین نہ فرماتے۔ کیونکہ اس جوشِ طبیعت کو ٹھنڈا رکھنے کا ایک سہل الحصول علاج (مُتعہ) ہر وقت موجود ہے۔ پھر روزہ رکھنے کی زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا متعہ کا حرام ہونا اظہر من الشمس ہے۔

ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثۃ حق علی اللہ عونہم الناکح یرید العفاف والمکاتب یرید الاداء والغازی فی سبیل اللہ (ترمذی ص ۱۹۹ : ج ۱)

تین آدمی ہیں کہ جن کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک وہ شخص جو پاک دامن رہنے کے لیئے نکاح کرے۔ دوسرے وہ مکاتب جو مال کتابت ادا کرنے کی نیت رکھے۔ تیسرے وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیئے نکلے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ متعہ شریعتِ اسلامیہ میں حرام ہے ورنہ پاک دامنی کو بچانے کے لیئے نکاح کی کیا ضرورت تھی؟

۵۔ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (نساء)

یعنی مومن لونڈیوں سے نکاح کرو۔ اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں نہ وہ علانیہ زنا کرنے والی اور نہ خفیہ طریقہ پر آشنا رکھنے والی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ اگر آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ ہو تو لونڈی کے ساتھ نکاح کرو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ متعہ جائز نہیں۔ اس لیئے کہ اگر متعہ جائز ہوتا تو آزاد عورت کے ساتھ نکاح کے عدم استطاعت کی صورت میں کسی شخص کے لیئے آسان ترین صورت متعہ کرنے کی تھی کہ اس میں جنسی خواہش بھی پوری ہو جاتی۔ اور مالی بوجھ بھی نکاح کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔

نیز آیت میں مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کے ساتھ لونڈیوں کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اور متعہ کی صورت میں سفاح ہی سفاح ہوتا ہے کہ ایک عورت قلیل مدت میں متعدد اشخاص کے استعمال میں آتی ہے۔ اور چونکہ بچہ کسی کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ اس لیئے تناسل کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور سب کی قوت صرف شہوت رانی میں ضائع چلی جاتی ہے۔

شیعہ فاضل کا اعتراض ہم نے حرمت متعہ میں مضبوط دلائل سے ثابت کیا تھا کہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ ..... الخ سے اولاً تو نکاح متعہ مراد ہی نہیں ہے۔ بلکہ نکاح شرعی دائمی مراد ہے۔ اگر بعض مفسرین کے قول کے مطابق مان ہی لیا جائے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی تو پھر یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فتح مکہ میں تاقیامت حرام کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن مفسرین نے اس آیت سے نکاح

مُتعہ مُراد لیا ہے۔ وہ تمام اس کی منسوخیت کے بھی قائل ہیں۔ اس پہ جناب خادم صاحب بخاری کا اعتراض ملاحظہ ہو:۔ فرماتے ہیں۔

ہماری گفتگو اہل حدیث فاضل کے اس استدلال پر ہو گی کہ یہ آیت منسوخ ہے مشکل یہ ہے کہ اس آیت کو منسوخ کہنے والے حضرات ناسخ آیت کا تعیّن کرنے میں متفق نہیں ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُم کی ناسخ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ کی آیت ہے۔

۲۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُم کی ناسخ آیتِ میراث ہے۔

۳۔ امام قُرطبیؒ فرماتے ہیں۔ صحابہؓ، تابعینؒ، اور تمام علماء و فقہاء اور سلف صالحین کے اتفاق سے یہ آیت منسوخ ہے۔

۴۔ امام بیضاویؒ کا اِرشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔ اہل حدیث فاضل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ متعہ کی حرمت اختلافی دلائل سے ثابِت نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے محکم اور قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ اختلاف کے پلندہ کو دلیلِ قطعی نہیں مانا جا سکتا۔ (جوازِ متعہ ص ۲۱، ۲۲)

شیعہ فاضل کو جو یہاں مشکِل پیش آئی ہے، اس کی وجہ غالباً یہی معلوم ہوتی ہے کہ موصوف نسخ کا یہاں اصطلاحی معنیٰ مراد لے رہے ہیں۔ تب ہی مشکِل میں پھنس کہ چار متعارض اقوال گن رہے ہیں۔ حالانکہ یہاں نسخ کا معنیٰ نفی کرنا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ اُمّ المؤمنون کی جس آیت کو ناسخ بتلا رہی ہیں۔ اس سے

متعہ کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ دو ہی قسم کی عورتیں اللہ نے حلال کی ہیں اور ممتوعہ عورت ان دونوں میں شمار نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہوگئی۔ اور اسی حرمت یا نفی کو حضرت صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے منسوخ سے تعبیر کر دیا ہے۔ اور پھر چونکہ ممتوعہ عورت کے لیے میراث نہیں ہے اس لیے یوں کہنا بھی صحیح ہے کہ آیت میراث نے متعہ کو منسوخ کیا ہے۔ یعنی اس کی نفی کی ہے۔ تب ہی تو وہ میراث سے محروم ہے۔ تو یہاں متعہ کی نفی میراث کی حیثیت سے ہے۔ اور قول صدیقہ رضی اللہ عنہا میں متعہ کی نفی یا حرمت اس لیے ہے کہ ممتوعہ عورت، منکوحہ بیوی اور مِلکِ یمین دونوں کی تعریف میں نہیں آتی۔

اسی طرح امام بیضاوی کے قول میں بھی منسوخ کا معنی نفی یا حرمت ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کلام اللہ میں متعہ کی نفی یا حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح کلام رسول میں بھی متعہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان مذکورہ تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہ رہا۔ شیعہ فاضل کو اگر ان اقوال میں کوئی تعارض یا تناقض نظر آتا ہے تو یہ ان کی کم عقلی اور کم علمی کی دلیل ہے۔

باقی رہا امام قرطبی کا قول کہ "صحابہ، تابعین اور تمام علماء و فقہاء اور سلف صالحین کے اتفاق سے مذکورہ آیت (فما استمتعتم) منسوخ ہے۔" تو اس کو مذکورہ اقوال میں شامل کر کے چار اقوال بنانا ہی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آیت فما استمتعتم کو امت کے اتفاق نے منسوخ کیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آیت کے منسوخ ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔ منسوخ کرنے پر نہیں کیونکہ کسی آیت یا حکم کو منسوخ کرنا صحابہ، تابعین اور علماء امت کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ

کام خاص اللہ کا ہے کہ کسی آیت یا حکم کو ثابت رکھے یا موقوف کر دے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ شراب، جُوا، چوری، زِنا، سُود حرام ہے۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہوگا کہ اُمت کے اتفاق نے ان مذکورہ اُمور کو حرام کیا ہے۔ اور اتفاقِ اُمت خود ایک ناسخ امر ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان امور کا حرام ہونا خود اللہ کے کلام سے ثابت ہے تو پھر ہمارے خادم بخاری صاحب جیسا کوئی مخبوط الحواس ہی یہ معنی کشید کرے گا کہ اُمت کے اتفاق نے ان مذکورہ اُمور کو حرام کیا ہے۔ ورنہ جس کے حواس قائم ہوں، اور وہ علم کی بھی کچھ سُدھ بُدھ رکھتا ہو تو وہ دلیل حرمت اور اتفاقِ علی الحرمت میں ضرور فرق کرے گا۔

بہرحال یہاں اصل میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ بھانت بھانت کی بولیاں ہیں جیسا کہ خادم صاحب کا زعم فاسد ہے۔ ہاں البتہ خود شیعہ مذہب اوّل تا آخر اختلافات کا پلندہ اور بھانت بھانت کی بولیاں ضرور ہے۔

شیعہ مذہب اختلافات کا پلندہ ہے جناب خادم حسین صاحب بخاری لکھتے ہیں جس روایت سے ہم شیعہ اباحتِ متعہ پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اس روایت میں صحابہ کرامؓ نے **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ** کی آیت پڑھ کر متعہ کا حلال ہونا ثابت کیا ہے۔ (جوازِ متعہ ص ۴۹)

اس عبارت میں شیعہ دوست دراصل بتانا یہ چاہتے ہیں کہ متعہ کی حلت کے لیے مذکورہ آیت نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے بارے میں شیعہ مفسرین کی آراء بھی ملاحظہ فرمالی جائیں۔ تاکہ خادم صاحب کی غلط فہمی دُور ہو جائے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ:-

نزلت هذه الاٰیة فی

امیرالمومنین علیہ السلام و بلالؓ و عثمانؓ بن مظعون فاما امیرالمومنین فحلف ان لاینام باللیل ابدا واما بلالؓ فانہ حلف ان لا یفطر بالنہار ابدًا واما عثمانؓ بن مظعون فانہ حلف ان لا ینکح ابدًا۔ (تفسیر قمی ص ۱۷۹، ج ۱)

مذکورہ آیت حضرت علی، حضرت بلال اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ حلف اٹھائی کہ وہ آئندہ کبھی بھی رات کو نہیں سوئیں گے۔ حضرت بلالؓ نے دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے کی قسم اٹھائی۔ اور حضرت عثمانؓ بن مظعون نے نکاح نہ کرنے کی حلف اٹھائی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان تینوں کو اس عزم سے منع فرمایا۔ اور کہا جو کوئی میری سنت سے اعراض کرے گا۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ اس موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

۲۔ شیعہ کی مشہور تفسیر صافی (ص ۴۸۲ : ج ۱) میں ہے۔

وفی الاحتجاج عن الحسنؓ بن علیؓ فی حدیث انہ قال لمعاویة واصحابہ انشدکم باللہ اتعلمون ان علیا اول من حرم الشہوات علی نفسہ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فانزل اللہ ، یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرموا...... الخ

احتجاج طبرسی میں حضرت حسنؓ بن علیؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہا۔ بخدا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ اصحاب رسولؐ میں سے صرف حضرت علیؓ ہی وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر شہوات کی چیزیں حرام کر لی تھیں جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

۳۔ شیعہ کی معروف تفسیر مجمع البیان للطبرسی (ص ۲۳۵ : ج ۲) میں ہے:

حضرت عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں دس صحابہ کرام جمع ہوئے جنہوں نے بعض چیزوں کے کرنے اور بعض چیزوں کے چھوڑنے کا عہد کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں منع کیا۔ جس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ جب میں گوشت کھا لیتا ہوں تو مجھ پر شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کھانا حرام کر لیا ہے تو یہ آیت "یاایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا ..... الخ" نازل ہوئی۔ (المیزان فی تفسیر القرآن ص ۱۱۴ : ج ۶)

۵۔ علامہ سید محمد حسین الطباطبائی نے ایک اور واقعہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ہاں کچھ مہمان آ گئے۔ اور یہ خود اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ کافی دیر کے بعد جب واپس آئے تو پتہ چلا کہ ابھی تک مہمانوں نے کھانا نہیں کھایا۔ بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا

اور کہا کہ یہ کھانا مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ ان کی بیوی صاحبہ اور مہمانوں نے کہہ دیا کہ یہ کھانا ہمارے اوپر بھی حرام ہے جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے یہ معاملہ دیکھا تو کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ پھر اپنا یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

(المیزان فی تفسیر القرآن ص ۱۱۵ ، ج ٦)

یہ تمام اہل تشیع کے مختلف پانچ اقوال جو ایک ہی آیت کے شانِ نزول میں بیان کیئے گئے ہیں۔ اب ہم جناب خادم حسین صاحب بخاری سے پوچھتے ہیں کہ آیت فما استمتعتم کو منسوخ کہنے والے اگر علماء اہل سنّت ناسخ آیت کا تعین کرنے میں متفق نہیں ہیں اور ان کے اقوال آپس میں متعارض ہیں۔ تو آپ کے علماء آیتِ مذکورہ کے شانِ نزول کے تعین میں متفق ہیں۔ کیا آپ کے علماء کی یہ بھانت بھانت کی بولیاں نہیں ہیں۔ اگر یہ سارے اقوال درست ہیں۔ تو آپ کے اس قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ :

ہم شیعہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیان کردہ جس روایت سے اباحت متعہ پر دلیل قائم کرتے ہیں، اس روایت میں صحابہ کرامؓ نے سورۃ مائدہ کی مذکورہ آیت پڑھ کر متعہ کا حلال ہونا ثابت کیا ہے۔ (جواز متعہ ص ۴۹)

اگر یہ آیت متعہ کی حلت کے لیئے نص حتمی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شیعہ مفسرین نے اس کا ذکر نہیں کیا؟ شیعہ مفسرین کا اس آیت سے حلتِ متعہ کے لیئے استدلال نہ کرنا خود اس بات کی بین دلیل ہے کہ متعہ کی اباحت کا اس آیت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

لہٰذا یہاں شیعہ فاضل کی یہ بحث بھی محض بیکار ہو گئی کہ مذکورہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے جو بلحاظ

نزولِ قرآن کی سب سے آخری سُورہ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس آیت سے تنسیخِ متعہ پر استدلال فرما رہی ہیں وہ سورۃ مومنون کی آیت ہے۔ جو سورۃ مائدہ سے مدتوں قبل نازل ہو چکی تھی۔ اور یہ قطعی ناممکن ہے کہ منسوخ آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ناسخ آیت نازل کر دی ہو۔ کیونکہ جب سورہ مائدہ کی آیت سے متعہ مُراد ہی نہیں ہے تو مذکورہ بات بھی بالکل غلط ہو گئی۔

۲۔ اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر کے بیعتِ خلافت کر لی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی نے کیا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بھائی امام میں ہوں۔ چپ رہیں ورنہ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت شیعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نام بہت کم لیتے ہیں۔ ان سے ناراض ہیں۔ ان کے نام کی مجلسِ ماتم، عزاداری، کارناموں اور قربانیوں کی تشہیر وغیرہ شیعہ سے ہم نے نہیں سُنی حتیٰ کہ شیعہ کے سب سے بڑے مؤلف کلینی نے کافی کے باب الزیارات میں حضرت کے جنت البقیع میں قبر اور ان پر صلوٰۃ و سلام کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

ہم جناب شیعہ فاضل سے پوچھتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی نظریہ اور عمل کے اس اختلاف میں حق پر ہیں۔ یا ناحق پر ؟ یا ایک حق پر اور دوسرا باطل پر ؟ اگر اختلاف کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعید بن جبیر کے اقوال غلط ہیں تو پھر یہاں دونوں بھائیوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی۔ جبکہ اہلِ تشیع کے نزدیک دونوں اللہ کی طرف سے امام اور معصوم

عن الخطاء ہیں۔ اُمید ہے شیعہ فاضل اس کا کوئی معقول جواب دیں گے۔

۳۔ حضرت علیؓ نے اہلِ شام پر لشکر کشی کی اور صفین کے مقام پر خوفناک جنگ لڑی۔ اور مسلمانوں کی خونریزی کو جائز سمجھا۔ نورِ نظر و فرزندِ اکبر سیدنا حسنؓ کے روکنے پر بھی نہ رُکے۔ لیکن زمامِ امامت جب حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے برضا و رغبت حضرت معاویہؓ سے صلح کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے لشکر کی ناراضگی، طعنہ بازی اور قاتلانہ حملے کے چرکے بھی سہے۔ لیکن اُمت کی خونریزی سے بچنے کی خاطر یہ عظیم کام کیا مسلمانوں کی خونریزی پر دلدادہ شیعوں کی طعنہ بازی کے جواب میں کیا خوب ارشاد فرمایا۔ "غرض من اطاعتِ امرِ حق تعالیٰ است۔ بہ حفظِ خونہائے مسلمانان پس راضی باشید بقضائے خدا (جلاء العیون ص ۲۶۳)

اس صلح و بیعت سے میری غرض حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔"

اب جناب خادم حسین بخاری ہی انصاف سے بتائیں کہ اس کلی تضاد پر پدر و پسر کے اختلافِ عمل میں کون حق پر تھا۔ اور کون باطل پر؟ کیا زمانہ حسنؓ میں حضرت معاویہؓ اور دیگر مسلمان زیادہ نیک ہو گئے تھے۔ یا عہدِ مرتضویؓ میں خدا نے مسلمانوں کی خونریزی جائز کی اور اب منسوخ ہو گئی؟ پھر ہمارے مسئلہ میں اگر ناسخ کی تعین میں اختلاف ہے تو یہاں بھی حق و باطل کی تعین میں اختلاف ہے۔ اس میں آپ وہ رائے قائم کیوں نہیں کرتے جو رائے آپ نے مسئلہ زیرِ بحث میں ناسخ کی تعین کے

سلسلہ میں کی ہے۔

۴۔ حضرت حسینؓ نے اس بے نظیر حسنی سنّت کے برعکس پھر علمِ جنگ بلند کیا شیعہ روافض کے نزدیک حضرت معاویہ و یزید میں چنداں فرق نہیں۔ پھر دونوں بھائیوں کے عمل کا یہ تضاد کیوں ہے۔ کیا یہاں کسی ایک کو غلط کار کہا جائے گا یا نہ؟ اُمید ہے ہمارے شیعہ فاضل یہاں خاطی اور صائب کی تعین ضرور فرمائیں گے۔

۵۔ عام شیعی پروپیگنڈہ کی روشنی میں حضرت حسینؓ نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ مگر یزید کے آگے نہیں جھکے۔ آپ کے جانشین بالغ حضرت زین العابدینؒ نہ صرف یہ کہ والد کے ساتھ شریکِ جنگ ہو کر شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ دمشق میں شاہی دسترخوان پر ۱۵ دن تک یزید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ تاریخ سے نفرت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بالآخر آسمان و زمین نے وہ دن بھی دیکھا کہ آپ نے موافقت کر کے اپنے والد ماجد کے عمل کو منسوخ کر دکھایا۔ حادثہ حرہ میں یزید کے خلاف تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ یزید نے بھی لشکر کو خصوصی تاکید کی تھی کہ زین العابدین میرا وفادار رہے۔ اس کی حفاظت کرنا۔

(تاریخ اسلام نجیب آباد)

شیعہ مؤلف بھی یہ حقیقت یوں مسخ کر کے یوں پیش کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قد اقررت لك ما سألت انا عبد مكره فان شئت فامسك وان شئت فبع (روضۃ الکافی ص ۲۳۵)

جو کچھ تو نے (بیعت کا) مطالبہ کیا، میں نے مان لیا۔ میں آپ کا مجبور غلام ہوں آپ چاہیں تو اپنے پاس رکھیں۔ چاہیں تو بیچ ڈالیں۔

حالانکہ واضح ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق باپ بیٹے کا یہ متضاد طرزِ عمل ایک کو یقیناً خطاکار کیا جناب خادم حسین صاحب بخاری اس کی تعیین فرمائیں گے۔

۶۔ اصولِ کافی کتاب الحجۃ کے ابواب التاریخ کے باب مولد النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں محمد بن سنان سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفر ثانی (محمد بن علی تقی) سے حلال وحرام کے بارے میں شیعوں کے باہمی اختلافات کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے ؟ تو آپ نے فرمایا اے محمدؐ : اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد رہا۔ پھر اس نے محمدؐ اور علیؓ اور فاطمہؓ کو پیدا کیا۔ پھر اس مخلوق کی تخلیق پہ ان کو شاہد بنایا۔ اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ان تمام مخلوقات پہ فرض کی اور ان کے تمام معاملات ان کے سپرد کر دیئے تو یہ حضرات جس چیز کو چاہتے ہیں، حلال کر دیتے ہیں۔ اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قزوینی نے اس حدیث کی شرح میں تصریح کی ہے۔ کہ یہاں محمدؐ، علیؓ اور فاطمہؓ سے مراد یہ تینوں حضرات اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تمام ائمہ ہیں۔ (الصافی شرح اصولِ کافی جزء سوم، حصہ دوم ص ۱۴۹)

بہر حال امام ابو جعفر ثانی محمد بن علی تقی (جو نویں امام ہیں) ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ کو چونکہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں تو اس اختیار کے ماتحت کسی چیز یا کسی عمل کو ایک امام نے حلال قرار دیا۔ اور دوسرے نے حرام قرار دے دیا۔ تو اس وجہ سے ہمارے شیعوں کے درمیان چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

سبحان اللہ ! تمام اماموں کو کس قدر اختیار دے دیا گیا کہ وہ کسی چیز کو حرام یا حلال بھی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ خالص اللہ یا اس کے رسولؐ کا کام ہے۔

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ہم شیعہ فاضل سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ائمہ شیعہ کی بھانت بھانت کی بولیاں نہیں ہیں۔ کیا اس سے شیعہ مذہب کا بطلان ثابت نہیں ہوتا؟ آپ ہی ذرا انصاف سے بتائیں۔ پھر آپ کی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ کسی چیز کی حلّت یا حرمت اختلافی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے کسی محکم اور قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عند الفقہاء حرام کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ

الحرام ما یثبت بدلیل قطعی

یعنی حرام اسے کہا جاتا ہے جس کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔

شیعہ ائمہ کے اختلافات کے پلندہ کو دلیل قطعی نہیں مانا جا سکتا۔ علماءِ اُمت نے بھی ایسے ہی اختلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اذا جاء الاختلاف بطل الاستدلال

جب کسی امرِ شریعت میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔

اندریں صورت شیعہ فاضل خود ہی فرمائیں کہ شیعہ مذہب کی شرعی حیثیت کیا رہی جو کہ اوّل سے آخر تک تمام ائمہ کے اختلافات کا پلندہ ہے۔ فافهم وتدبّر

حرام اور منسوخ میں فرق

ہم نے لکھا تھا کہ متعہ منسوخ اور تا قیامت حرام ہے۔ چنانچہ اس پر جناب

خادم بخاری صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
شیخ الحدیث صاحب کو شاید یہ بھی علم نہیں کہ منسوخ اور حرام میں کیا فرق ہے؟
چنانچہ آپ منسوخ اور حرام کو ہم معنی سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔
"متعہ منسوخ اور تا قیامت حرام ہے۔" (جواز متعہ ص ۲۲)

شیعہ فاضل کی جہالت کا اندازہ اس امر سے ہی لگ جاتا ہے کہ وہ منسوخ اور حرام میں نسبت تباین سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان میں نسبت تباین نہیں ہے۔ بلکہ عموم و خصوص مطلق کی ہے۔

پھر سب ہی جانتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں قبلہ بیت المقدس تھا۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ اور بیت اللہ شریف ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا قبلہ مقرر ہو گیا۔ تو اب یہ کہنا کسی لحاظ سے بھی غلط نہیں ہے کہ قبلہ اوّل منسوخ۔ اور اب اس کی طرف قبلہ سمجھ کر رخ کرنا حرام ہے۔ یہاں منسوخ اور حرام میں کوئی منافات نہیں ہے۔

تمام مسلمانوں کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ شراب حرام ہے۔ مگر یہ شروع اسلام میں مباح تھی۔ پھر اس کی اباحت منسوخ ہو گئی۔ اور تا قیامت اس کو حرام قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ:
شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے صحابہ کرامؓ کی دعوت کر رکھی تھی جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا۔ جب یہ سب حضرات کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ کو امام بنا دیا گیا۔ ان سے نماز میں قل یاایھا الکافرون کی تلاوت میں بوجہ نشہ سخت غلطی ہو گئی۔ اس پر سورۃ النساء کی یہ آیت

نازل ہوئی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی۔ (ترمذی ص)

اس میں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ نماز کے وقت نماز کا ارادہ کرنا تو فرض ہے۔ اوقاتِ نماز میں شراب استعمال نہ کی جائے۔ پھر بعد میں سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰-۹۱ نازل ہوئی جس میں شراب کے ناپاک اور حرام ہونے کا قطعی ذکر آگیا۔ اور ہر حال میں شراب پینا حرام ہو گیا۔ اب یہاں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح متعہ کی حلت منسوخ اور زنا قیامت حرام ہے۔ اسی طرح شراب کی حلت بھی منسوخ اور زنا قیامت حرام ہے۔ اگر شیعہ فاضل کے نزدیک متعہ کے مسئلہ میں منسوخ اور حرام دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے تو پھر یہ لازماً کہنا پڑے گا کہ شراب منسوخ نہیں ہے یا پھر حرام نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ مذہب میں یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا شیعہ فاضل کا اعتراض لغو اور مردود ہو گیا۔

پھر جس بات پر شیعہ فاضل نے اعتراض کیا ہے۔ یہ بات ہم نے از خود نہیں کہی بلکہ امام قرطبی کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ جو ہماری اسی کتاب حرمتِ متعہ کے ص ۴۲ پر موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:-

ان هذه الآية منسوخة وان المتعة حرام

یہ آیت منسوخ ہے۔ اور متعہ حرام ہے۔

لیکن جناب خادم حسین صاحب نے امام قرطبی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے متعلق ایسی رائے زنی آسمان کی طرف تھوکنے کے مترادف ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ نکلا کہ منسوخ اور حرام میں نہ نسبت تباین ہے۔ اور نہ توافق

کی بلکہ ان میں نسبت من وجہ کی ہے۔ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حرام بھی ہیں اور منسوخ بھی۔ جیسے شراب حرام بھی ہے اور منسوخ بھی۔ اور قبلہ اوّل منسوخ بھی ہے۔ اور اب اس کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف رُخ کرنا حرام ہے۔ اُمید ہے ہمارے شیعہ فاضل کی تسلی ہو گئی ہوگی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال پر اعتراض

جناب شیعہ فاضل لکھتے ہیں :۔

اگر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ سے مُراد دائمی نکاح ہے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ سے فما استمتعتم کی آیت منسوخ ہو چکی ہے تو کیا والذین ھم لفروجھم کی آیت نے بقول صدیقہ رضی اللہ عنہا نکاح دائمی کو منسوخ کر ڈالا ہے؟ (جواز متعہ ص ۲۳)

شیعہ فاضل کا یہ اعتراض بھی لغو ہے۔ کیونکہ ہم نے صراحت سے لکھا تھا کہ آیت زیر بحث کی تفسیر میں اہل سنت ائمہ مفسّرین کے دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آیت سے دائمی شرعی نکاح مُراد ہے۔ اس قول کے مطابق آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔

دُوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نکاح متعہ مراد ہے۔ اور جن مفسّرین نے یہ دُوسرا قول اختیار کیا ہے۔ انہوں نے آیت زیر بحث کو منسوخ بھی کہا ہے۔ اسی دوسرے قول پر ہی حضرت عائشہ صدیقہ کا آیت والذین ہم لفروجہم حافظون ...... الخ کو ناسخ کہنا محمول ہے۔ اس تشریح کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح دائمی کو منسوخ کہنا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا شیعہ دوست کا اعتراض غلط ہوگیا۔ اور پھر حضرت

عائشہ صدیقہؓ کو متعہ کی اباحت کے قائلین کی فہرست میں شمار کرنا خود اپنی تکذیب کرنا ہے کیونکہ موصوف نے جواز متعہ ص ۳۶ میں حضرت ام المومنینؓ کو متعہ کی حرمت کے قائلین میں شمار کیا ہے۔ سچ ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد

حرمتِ متعہ احادیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے

حرمتِ متعہ کے سلسلہ میں قرآن پاک کی متعدد آیات میں سے چند ایک آیات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنِ پاک کے بعد اب وہ احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں واشگاف الفاظ میں متعہ کو تا قیامت حرام قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ عن سبرۃ الجهنیّ انّہ کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یایها النّاس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النسآء وان اللہ قد حرّم ذلك الیٰ یوم القیامۃ فمن کان عندہ منهنّ شیئٌ فلیخلّ سبیلها ولا تاخذوا ممّا اٰتیتموهنّ شیئاً

(مسلم ص ۴۵۱ : ج ۱، نیل الاوطار ص ۱۳۴ : ج ۵، ابوداؤد ص ۲۹۰ : ج ۱)

ربیعؓ بن سبرہ نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ سو آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت کے دن تک کے لیئے حرام کر دیا ہے۔ سو جس کے پاس کوئی ان میں کی ہو تو چاہیئے کہ اس

کو چھوڑ دے۔ اور جو چیز تم ان کو دے چکے ہو وہ واپس نہ لو۔

نواب صدیق حسنؒ صاحب اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فی ھذا الحدیث التصریح بالمنسوخ والناسخ فی حدیث واحد من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کحدیث نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا وفیہ التصریح بتحریم نکاح المتعۃ الی یوم القیامۃ

(السراج الوہاج ص ۵۲۶ : ج ۱)

زیارتِ قبور کی حدیث کی طرح اس ایک ہی حدیث میں ناسخ (یعنی حرمت متعہ اور منسوخ (یعنی تحلیل متعہ) کا ذکر ہے۔ نیز تا قیامت حرمتِ متعہ کی بھی تصریح ہے

۲:۔ عن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعۃ (مسند امام اعظم ص ۱۳۴ : ج ۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

۳:۔ عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر۔ (کنز العمال ص ۵۲۷ : ج ۱۵، مسند امام اعظم ص ۱۳۴)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں متعہ النساء سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ:۔

رخص لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی متعۃ النساء عام اوطاس ثلاثۃ ایام ثم نھی عنھا۔ (نیل الاوطار ص ۱۳۴ : ج ۵، کنز العمال ج ۱۶ : ص ۵۲۶)

عام اوطاس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے لیے متعہ کی

اجازت فرمائی۔ پھر اس سے منع فرما دیا۔

۵۔ حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

هدم اوقال : حرم المتعة الطلاق والعدة والميراث

(کنز العمال ج ۱۶ : ص ۵۲۶ ، سنن دارقطنی ج ۳ : ص ۲۵۸)

طلاق، عدت اور احکام میراث نے حلتِ متعہ کو ختم کر دیا ہے۔

۶۔ حازمی نے اپنی سند سے حضرت جابرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تبوک کے جہاد کے لیئے گئے۔ عُقبہ (علاقہ شام) میں پہنچے تو وہاں کچھ عورتیں آ گئیں۔ ہم نے ان سے متعہ کر لیا۔ اس خیال سے کہ یہ ہماری اونٹنیوں پہ سوار ہو جائیں گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور عورتوں کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ کون ہیں؟

ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورتیں ہیں۔ ہم نے ان سے متعہ کر لیا ہے۔ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ رخسار مبارک سرخ ہو گئے۔ اور چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد متعہ کی ممانعت فرما دی۔ حکم پاتے ہی ہم نے عورتوں کو رخصت کر دیا پھر ایسی حرکت نہیں کی۔ اور نہ آئندہ کبھی کریں گے۔ (کتاب الاعتبار ص ۳۳۵)

مذکورہ تمام احادیث سے متعہ کا حرام ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان احادیث کا انکار اہل سنت میں سے کسی نے نہیں کیا۔ سب نے ہی انہیں بالاتفاق قبول کر کے متعہ کی حرمت کا فتوی دیا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی حرمت و حلت کے بارے

میں کئی ایک روایات وارد ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ دو سے زائد مرتبہ حلال وحرام ہوا۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ صرف دو ہی مرتبہ حلال ہوا۔ اور دو ہی مرتبہ حرام ہوا۔ اور پھر آخری مرتبہ جب یہ حرام ہوا تو ہمیشہ کے لیئے ہی حرام ہو گیا۔ یعنی خیبر سے پہلے حلال تھا۔ اور پھر یوم خیبر میں یہ حرام ہوا۔ پھر فتح مکہ (اور وہی اوطاس کا دن ہے اس لیئے کہ یہ دونوں متصل ہیں) کے دن یہ حلال ہوا۔ اور تین دن کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے حرام ہو گیا۔ اور حجۃ الوداع میں یہ پچھلی ثابت شدہ حرمت پر محض تاکید تھی۔ اور اس کا ایک عام قطعی اعلان، نہ یہ کہ اس کو اس روز حرام ٹھہرایا گیا۔

شیعہ فاضل نے "حلتِ متعہ پر فرمان رسالت مآب" کے عنوان کے تحت جو روایات پیش کی ہیں، ان سب کا تعلق اسی زمانہ سے ہے جس میں متعہ مباح تھا۔ لہٰذا ان روایات کو حلتِ متعہ کے لیئے پیش کرنا محض عبث ہے۔

حضرت علیؓ اور حُرمتِ متعہ

احادیثِ صریحہ صحیحہ سے متعہ کی حُرمت تا قیامت ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم اس سلسلہ کی چند ایک احادیث تحریر کر چکے ہیں۔ باقی تمام صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت علیؓ سے بھی تحریم متعہ کی روایات اس قدر شہرت اور تواتر تک پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت حسنؓ اور محمد بن حنفیہ کی تمام اولاد نے اسے روایت کیا ہے۔ جو اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع ہر دو کی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ جو مسئلہ زیرِ بحث میں فیصلہ کُن حیثیت رکھتی ہے۔

امام بخاریؒ نے ان الفاظ میں ایک باب قائم کیا ہے:

باب نھی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعۃ اخیرًا

"نکاحِ متعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں منع کرنے کا باب"

اس باب کے تحت حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب مولیٰ علیؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ :-

انّ النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم نہی عن المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیّۃ زمن خیبر ۔ (بخاری شریف ج ۲ : ص ۷۶۷)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ سے اور پلے ہوئے شہری گدھوں کے گوشت کھانے سے خیبر کے دن ۔"

یہ حدیث صحیح بخاری شریف کے علاوہ مندرجہ ذیل کتبِ احادیث میں بھی موجود ہے ۔

۲۔ صحیح مسلم شریف کتاب النکاح ، باب نکاح المتعہ وبیان انّہ ابیح ثم نسخ ج ۱ : ص ۴۵۲ ۔

۳۔ ترمذی شریف کتاب النکاح باب ماجاء فی تحریم نکاح المتعۃ ج ۱ : ص ۱۳۳ ۔

۴۔ نسائی شریف کتاب النکاح تحریم المتعۃ ج ۲ : ص ۸۰ ۔

۵۔ ابن ماجہ شریف ابواب النکاح باب النھی عن نکاح المتعۃ ج ۱ : ص ۱۴۲ ۔

۶۔ مؤطا امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ ص ۱۶۶ ۔

۷۔ مسند احمد مع الفتح الربانی باب ماجاء فی نسخہ والنھی عنہ ص ۱۹۱ : ج ۱۶ ۔

۸۔ کنز العمال حدیث نمبر ۴۵۷۲۷ ج ۱۶ : ص ۵۲۲ ۔

۹۔ بیہقی السنن الکبریٰ کتاب النکاح ج ۷ : ص ۲۰۱

۱۰۔ سنن دار قطنی کتاب النکاح ج ۳ : ص ۲۵۸

۱۱۔ سنن الدارمی کتاب النکاح ج ۲ : ص ۱۴۰

۱۲۔ شرح معانی الآثار کتاب النکاح ، باب نکاح المتعۃ ص ۲۵ : ج ۳

۱۳۔ زاد المعاد ج ۲ : ص ۱۷۰ ۱۴۔ نیل الاوطار ص ۱۳۴ : ج ۵

۱۵۔ مشکوٰۃ ص ۲۷۲ : ج ۲ ۱۶۔ بلوغ المرام ص ۷۵

اس وقت سردست جتنی کتبِ احادیث موجود ہیں۔ اُن سب کا ہم نے حوالہ دے دیا ہے۔ اور ان مذکورہ کتب کے علاوہ اہلِ سنّت کی دیگر کتبِ احادیث میں بھی حضرت علیؓ والی مذکورہ روایت موجود ہے۔

کتبِ شیعہ

امامیہ شیعہ کی معتبر کتب استبصار ، فروع کافی اور تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت ان کتب میں ان ہی الفاظ سے منقول ہے۔ جن الفاظ سے یہ روایت کتب اہلِ سنّت میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

عن علیؓ قال حرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوم خیبر لحوم الحمر الاھلیۃ ونکاح المتعۃ۔ (فروعِ کافی ص ۱۹۲ : ج ۲

تہذیب الاحکام ص ۱۸۶ : ج ۲ ، استبصار ص ۱۴۲ : ج ۳)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے اور نکاحِ متعہ کو حرام قرار دے دیا۔

کیسی صاف روایت ہے۔ روایت بھی ایسی کہ جناب علیؓ اپنے فہم سے فتویٰ نہیں دیتے۔ بلکہ پیغمبر علیہ السّلام کی حدیث بیان کرتے ہیں۔ اور روایتِ حدیث کے متعلق علمائے اسلام (شیعہ ہوں یا سُنی) کا اتفاق ہے کہ پیغمبر علیہ السّلام کے نام سے جھوٹی حدیث بیان کرنا جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والے کے حق میں رسالت مآبؐ کی طرف سے یہ شدید وعید آئی ہے۔

من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّءُ مقعدہٗ من النّار۔ (بخاری مسلم) یعنی جو مجھ (پیغمبر) پر جھوٹی بات لگائے جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنالے۔

کیسی صریح ہدایت ہے۔ اور کیسا صاف ارشاد ہے۔ بایں ہمہ اصحاب شیعہ کی کتنی جرأت ہے کہ روایت علیؓ کی نسبت یوں گوہر افشانی کرتے ہیں، کہ یہ روایت حضرت علیؓ کی طرف سے تقیہ پر محمول ہے۔ چنانچہ صاحبِ استبصار (محدّثِ شیعہ) کے اپنے الفاظ اسی روایت کے متعلق یہ ہیں۔

فالوجہ فی ھٰذہ الروایۃ ان تحملھا علی التقیۃ لانھا موافقۃ لمذاھب عامۃ (ص ۱۴۲)

یعنی یہ روایت حضرت علیؓ کی طرف سے تقیہ پر محمول ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے عوام (اہل سنّت) سے ڈر کر یہ روایت رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سر تھوپ دی۔

معاذ اللہ! اس وعیدِ شدید سے بھی خائف نہ ہوئے۔ افسوس ہے کہ ہم شیعہ کی اس جرأت میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور نہ تاریخ دینِ اسلام میں ایسا کوئی

گروہ پاتے ہیں جو اپنے متبوع کو ایسے فعلِ قبیح کا مرتکب قرار دے۔

ان حضرات نے اپنے لیئے راستہ نکالنے کی کوشش تو کی لیکن اس بات پر غور نہ کیا کہ بھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تقیہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور کن لوگوں سے آپ نے تقیہ کرنا تھا؟ اور اگر آپ تقیہ ہی کرتے تھے تو باقی ذخیرۂ دین کا کیا اعتبار ہے کہ وہ از راہِ تقیہ تھا یا از راہِ حقیقت؟ کچھ تو یار لوگوں نے سوچا ہوتا کہ:

ایں راہ کہ تو مے روی بہ ترکستان است۔

ممکن ہے کہ اس حدیث کو تقیہ پر محمول کرنے والے گدھوں کا گوشت بھی کھاتے ہوں۔ کیونکہ ان کے متعلق اور نکاحِ متعہ کے متعلق ایک ہی اعلان ہے۔ اگر وہ حقیقت پر مبنی ہے تو متعہ بھی حرام ٹھہرا۔ اور اگر تقیہ پر محمول ہے تو گدھے بھی حلال ہو گئے۔

دیگر یہ کہ فریقین (شیعہ اور سنی) کی روایات حدیثیہ میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جو دونوں مذہبوں کے اختلاف پر متفرع یا دونوں کے اختلاف کی بنا ہے۔ مگر باوجود اختلافِ کثیر کے کوئی روایت اگر متفقہ مل جائے تو اصل معنے میں متفق علیہ کہلانے کا حق وہی رکھتی ہے۔

شیعوں کے مستند امام کلینی اسی معنی کے لیئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لائے ہیں:۔

خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لا ریب فیہ (ص ۶) یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کرو کیونکہ متفق علیہ میں شک نہیں ہوتا۔

پھر صاف اور صریح روایت مرفوعہ جو دونوں مذہبوں کی کتابوں میں بیک

معنی موجود ہو، کیونکر ردّ ہو سکتی تھی۔ لیکن افسوس کہ شیعوں نے ایسی متفقہ روایت کو بھی محض اپنی خیالی باتوں کی بنا پر ردّ کر دیا۔

حضرت علیؓ کی روایت پر ایک جاہلانہ اعتراض

استبصار سے نقل کردہ حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت حرمتِ متعہ پر نصِ جلی ہے۔ چونکہ یہ روایت شیعہ کی صحاح اربعہ میں پائی گئی ہے۔ بدیں وجہ شیعہ حضرات کے لیئے یہ روایت ایک مصیبت بن گئی ہے۔ چنانچہ اس مصیبت سے بچنے کے لیئے کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک تاویل تو جناب ابو جعفر محمد بن حسن طوسی صاحبِ استبصار کی ہے۔ جس کا دندان شکن جواب ہم دے چکے ہیں۔

دوسری تاویل وزیر آبادی ذاکر نے کی ہے جو مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ موصوف کی جہالت پر بھی ماتم کناں ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

مگر ہمیں افسوس ہے کہ موصوف نے اس روایت کو بھی نقل کرنے میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ اس طرح کہ یہ روایت استبصار میں اَمّا مَا رَوَاہُ سے شروع ہوتی ہے۔ مگر شیخ الحدیث نے عمداً یہ الفاظ لکھنے سے اس لیئے پہلو تہی کی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اَمّا مَا رَوَاہُ کے اَلفاظ کسی روایت سے قبل لکھے ہی تب جاتے ہیں جب وہ روایت غیر مختار ہونے کی وجہ سے قابلِ تردید ہو۔ (رسالہ جواز متعہ ص ۷۹)

موصوف کی آگاہی کے لیئے عرض ہے کہ اما ما رواہ کے الفاظ کتاب استبصار کے مؤلف کے ہیں۔ نہ کہ اصل روایت کے۔ چونکہ یہ روایت شیعہ مذہب کے خلاف ہے۔

اس لیئے صاحبِ کتاب نے اماما رواہ کے الفاظ لکھ کر اس روایت کی تاویل کی ہے کہ یہ تقیہ پر محمول ہے۔ روایت کے کسی راوی کی تضعیف نہیں کی۔ اگر حسین بن علوان راوی ان کے ہاں ضعیف ہوتے، جیسا کہ ذاکر وزیر آبادی کا زعم فاسد ہے۔ تو روایت کو تقیہ پر محمول کرنے کی بجائے روایت کو ہی ضعیف کہدیتے۔ یہ اس توجیہہ وتاویل کے مقابلے میں زیادہ سیدھی سادھی اور آسان بات تھی۔ مگر جب مؤلف نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ راوی ان کے ہاں ثقہ ہے۔ اس نے پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؓ پر حرمت متعہ کی تہمت نہیں لگائی۔ اور نہ ہی شیعوں میں گھس کر علیؓ اور اولادِ علیؓ کی طرف بے سروپا روایات منسوب کیں۔ جیسا کہ ہمارے ذاکر جناب خادم حسین کا خیال ہے۔

پھر مؤلفِ کتاب استبصار شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی علماء شیعہ میں چوٹی کے محدّث ہیں۔ جبکہ جناب خادم حسین صاحب وزیر آبادی صرف ذاکر ہی ہیں۔ علمی تحقیق واعظوں اور ذاکروں کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت کو رد کرنے کے لیے جو دو تاویلیں کی گئی ہیں۔ ان کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔

پھر جناب خادم صاحب کا یہ فرمانا کہ اماما رواہ سے جو روایت شروع ہوتی ہے وہ غیر مختار ہونے کی وجہ سے قابلِ تردید ہوتی ہے۔ موصوف کا یہ کلیہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اسی کتاب استبصار میں بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں مؤلفِ کتاب اماما رواہ لکھتے ہیں لیکن وہاں نہ تو تضعیف مقصود ہوتی ہے۔ نہ تردید۔ بلکہ پہلی روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی توجیہہ وتاویل ہوتی ہے جس کے ذریعہ دونوں باتوں میں تضاد ختم کر کے توافق پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ انداز پوری کتاب استبصار میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف کی تسلی کے لیئے ایک دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

استبصار میں ایک باب ان الفاظ میں ہے۔

باب انہ یجوز الجمع بین اکثر من اربع فی المتعۃ

(متعہ میں چار سے زیادہ عورتیں جمع ہو سکتی ہیں)

اس باب میں مؤلف کتاب نے تین روایات ایسی لکھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ممتوعہ عورت کا شمار منکوحہ چار کی حد میں نہیں ہے لیکن اس کے بعد متصل فاما ما رواہ سے شروع کر کے دو روایتیں ایسی لکھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ممتوعہ عورت کا شمار منکوحہ چار کی حد میں شامل ہے۔ چنانچہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام عن المتعۃ قال هی احد الاربع۔

۲۔ وعن ابی جعفر علیہ السلام انما هی مثل الاماء یتزوج ما شاء قال لا هی من الاربع۔ (ص ۱۴۷)

ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ممتوعہ عورت ان منکوحہ چار عورتوں کی تعداد میں شامل ہے۔ جن کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ یہ روایات چونکہ پہلی روایات کے خلاف ہیں۔ اس لیئے مؤلف کتاب نے ان کی تاویل کر کے اس تعارض کو ختم کیا ہے فرماتے ہیں :-

فالوجہ فی هذین الخبرین ان نحملهما علی ضرب من الاحتیاط والفضل والاخبار الاولیۃ علی الجواز و رفع الحظر (ص ۱۴۸ ج ۳)

پہلی روایت احتیاط و افضلیت پر محمول ہوں گی۔ جبکہ دوسری روایات سے

مُراد صرف جواز اور رفع خطر ہو گا۔

اب یہاں مؤلفِ کتاب نے نہ پہلی روایت کو ضعیف کہا ہے۔ اور نہ دُوسری کو۔ لہٰذا جناب خادم بخاری صاحب کا کلیہ غلط ہو گیا۔ کہ فاما ما رواہ سے جو روایت شروع ہوتی ہے۔ وہ غیر مختار ہونے کی وجہ سے قابلِ تردید ہوتی ہے۔

دُوسری مثال ملاحظہ ہو۔ استبصار میں ایک باب اس طرح قائم کیا گیا ہے۔

باب جواز التمتع بالاماء (لونڈیوں سے متعہ کرنے کا جواز)

اس باب کے تحت مصنّف نے پہلے تین روایات ایسی لکھی ہیں جن سے حرہ پر باندی کو نکاح میں لانا جائز ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد چوتھی روایت فاما ما رواہ کے الفاظ سے شرُوع کر کے لکھی ہے۔ جس میں حرہ عورت پر باندی کو نکاح میں لانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (ص ۱۴۹)

اب مؤلف کتاب اس کی توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ حرہ عورت سے اس نکاح کی اجازت نہ لی جائے۔ اگر اجازت کی صورت میں باندی کو حرہ پر نکاح میں لایا جائے تو جائز ہے۔

اگر جناب خادم بخاری صاحب کو اپنی بات پر اصرار ہے کہ فاما ما رواہ سے شروع ہونے والی ہر روایت ضعیف اور قابلِ تردید ہوتی ہے تو پھر اس آخری روایت کا ضعف بیان کریں۔ اور نشاندہی کریں کہ اس کی سند میں کونسا راوی ضعیف ہے۔ اور وجہ ضعف کیا ہے؟ اور صاحبِ کتاب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ نیز دیگر ائمۂ شیعہ میں سے کس کس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے؟

اُمید ہے جناب خادم صاحب اس کی وضاحت فرمائیں گے۔

شیعہ فاضل کا خبثِ باطن

ہمارے شیعہ فاضل نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے ایک حدیث کا مورد غلط بیان کیا ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ ہو۔

عن عبد اللہ بن مسعود ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال سیلی امورکم بعدی رجال یطفئون من السنۃ ویعملون بالبدعۃ (ابن ماجہ ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد وہ لوگ تمہارے امور کے والی بنیں گے۔ جو میری سنّت کو بجھائیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے۔

اب اس پر شیعہ فاضل نے جو گوہر افشانی کی ہے، وہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو رسولؐ کے بعد سَیَلِی کے مورد وہ کون رجال ہیں جنہوں نے کبھی اِنِّیْ اَنْھٰی کہہ کر سنّت کو بجھایا۔ اور کبھی نِعْمَۃِ الْبِدْعَۃُ کہہ کر بدعت کو رواج دیا۔ حالانکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم :۔

افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرءِ فی بیتہٖ الا المکتوبۃ (شرح نووی ص ۲۵۹، ج ۱) افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے۔ سوائے فرض یا واجب نمازوں کے۔

غیر مکتوبہ نمازوں کے متعلق واضح فرما چکے ہوئے تھے کہ یہ مسجد کی بجائے گھروں میں ادا کی جائیں۔ (رسالہ جوازِ متعہ ص ۸۱)

مذکورہ روایت نقل کر کے شیعہ فاضل دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خلیفہ دوم

داماد حضرت علیؓ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی انہی کہہ کر متعہ جیسی سنّت کو ختم کر دیا اور نعمۃ البدعۃ کہہ کر مسجد میں نمازِ تراویح کو با جماعت ادا کرنے کی بدعت قائم کر دی ہے۔ حالانکہ یہ نماز گھروں میں افضل ہے۔

سو اس کے متعلق عرض ہے کہ شیعہ فاضل کے یہ دونوں دعوے باطل و مردود ہیں۔ خلیفہ دومؓ نے نہ تو کسی سنّتِ رسولؐ کو ختم کیا ہے اور نہ کسی بدعت کو رواج دیا ہے۔ جہاں تک متعہ کا تعلق ہے سو اس کے متعلق ہم دلائل قطعیہ سے ثابت کر چکے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی حجۃ الوداع میں اسے تا قیامت حرام کر دیا تھا۔ اور خلیفہ دومؓ داماد علیؓ نے اسی حرمت کی اشاعت کی۔ اور اسے قانوناً نافذ کیا۔ اب اگر کوئی شخص یا فرقہ جو بدکاری کا دلدادہ ہے، اُٹھ کر یہ کہہ دے کہ متعہ جیسی سنّت کو حضرت عمرؓ نے ختم کیا ہے تو اسے ہم بکواس سے زیادہ اہمیّت نہیں دیتے۔

پھر حدیث کی نقل اور اس کا مورد متعین کرنے میں بھی پرلے درجے کی بددیانتی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ حدیث میں جن لوگوں کے متعلق پیشین گوئی کی گئی ہے، ان کی تین علامات بیان کی گئی ہیں۔ مگر شیعہ فاضل نے صرف دو ہی علامتیں لکھی ہیں۔ اور تیسری چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ تیسری علامت بیان کرنے سے شیعہ فاضل کی بددیانتی کا پردہ چاک ہوتا تھا۔ بدیں وجہ حدیث کا آخری حصّہ انہوں نے چھوڑ دیا ہے چنانچہ حدیث کا آخری حصہ ملاحظہ ہو۔

ویؤخرون الصلٰوۃ عن مواقیتہا فقلت یا رسول اللہ ان ادرکتھم کیف افعل؟ قال تسألنی یا ابن ام عبد کیف تفعل؟ لا طاعۃ لمن عصی اللہ (ابن ماجہ ص ۲۰۶)

چنانچہ پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں :۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔
سیلی امورکم بعدی رجال یطفئون من السنّة و
یعملون بالبدعة ویؤخرون الصلوٰة عن
مواقیتها فقلت یارسول الله ادرکتهم کیف
افعل ؟ قال لتسألنی یاابن ام عبد کیف تفعل ،
لاطاعة لمن عصی الله (ابن ماجہ ص ۲۰۶ ج ۲)
میرے بعد وہ لوگ تمہارے امور کے والی بنیں گے جو میری سنتوں کو
بجھائیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے۔ اور نماز کے اوقات میں تاخیر
کریں گے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر میں ایسے لوگوں کو پاؤں
تو کیا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا: ام عبد کے بیٹے کیا تو مجھ سے یہ سوال کرتا
ہے۔ حالانکہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔
حدیث کے الفاظ میں ان رجال کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ
نماز میں تاخیر کریں گے لیکن خلفاء اربعہؓ کے متعلق کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا
کہ وہ نماز میں تاخیر کرتے تھے۔ لہٰذا ان رجال سے عموماً خلفاءؓ اربعہ اور حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ خصوصاً مراد لینا بد دیانتی کی بدترین مثال ہے۔
امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے :۔
"باب ماجاء فی الوقت الاوّل من الفضل"
امام ترمذیؒ نے یہ باب تعجیل الصلوٰۃ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے قائم

کیا ہے۔ اور اس میں انہوں نے پانچ احادیث ذکر کی ہیں۔ جن سے اوّل وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ آخر میں امام شافعیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

قال الشافعی والوقت الاول من الصلوۃ افضل ومما یدل علی فضل اول الوقت علی آخرہ اختیار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم یکونوا یختارون الا ما ھو افضل ولم یکونوا یدعون الفضل وکانوا یصلون فی اول الوقت۔ (ترمذی ص ۴۳ ج ۱)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ نماز کا اوّل وقت افضل ہے۔ اور آخر وقت کی بہ نسبت اوّل وقت کی فضیلت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا عمل دلیل ہے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ افضل ہی کو اختیار فرماتے اور فضیلت کو ترک نہ فرماتے اور یہ تمام حضرات اوّل وقت ہی میں نماز پڑھتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ کے بیان و وضاحت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ خاص طور پر نماز میں تاخیر نہیں کیا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ حضرات اس حدیث کا مورد نہیں ہیں۔ جب حدیث کی بیان کردہ تیری علامت کے مصداق یہ حضرات نہ ہوئے تو حدیث کی پہلی دو علامتوں کی نفی بھی حضرات شیخینؓ سے خود بخود ہو گئی۔ کیونکہ جو لوگ حدیث کا مصداق ہوں گے، ان میں یہ تینوں علامات بیک وقت اکٹھی پائی جائیں گی۔ اگر کسی فرد یا گروہ میں ان علامات میں سے کسی ایک کا نہ پایا جانا ثابت ہو گیا، تو اس کا مطلب یہ ہو گا

کہ وُہ فرد یا گروہ دیگر دونوں علامات سے بھی مبرّا ہے۔ شیعہ فاضل نے حدیث کی بیان کردہ تیسری علامت کا ذکر نہ کرکے گویا تسلیم کرلیا ہے کہ یہ حضراتؓ نماز میں تاخیر نہیں کیا کرتے تھے۔

لہٰذا ایک بات جب انہوں نے تسلیم کرلی ہے تو پہلی دو علامات کی نفی بھی ان حضرات سے تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک بات کی نفی ہو اور دو باتوں کا اِثبات ہو۔ لہٰذا شیعہ فاضل کا اعتراض دور ہوگیا۔

حدیث کے صحیح مورد کون لوگ ہیں؟

جب خلفاء اربعہؓ حدیث کا مورد نہیں ہیں تو پھر حدیث کا مورد کون لوگ ہیں؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اس سے بنو امیّہ کے بعض خلفاء مُراد ہیں جن میں اس قسم کی علامات پائی جاتی تھیں۔ جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

مشہور محدّث علامہ شمس الحق ڈیانوی لکھتے ہیں:۔

ھذا من اعلام النبوۃ وقد وقع ذلک فی زمن بنی امیۃ۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد ص ۱۶۴ ج ۱)

آپؐ کی یہ پیش گوئی نبوّت کی نشانیوں میں سے ہے۔ کیونکہ بنو اُمیّہ کے دورِ حکومت میں بعض اُمراء نماز میں تاخیر کردیا کرتے تھے۔

علامہ محمودؒ خطاب سبکی مصری فرماتے ہیں:۔

وفیہ من دلائل النبوۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر عن الامراء الذین یمیتون الصلوٰۃ وقد وقع فی زمن بنی امیۃ ومن بعدھم

إلى زماننا هذا۔ (المنهل العذب المورود شرح سنن الامام ابی داؤد ص ۱۵ ج ۴)

اس حدیث میں آپؐ کے معجزہ کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ جن اُمراء کے متعلق آپؐ نے پیش گوئی فرمائی ہے، وہ بنو اُمیہ کے دور سے آج تک کئی ایسے اُمراء پائے گئے ہیں جو دیگر کوتاہیوں کے علاوہ نماز کے معاملہ میں بڑے متساہل تھے۔

علماء کرام کی ان تصریحات کے باوجود مذکورہ حدیث کا مورد حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کو ٹھہرانا شرمناک بات ہے۔ شیعہ روافض چونکہ صحابہ کرام سے بغض وعناد رکھتے ہیں اس لیئے ایسی بے بنیاد باتیں لکھتے ہوئے انہیں شرم وحیاء مانع نہیں ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں

خلفاء راشدینؓ کا مقام

شیعہ فاضل نے خبثِ باطن کی بناء پر جن رجال کو سنت بجھانے والے اور بدعات پر عمل کرنے والے قرار دیا ہے۔ ان کا اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں کتنا اونچا مقام ہے اور انہوں نے بدعت کی تردید اور سنّت کی اشاعت و ترویج میں کتنا کام کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فیض یافتہ حضرات میں سے ہر ایک اپنے مقام پر آفتابِ ہدایت کا درخشاں ستارہ، اور سماءِ علم کا روشن کوکب ہے۔ مگر یہ بات کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جیسا فیض آپؐ سے حضراتِ خلفاءِ اربعہؓ کو نصیب ہوا، مجموعی لحاظ سے وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ اور انہی کے وجودِ مسعود سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور-۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ اُن کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا پس وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"

اس آیتِ استخلاف سے حضراتِ خلفاءِ اربعہؓ کی بہت بڑی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے شیعہ فاضل کے بقول وہ دین کو مٹانے والے اور بدعات کی اشاعت کرنے والے تھے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح و تعریف کیوں فرمائی؟ معلوم ہوا شیعہ ملعون جھوٹے ہیں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

پھر آیت کے لفظ استخلاف میں اشارہ ہے کہ وہ حضرات محض دنیوی سلاطین اور ملوک کی طرح نہ تھے بلکہ وہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کرنے والے اور دینِ حق کی بنیادیں جمانے والے تھے جنھوں نے خشکی اور تری میں دینِ اسلام کا سکہ بٹھایا۔ حتّٰی کہ اس وقت مسلمانوں کو کفّار کا مطلقاً خوف و رعب باقی نہ رہا۔ وہ کامل اطمینان اور امن سے اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہے۔ اور ان کی یہ شان رہی کہ ان کی بندگی میں شرکِ جلی تو کیا راہ پاتا شرکِ خفی کی آمیزش بھی نہ تھی۔ یہ بات انصاف اور قیاس سے بالکل بعید ہے کہ اللہ

تعالیٰ تو ان کو اپنے دینِ حق کی ترویج و اشاعت کے لیئے زمین کی خلافت و نیابت سپُرد کر دے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کے دین کو مٹانے لگ جائیں۔ اور دین میں بدعات ایجاد کر دیں نعوذ باللہ من ذلک۔ ایسی بات شیعہ ملعون ہی کہہ سکتے ہیں، ورنہ کوئی مسلمان اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معیارِ حق گردانتے ہُوئے ہمیں ان کی اِتباع اور پیروی کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرت عرباضؓ بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ۔ (ترمذی ص ۹۲ ج ۲، ابن ماجہ ص ۵ ج ۱، ابوداؤد ص ۲۷۹ ج ۲، مسند دارمی ص ۲۶، مسند احمد ص ۲۷ ج ۴، مستدرک حاکم ص ۹۵ ج ۱)

"یعنی جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت ہی زیادہ اختلافات دیکھے گا سو تم پہ لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سنّت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو، اور اپنی داڑھ اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

ملّا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

فانھم لم یعملوا الّا بسنّتی فالاضافۃ الیھم امّا بعملھم

بها اولاستنباطهم واختيارهم اياها (مرقاۃ ج ۱، ص ۳۰)

اس لیئے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے درحقیقت آپؐ ہی کی سنّت پر عمل کیا ہے اور اُن کی طرف سنّت کی نسبت یا تو اس لیئے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اور یا اس لیئے کہ انہوں نے خود آپؐ کی سنّت سے استنباط کر کے اس کو اختیار کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ خلفاء راشدینؓ نے جو کام کتاب و سنّت سے اجتہاد و استنباط سے کیا ہے وُہ بھی سنّت ہے۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے تحت اُمت کو اس کے تسلیم کرنے سے بھی ہرگز چارہ نہیں اور وُہ اس سنّت کو تسلیم کرنے کی بھی پابند ہے۔

شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ حدیثِ مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

پس ہرچہ خلفاء راشدینؓ حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت نبویست و اطلاقِ بدعت برآں نتواں کرد۔ چنانچہ فرقہ ئزائغہ کنند۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۱۳۹)

جس چیز کے بارے میں حضرات خلفاء راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وُہ اُن کے استنباط و اجتہاد سے صادر ہوا ہو وُہ بھی سُنّت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں۔ جیسا کہ گمراہ فرقہ (شیعہ روافض) کرتا ہے۔

یہ عبادت اس بات کی نصِّ صریح ہے کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے استنباط و اجتہاد سے ثابت شدہ احکام بھی سنّت ہی ہوں گے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

ارشاد کے مطابق ان پر عمل کرنا بھی لازم ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی المتوفی ۷۹۵ھ تحریر فرماتے ہیں:۔

والسنۃ ھی الطریق المسلوک فیشمل ذلک التمسک بما کان علیہ ھو وخلفاؤہ الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وھذہ ھی السنۃ الکاملۃ۔

(جامع العلوم والحکم ص ۲۳۰)

سُنت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ (اس راہ کا) تمسک ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء راشدینؓ عامل تھے۔ عام اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال و اقوال اور یہی سنتِ کاملہ ہے۔

مثلاً دیکھئے! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے اسّی کوڑے سزا دی ہے۔ یہ بھی سنّت ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وجلد ابوبکر اربعین وجلد عمر ثمانین وکلٌّ سنۃ۔

(مسلم ج ۲، ص ۷۲ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۰ و ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۸۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی۔ اور حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے سزا دی۔ اور دونوں باتیں سنّت ہیں۔

پھر کوڑے کی سزا میں اضافہ کرتے رہے یہاں اُسی
پر بات طے ہوگئی۔ اور اَسی کوڑے کی سزا دینے کا مشورہ بھی حضرت علیؓ نے دیا تھا"
کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ اگر سنت بجھانے والے بدعت
پر عمل کرنے والے تھے تو دین میں اضافہ کا مشورہ دینے والے کون ہیں ؟

ع الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر کیا ہے :

واتمها ثمانين وكل سنة (معرفة علوم الحديث ص ۱۸۱)
اور حضرت عثمانؓ نے بھی اَسی کوڑے پورے کیئے اور یہ سب سنت ہیں۔
یہ روایت صحیح مسلم کی ہے جس کے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا
سکتا۔ اور کہنے والے حضرت علیؓ خلیفۂ راشد ہیں جو سنت اور بدعت کے مفہوم کو بخوبی
جانتے ہیں۔ اور اس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو بھی وہ سنت کہتے ہیں۔
امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

هذا دليل ان عليا كان معظما لاثار عمر وان حكمه
وقوله سنة وامره حق وكذلك ابوبكر خلاف ما
يكذبه الشيعة عليه۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۲)

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے آثار کو عظمت
کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے حکم اور قول کو سنت اور ان کے امر کو
حق کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے متعلق بھی وہ یہی رائے رکھتے تھے نہ
کہ جیسا شیعہ شنیعہ ان کی تکذیب کرتے ہیں۔

پھر حضرات خلفاء راشدینؓ کی بات اس لیئے بھی حجت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں ان کی سنّت کو کچلیوں اور داڑھوں سے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس صُورت میں بھی درحقیقت جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

چنانچہ حضرت نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں :۔

ان ما سنّه الخلفاء الراشدون من بعده فالأخذ به ليس الا لامره صلّى الله عليه وسلّم

(الدین الخالص ج ۲ ص ۴۲۵)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جو چیز حضرات خلفاء راشدینؓ نے مسنون ٹھہرائی ہے، اس کو محض اس لیئے اخذ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اخذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

نِعْمَةِ الْبِدْعَةِ کی تعبیر

باقی حضرت عمرؓ نے جو رمضان المبارک میں ایک قاری پر مجتمع ہو کر نماز تراویح پڑھنے والوں کے عمل کو نِعْمَةِ الْبِدْعَةِ سے تعبیر کیا ہے۔ تو اس سے مراد بدعت لغوی ہے جو مذموم نہیں ہے۔ اس سے بدعتِ شرعی ہرگز مُراد نہیں ہے۔ جو مذموم اور قبیح ہے۔ اس کی مختصر تشریح ملاحظہ فرمائیں :۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں لوگ رمضان کا قیام تو بلاشبہ کرتے تھے۔ (مسندِ احمد عن عائشہؓ) لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسُول اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین رات نمازِ تراویح پڑھائی۔ ان راتوں میں نمازِ تراویح کی ایک ہی جماعت ہوئی چوتھی رات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نمازِ تراویح نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا:

"میں نے اس اندیشے سے نماز نہیں پڑھائی کہ کہیں تم پر لازم نہ ہو جائے"

اس کے بعد وہی کیفیت جاری رہی پھر مختلف جماعتیں ہونے لگیں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ صورت دیکھی تو فرمایا:

اگر میں ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں "لکان امثل" تو بیشک یہ سنّت کے زیادہ مثل ہو گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک جماعت جاری کر دی اور فرمایا: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هٰذِهٖ" (صحیح بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح)

یعنی "یہ نئی تجویز بہت اچھی ہے"

ایک امام کے پیچھے تمام لوگوں کا نماز پڑھنا سنّت سے ثابت تھا۔ حضرت عمرؓ نے "لکان امثل" کہہ کر اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں یہ بدعت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اصطلاحِ شرع میں بدعت وہ کام ہے جس کا نمونہ سنّت میں موجود نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بدعت کو لغوی معنی میں استعمال کیا۔ ایک مسجد میں ایک ہی جماعت کا قیام متروکہ سنّت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے پھر جاری کر دیا۔ کیونکہ متروکہ سنّت کو جاری کرنے کا فعل اس سے پہلے واقع نہیں ہوا تھا۔

لہٰذا انہوں نے اس جاری کرنے کے فعل کو لغوی اعتبار سے بدعت سے تعبیر کیا ہے۔ جن لوگوں نے "جاری کرنے" اور "ایجاد کرنے" میں فرق نہیں کیا وہ حضرت عمرؓ کے قول سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بدعت اچھی بھی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں

ہے حضرت عمرؓ نے جس بدعت کو اچھا کہا وہ متروکہ سنت جاری کرنا ہے۔ اور یہ چیز خارج از بحث ہے حضرت عمرؓ نے کسی ایسے نیک کام کے ایجاد کرنے کو جس کا نمونہ پہلے سے سنت میں موجود نہ ہو، اچھا نہیں کہا۔ لہٰذا شیعہ فاضل کا یہ الزام کہ حضرت عمرؓ سنت کو مٹانے والے اور بدعت ایجاد کرنے والے تھے، باطل و مردود ہو گیا۔ پھر بقول شیعہ فاضل اگر یہ بدعت شرعی تھی تو لازم آئے گا کہ خلیفۂ چہارمؓ سمیت تمام صحابہ کرامؓ اس مذموم بدعت کے مرتکب ہوئے۔ اور حضرت علیؓ نے خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے بھی ان کو اس قبیح حرکت سے منع نہ کیا اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کیا، تو وہ خلیفۂ راشد کیسے رہے اور وہ خود مہدیین (ہدایت یافتہ) کی فہرست میں کس طرح شامل رہے؟ اور جب انہوں نے بدعتِ قبیحہ کی اجازت دے دی یا اس پر سکوت اختیار کر لیا تو سنت کی پاسبانی کس نے کی؟

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

سنت کو مٹانے اور بدعت کا رواج دینے کا بیہودہ الزام جو جناب خادم صاحب نے حضرت فاروقِ اعظمؓ پر لگایا ہے اس کا جواب ہم نے قدرے تفصیل سے اس لیئے دیا ہے تاکہ جناب خادم صاحب کو متعہ کی آڑ میں حضرت فاروقِ اعظمؓ، دامادِ علیؓ پر سیلی امور کم بعدی رجال کے الزام کا علمی مارکیٹ میں بھاؤ تاؤ معلوم ہو سکے۔

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

خادم بخاری کی بددیانتی جناب خادم صاحب نے ابن ماجہ کی روایت میں جس طرح بددیانتی کی اور اس کا غلط مورد ٹھہرایا، اسی طرح

بخاری کی روایت میں بھی انہوں نے خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کرتے ہوئے غلط توجیہہ کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:۔

"ممکن ہے کہ حضرت شیخ الحدیث قسم کے لوگ یہ کہہ دیں کہ علیؓ شیرِ خدا تھے انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں احوال کی اصلاح کیوں نہ کی تو ایسے حضرات کی تشفی کے لیئے ہم بخاری شریف سے حضرت علیؓ کی زبان سے یہ توجیہہ پیش کرتے ہیں:۔

عن علی قال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ ...الخ (بخاری شریف ص ۵۲۶ ج ۱)

علیؓ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم ویسے ہی کیئے جاؤ جیسے پہلے کرتے آئے ہو، میں اختلاف کو بہتر نہیں سمجھتا جب تک کہ مجھ سے اختلاف کرنے والے لوگ میرے ساتھ ایک جماعت نہ بن جائیں۔ (جواز متعہ ص ۸۲)

یہاں بھی جناب خادم صاحب نے بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روایت کے الفاظ پورے نقل نہیں کیئے اور جو الفاظ نقل کیئے ہیں ان کا مطلب بھی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر غلط بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی ایسے فن میں رائے زنی کرتا ہے جو اس کا فن نہیں ہوتا تو اس سے عجائبات کا ہی اظہار ہوتا ہے۔ جناب خادم صاحب خالی ذاکر و واعظ ہیں وہ احادیث کا مطلب و مفہوم کیا سمجھ سکتے ہیں؟ کیونکہ یہ فن ہی ایسا ہے جو واعظوں، ذاکروں کی استطاعت سے باہر ہے۔ بہر حال آپ پہلے پوری روایت ملاحظہ فرمائیں اور پھر اس کے مفہوم پر غور کریں۔ آپ پر شیعہ فاضل کا دجل و فریب آشکارا ہو جائے گا۔

پوری روایت اس طرح ہے:۔

عن علی قال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکرہ

الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ اوامُوت کما مات اصحابی فکان ابن سیرین یریٰ عن علی الکذب۔

(بخاری مناقب علیؓ)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں (اے عراق والو) جس طرح تم پہلے فیصلہ کیا کرتے تھے اب بھی اسی طرح کیا کرو کیونکہ میں اختلاف کو بُرا جانتا ہوں جب تک کہ سب لوگ جمع ہو جائیں یا میں بھی اپنے ساتھیوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی طرح دُنیا سے چلا جاؤں۔ ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ عام لوگ (شیعہ روافض) جو حضرت علیؓ سے روایات (شیخین کی مخالفت میں) بیان کرتے ہیں وہ قطعاً جھوٹی ہیں۔

یہ ہے پوری روایت جس کے متعلق جناب خادم صاحب فرما رہے ہیں کہ جناب علیؓ نے اپنے دَورِ حکومت میں مُتعہ کی سنّت اور جماعت تراویح کی بدعت کی اصلاح اس لیئے نہیں کی کہ وہ اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ مذکورہ روایت میں نہ مُتعہ کا ذِکر ہے اور نہ جماعت تراویح کا۔ اس میں جس اختلاف کو ناپسند کیا گیا ہے وہ اَور مسئلہ ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

وسبب ذلك ان علیا لما قدم الی العراق قال کنت رأیت مع عمر ان تعتق امہات الاولاد وقد رأیت الاٰن ان یسترقن فقال عبیدۃ رأیك یومئذ فی الجماعۃ احب الی من رأیك الیوم فی الفرقۃ فقال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف یعنی ان یخالف

ابابکرؓ وعمرؓ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۱۸ ج ۱۶)

"اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب عراق آئے تو فرمانے لگے کہ پہلے حضرت عمرؓ کی طرح میرا بھی خیال تھا کہ ام ولد کی بیع درست نہیں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع درست ہے۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی تابعی جو عراق کے قاضی تھے فرمانے لگے کہ حضرات شیخین کے زمانہ میں آپ کی ان سے موافقت کی رائے میرے نزدیک آج آپ کی مخالفت رائے سے زیادہ بہتر ہے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا، اب بھی وہ فیصلہ کرو جو پہلے کیا کرتے تھے۔ کیونکہ میں حضرات شیخینؓ کی رائے سے اختلاف کرنے کو پسند نہیں کرتا۔"

دیکھئے! یہاں علامہ عینی کی عبارت میں کس قدر وضاحت ہے کہ حضرت علیؓ نے مسئلہ بیع اُمّ وَلد کے بارے میں حضرات شیخینؓ سے اختلاف کرنے کے باوجود قاضی حضرات کو شیخینؓ کی رائے پر فیصلہ کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اور اپنے فتویٰ کے مقابلہ میں شیخینؓ کے فتویٰ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ مگر جناب بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ جناب عمرؓ نے متعہ کی سُنّت کو مٹایا اور جماعت تراویح کی بدعت قائم کی۔ مگر شیرِ خدا حضرت علیؓ نے اپنے دَورِ حکومت میں اس کی اصلاح نہیں کی کیونکہ وہ اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ بخاری کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں متعہ اور جماعت تراویح کا ذکر ہی نہیں ہے پھر اگر واقعی مُتعہ سنّت ہے اور جماعت تراویح بدعت ہے تو اس کی اصلاح کرنا اور اس کے خلاف فتویٰ دینا تو فرض ہے شیرِ خدا نے یہ فرض ترک کیوں کیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ پر عمل کیوں نہیں کیا جبکہ حدیث میں وارد ہے:

جب تم میں سے کوئی بُرا کام دیکھے تو اوّل درجہ کا ایمان یہ ہے کہ اس کو اپنے

ہاتھ سے رد کرے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو زبان سے منع کر دے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے ہی بُرا سمجھنا چاہیئے۔ مگر یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔ اوّل درجہ کا ایمان یہ ہے کہ بُرائی کو ہاتھ سے رد کرے۔

ہم شیعہ فاضل سے سوال کرتے ہیں کہ بقول آپ کے اگر حضرت عمرؓ نے مذکورہ دونوں کام بُرے کیئے ہیں تو حضرت علیؓ نے خلیفہ ہوتے ہوئے بُرائی کا سدِّباب کیوں نہیں کیا۔ اور یہ کیوں کہا کہ مَیں اختلاف کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ بُرے کام سے تو اتّفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ تو خلیفۂ راشد ہو کر جناب شیرِ خدا نے بُرائی سے کیسے اِتّفاق کر لیا؟ معلوم ہُوا کہ ہمارے شیعہ فاضل جھوٹ بولتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے نہ تو کوئی بدعت جاری کی اور نہ ہی کسی سنّت کو مٹایا۔ مُتعہ اور جماعت تراویح کے بارے میں خلفاء اربعہؓ کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ مُتعہ سب کے نزدیک حرام ہے۔ اور جماعتِ تراویح سب کے نزدیک سُنّت ہے۔ پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ شیعہ فاضل نے ہمیں معترض بنا کر ہماری ہی کتاب سے جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے حیب کہ ان کے نزدیک کتبِ اہلِ سُنّت ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ہم شیعہ روافض پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نہ ہمیں کوئی حضرت علیؓ پر اعتراض ہے اور نہ ہم انہیں حضراتِ شیخینؓ کا مخالف سمجھتے ہیں۔

پھر بھی اعتراض اگر آپ پر آپ کا کوئی شیعہ دوست کر دے کہ حضرت علیؓ نے شیرِ خدا ہو کر اپنے دَورِ حکومت میں مُتعہ جیسی ارفع و اعلیٰ عبادت کا نفاذ کیوں نہیں کیا؟ اور حضرت عمرؓ کی ایجاد کردہ بدعت (جماعتِ تراویح) کو ختم کیوں نہیں کیا؟ تو بتایئے آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ کیا اُسے بخاری کی روایت سنا کر مطمئن کریں

گے ، اور کیا وہ بخاری شریف کی روایت کو تسلیم کرے گا ؟

سچ ہے "نقل را عقل باید"

محترم ! آپ ہماری بات نہ کریں اپنے شیعہ لوگوں کو کتبِ شیعہ سے جواب دے کر مطمئن کریں ۔ اگر آپ میں ہمّت ہے تو جواب دیں ورنہ اہلسنّت کو معترض نہ بنائیں ۔

ابن سیرینؒ کا قول ۔

بخاری شریف کی مذکورہ روایت کے آخر میں حضرت امام بخاریؒ نے مشہور تابعی محمّد بن سیرینؒ کا قول بھی نقل کیا ہے جسے جناب خادم بخاری نے بددیانتی سے چھوڑ دیا ہے ۔ کیونکہ یہ قول ان کے مطلب کے خلاف تھا ۔

عام شیعہ روافض حضرت علیؓ سے بہت سی ایسی روایات بیان کرتے ہیں جن میں شیخینؓ کی مخالفت پائی جاتی ہے جو بالکل بے اصل اور من گھڑت ہیں ۔ کیونکہ حضرت علیؓ حضراتِ شیخینؓ کے مشیرِ خاص اور ان سے عقیدت و محبّت رکھتے تھے ۔ اور اپنے دورِ خلافت میں اِن کے نقشِ قدم پہ چلے ۔ بدیں وجہ حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب کردہ ایسی روایات جن میں حضراتِ شیخینؓ کی مخالفت پائی جاتی ہے قطعاً جھوٹی ہیں ۔ اور شیعہ روافض کی وضع کردہ ہیں ۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے حضراتِ شیخینؓ کی مخالفت میں کوئی بیان نہیں دیا ۔ بلکہ پوری زندگی انہوں نے شیخینؓ کی موافقت ہی کی ہے ۔ اور ان سے محبّت کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے ۔ شیعہ روافض پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہو ، جو جھوٹی روایتیں گھڑ کر حضرت علیؓ کے ذمّہ لگاتے ہیں ۔ بخاری کی حدیث کا آخری حصّہ چونکہ خادم بخاری کے مقصد کے خلاف تھا اس لیئے اُسے شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ۔

موجودہ شیعہ روافض کی روش۔

ہمیں تعجب ہے کہ ایک طرف تو خادم بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ شیرِ خدا نے مخالفت کو پسند نہیں کیا۔ اور دوسری طرف حرمتِ متعہ کے مسئلہ میں شدّت سے مخالفت کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے، اگر حضرتؓ نے مخالفت کو پسند نہیں کیا، تو آپ اہلسنّت کی حرمتِ متعہ کے مسئلہ میں مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کیا آپ کو حضرت علیؓ کی یہ روش پسند نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ موجودہ شیعیت حضرت علیؓ شیرِ خدا کے بھی مخالف ہے۔

متعہ کی حرمت کتبِ شیعہ سے۔

جس طرح ائمہ اہلسنّت سے متعہ کی حرمت و ممانعت ثابت ہے اسی طرح ائمہ اہلِ بیتؓ سے بھی متعہ کی حرمت و ممانعت کی روایات کتب اہلِ تشیع میں موجود ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ حضرت علیؓ کی متفقہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

۲۔ مفضّل کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؒ کو متعہ کے بارے میں فرماتے ہوئے سُنا۔

دعوها أما يستحي احدكم ان يرى في موضع العورة
فيحمل ذلك على صالحي اخوانه واصحابه

(فروع کافی ص ۴۵۳، ج ۵)

"متعہ چھوڑ دو کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ کوئی شخص عورت کی شرم گاہ دیکھے اور اس کا ذکر اپنے بھائیوں اور اصحاب کے ساتھ کرے۔"

اس روایت میں نہ صرف متعہ کو حرام کیا گیا ہے بلکہ اس فعل حیا سوز کا نہایت ہی مختصر مگر معنی خیز الفاظ میں مرقع کھینچا گیا ہے۔ جو متعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ متعہ بے حیاؤں کا فعل ہے اس لیئے شیعہ دوستوں کو اس فعل کا ارتکاب کر کے بے حیا نہیں بنتا چاہیئے۔ کیونکہ:

الحیاء شعبة من الایمان

اگر امام موصوف کی اس نصیحت پر عمل نہیں تو:

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

۳۔ حضرت ابوالحسن نے اپنے بعض خدام سے کہا:

لا تلحوا علی المتعة انما علیکم اقامة السنة فلا تشتغلوا بها عن فرشکم وحرائرکم فیکفرن ویتبرین ویدعین علی الآمر بذلك ویلعنوننا۔

(فروع کافی ص ۴۵۳۔ ج ۵)

متعہ پر اصرار مت کرو۔ صرف سنّت بجالاؤ۔ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ تاکہ تم اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ۔ اور وہ معطل رہیں۔ اور وہ پاک باز رہ کر ہماری دامن گیر ہوں۔ اور ہمیں (اس وجہ سے کہ متعہ کا حکم دیا ہے) لعنت کریں۔

امام صاحب کے قول سے ثابت ہوا کہ جو لوگ متعہ کرتے ہیں، وہ ملعون ہیں، چونکہ شیعہ لوگ اسے اعلیٰ عبادت سمجھتے ہوئے اس فعل پر اصرار کرتے ہوئے عامل ہیں لہٰذا شیعہ مذہب رکھنے والے سب ملعون ہیں۔

مذکورہ تینوں روایات ہم نے حرمتِ متعہ میں تحریر کی تھیں مگر شیعہ فاضل نے آخری دو روایات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور خاموشی میں ہی عافیت سمجھی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان روایات کا قیامت تک کوئی شیعہ جواب نہیں دے سکتا۔ حرمتِ متعہ کے لئے شیعہ کی یہ اپنے گھر کی شہادتیں ہیں۔

؎ دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۴۔ قاضی نور اللہ شوشتری لکھتے ہیں:۔

اگر متعہ روا بودے، امام برحق (امام حسنؓ) چرا التفات بنکاح وطلاق فرمودے؟

"اگر متعہ جائز ہوتا تو امام حسنؓ نکاح وطلاق کے جھگڑے میں کیوں پڑتے"

حضرت حسنؓ کے بارے میں یہی شوشتری صاحب لکھتے ہیں:۔

"علیؓ از کثرتِ طلاق گفتن امام حسنؓ ملول بود و بر منبر مے گفت:

ان حسنا مطلاق فلا تنکحوا (مجالس المؤمنین ص ۱۳۱ ج ۱)

حضرت حسنؓ چونکہ بہت نکاح کرتے تھے۔ اور پھر طلاق دے دیتے تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ ناراض ہوئے اور منبر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا، اے لوگو! حسن سے اپنی لڑکیوں کے نکاح مت کرو۔ کیونکہ وہ بہت طلاق دینے کے عادی ہو چکے ہیں۔

شوشتری صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جناب حضرت حسنؓ سخت ضرورت کے تحت ہی ایسا کرتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ نواسۂ رسولؐ ہیں ہم ان کے متعلق یہ تو بدگمانی

نہیں کہہ سکتے کہ وہ بلا ضرورت محض عیاشی کے لیئے لوگوں کی لڑکیاں خراب کرتے ہوں۔ کیونکہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ وہ کسی ضرورت و مجبوری کے تحت ہی ایسا کرتے ہوں گے۔ مگر خادم بخاری نے جو کذب بیانی کی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔ پھر ان کی دیانت و امانت کی داد دیں، ملاحظہ ہو:۔

"چونکہ ائمہ اطہار علیہم السلام کو ضرورت پیش نہ آئی لہٰذا وہ عامل نہ ہوئے۔ قائل ضرور رہے۔ رہا حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کی پوزیشن کا معاملہ تو وہ قائل تو پہلے ہی تھے ضرورت کے تحت عامل بھی ہو گئے۔" (جواز متعہ ص ۱۱۰)

شیعہ حضرات کے حوالے سے حضرت حسنؓ کا جو عمل ہم نے پیش کیا ہے اسے ملاحظہ فرمانے کے بعد خادم بخاری کے عیوب اور بد دیانتی میں کوئی ذی شعور انسان ذرہ برابر بھی شک کر سکتا ہے؟ بار بار نکاح کرنا اگر حضرت حسنؓ کی ضرورت نہ تھی تو کیا وہ اسے بطور مشغلہ اپنائے ہوئے تھے۔ لامحالہ اسے ضرورت ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور پہلے انہوں نے ضرورت کے اس کٹھن مرحلہ پر متعہ جیسی نعمتِ غیر مترقبہ سے محظوظ ہونے کی ضرورت کیوں نہیں سمجھی۔ جبکہ حضرت زبیرؓ نے تمام عمر ایک ہی شادی پر اکتفا کیا۔ اور ان کی تمام اولاد ایک ہی بیوی سے تولد ہوئی۔

آخر یہ کیا بات ہے کہ ایک بیوی والے کو تو متعہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور جو بار بار شادیاں کرتے ہیں انہیں متعہ کرنے کی ضرورت پیش کیوں نہ آئی۔ آخر ضرورت کس چیز کا نام ہے؟

؎ کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یا حضرت حسنؓ متعہ کرتے تھے یا پھر شیعہ مومن جھوٹ بولتا ہے۔ اور ویسے بھی اگر متعہ اتنی ہی باعثِ شرف و فضیلت کی چیز ہے، تو ائمہ اہل بیت کو متعہ سے بچانے کے لیئے اتنے جتن کرنے اور پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز شیعہ فاضل لکھتے ہیں۔ "متعہ رحمتِ الٰہیہ ہے" (جواز متعہ ص)

حیرت کی بات ہے کہ جب متعہ رحمتِ الٰہی اور شرف و فضیلت کی چیز ہے، تو ائمہ اہلِ بیت کو اس رحمت اور شرف و فضیلت سے کیوں دور رکھا جا رہا ہے۔ کیا ائمہ اہل بیت کو اس کی ضرورت نہیں ہے؟

حضرت ابن عباسؓ اور حرمتِ متعہ۔

شیعہ روافض متعہ کے جواز میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام بڑے طمطراق سے پیش کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اہل سنت اور شیعہ روافض ہر دو کی کتب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اسے ہدیۂ قارئین کیا جائے۔ تاکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی وضاحت ہو جائے۔ اور شیعہ روافض کی خوش فہمی بھی دور ہو جائے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

امام ترمذیؒ بایں الفاظ ایک باب قائم فرماتے ہیں۔

باب ماجاء فی نکاح المتعة

اس باب کے تحت امام صاحب نے حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث تو وہی حضرت علیؓ والی ہے جسے ہم ہر دو مذہب کی کتب سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ دوسری حدیث یہ ہے:

عن ابن عباسؓ قال انما کانت المتعة فی اول الاسلام حتی

اذا نزلت الآية اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
قال ابن عباس فكل فرج سواهما فهو حرام۔ (ترمذی شریف ص ۱۳۳)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ متعہ اسلام کے عہد اوّل میں مشروع تھا۔ یہاں تک آیت کریمہ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہو گیا اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زوجۂ شرعیہ اور مملوکۂ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔"

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کچھ عرصہ تک متعہ کو اضطرار اور شدید ضرورت کی حالت میں جائز سمجھتے رہے۔ پھر حضرت علیؓ کے سمجھانے سے اور آیت "اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" سے متنبہ ہو کر رجوع فرما لیا۔ جیسا کہ مذکورہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کے سمجھانے والی روایت یہ ہے:۔

عن عليّ انّه سمع ابن عبّاس يلين فى متعة النساء فقال مهلا يا ابن عباس فان رسول الله صلى الله عليه وسلّم نهى عنها يوم خيبر وعن لحوم الحمر الانسيّة (مسلم ص ۴۵۲ ج ۱)

حضرت علیؓ نے جب سُنا کہ ابن عباسؓ متعہ کے متعلق کچھ نرم فتوٰی دیتے ہیں تو آپؓ نے فرمایا اے ابن عباسؓ ایسی بات چھوڑ دو کیونکہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرما دی تھی۔

دوسری روایت میں آیا ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ کے دو بیٹے حسن اور عبداللہ بیان کرتے ہیں:
حضرت علی بن محمدؒ (محمد بن حنفیہ) نے کہا کہ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ متعہ کے بارے میں کچھ نرم ہیں تو فرمایا:

انك رجل تائهٌ ان رسول الله نهى عن متعة النسآء

(مسلم ص ۴۵۲ ج ۱)

اے ابن عباسؓ! تو ایک عیاش آدمی معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعۃ النسآء سے منع فرما دیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جناب حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک متعہ عیاشی اور بدمعاشی ہے یہ فتویٰ جناب فاروق اعظمؓ کا نہیں ہے بلکہ جناب مولا علیؓ کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو خالی ممنوع کہا ہے۔ مگر جناب علی المرتضیٰؓ نے تو اسے عیاشی اور بدمعاشی تک کہہ دیا ہے۔ پھر کیا اتنی صراحت و وضاحت کے باوجود اس فعل کو حرام کرنے کی فرد جرم صرف حضرت فاروقِ اعظمؓ پر ہی لگے گی۔ اور حضرت علیؓ المرتضیٰ کیسے بری ہو گئے؟ خدارا کچھ تو انصاف کیجئے اور خدا سے ڈریئے۔

پھر لطف کی بات ہے کہ یہی حضرت علیؓ والی روایت تحفۃ المومنین اور کتاب المحاسن البرقی میں (جو شیعہ کی معتبر کتب ہیں) اِن ہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے جن الفاظ کے ساتھ مسلم شریف میں پائی گئی ہے۔ جب یہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے تو اس کی صحت میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

حضرت عُروہ بن زبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں کھڑے

ہو کر فرمایا :۔

کچھ لوگوں کے دل ویسے ہی نابینا کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے ان کی آنکھیں اندھی کر دی گئی ہیں۔ وہ متعہ کے جواز کا فتوٰی دیتے ہیں۔ آپ ایک شخص ابن عباسؓ پہ تعریض کر رہے تھے کیونکہ آخری عمر میں حضرت ابن عباسؓ کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو پکار کر کہا بلاشبہ تم احمق اور اکھڑ ہو۔ خدا کی قسم امام المتقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابن زبیرؓ نے جواب دیا خود تم اپنا تجربہ کر دیکھو، خدا کی قسم اگر تم نے متعہ کیا تو میں تم کو سنگسار کرا دوں گا۔

الغرض حضرت ابن زبیرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر علماء سے بحث و مناظرہ کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اپنے سابق فتوٰی سے رجوع کر لیا تھا۔ اور متعہ کا منسوخ ہونا ان پر ظاہر ہو گیا تھا۔

جناب خادم بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ خاندان زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ میں اکثر مسئلہ متعہ پہ چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ کیونکہ اولاد زبیرؓ بی بی اسماءؓ کے بطن سے تھی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جواز متعہ کے قائل تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب حرمت متعہ ایکٹ نافذ کیا۔ تو اولاد زبیرؓ نہیں چاہتی تھی کہ ابن عباسؓ ان کو اولاد متعہ میں شمار کر کے معاشرہ میں رسوا کریں۔ (جواز متعہ ص ۵۹)

جب شیعہ کے نزدیک متعہ رحمت الٰہی کا موجب ہے اور اس سے حضرت حسنؓ حسینؓ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اور دوزخ سے آزادی کا پروانہ ملتا ہے اور یہ اتنے فضائل و مناقب والی چیز ہے۔ تو اس سے معاشرہ میں عزت ملتی ہے نہ کہ رسوائی۔

یہ عجیب تضاد بیانی ہے۔ ایک طرف تو فضائل بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اور دوسری طرف اسے فعل ننگ و عار بھی سمجھتے ہیں، متعہ کی اولاد ہونا معاشرہ میں اگر اولاد زبیرؓ کے لیئے رسوائی کا سبب ہے تو دوسروں کے لیئے یہ فعل عزت و شرف کی چیز کیسے ہو سکتا ہے؟

کیا بات ہے تمہاری نگہ انتخاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

امام ترمذیؒ حضرت علیؓ کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں۔

حَدِيْثُ عَلِيٍّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَاِنَّمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ شَيْءٌ مِّنَ الرُّخْصَةِ فِي الْمُتْعَةِ ثُمَّ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهٖ حَيْثُ اُخْبِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۳۳ ج ۱) "یہ حدیث صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں کچھ رخصت روایت کی گئی ہے لیکن انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچنے کے بعد اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

امام فخرالدین رازیؒ تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباسؓ کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے موت کے وقت کہا تھا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ قَوْلِيْ فِي الْمُتْعَةِ (ص ۲۰۰ ج ۳)

اے اللہ! میں اپنے متعہ کی حلت کے قول سے توبہ کرتا ہوں۔

علامہ قرطبیؒ ابن عربیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

وقد کان ابن عباسؓ یقول بجوازها ثم ثبت رجوعه عنها فانعقد الاجماع علی تحریمها فاذا فعلها احد رجم فی مشهور المذهب۔ (ج ۵، ص ۱۳۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا لہٰذا اب متعہ کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اب جو کوئی اس فعل کا مرتکب ہو گا اُسے سنگسار کیا جائے گا۔

ابوبکر جصاصؒ حضرت ابن عباسؓ کے رجوع کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ولا نعلم احداً من الصحابة رض روی عنه تجرید القول فی اباحة المتعة غیر ابن عباسؓ وقد رجع عنه حین استقر عنده تحریمها بتواتر الاخبار من جهة الصحابة۔ (احکام القرآن ص ۱۵۲ ج ۲)

تمام صحابہؓ میں سوائے حضرت ابن عباسؓ کے کوئی بھی حلتِ متعہ کا قائل نہیں۔ اور انہوں نے بھی متعہ کے جواز میں اس وقت رجوع کر لیا تھا جب تمام صحابہؓ سے متعہ کی حرمت ان کے ہاں تواتر کے ساتھ ثابت ہو گئی۔

مندرجہ ذیل روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے متعہ کی حلت سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ابو اسحاق مولیٰ ابن ہاشم کہتے ہیں کہ:۔

انّ رجل سأل ابن عباسؓ فقال کنت فی سفرٍ ومعی جاریة

لی ولی اصحاب فاحللت جاریتی لا صحابی یستمتعون منھا فقال ذلك السِفاح۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۸)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگا کہ میں ایک مرتبہ سفر میں تھا میرے ساتھ میری ایک لونڈی تھی۔ میں نے وہ لونڈی اپنے رُفقاءِ سفر کے لیے مُباح کر دی۔ وہ اس سے مُتعہ کرتے رہے۔ توحضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: یہ تو بالکل زِنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس فتوٰی سے ثابت ہو گیا کہ بعد میں وہ مُتعہ کو زِنا سمجھنے لگے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں۔

وروی عنہ انہ رجع عن ذلك عند ان یلغہ الناسخ وقد قال بجوازھا جماعۃ من الروافض ولا اعتبار باقوالھم۔

(فتح القدیر ص ۴۱۴، ج ۱)

متعہ کی ناسخ دلیل جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پہنچ گئی تو انہوں نے جوازِ متعہ کے قول سے رُجوع کر لیا۔ اب سوائے رافضیوں کی ایک جماعت کے اس کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں رہا۔ اور رافضیوں کے اقوال (شریعتِ اسلامیہ سے متضاد ہونے کی بناء پر) لائقِ التفات ہی نہیں ہیں۔

علّامہ عبدالرحمٰن جزریؒ فرماتے ہیں کہ:-

واما ما روی عن ان ابن عباسؓ قال انہٗ جائز فصحیح کذا قال ذلك قبل ان یلغہ نسخہ وقد وقعت بینہ و

بلين ابن الزبير رض مشادة فی ذلک فقد روی ان ابن الزبیر رض قال ما بال اناس اعمى الله قلوبھم كما اعمى ابصارھم يقولون بحل نكاح المتعة ويعرض يا بن عباس رض لانه كف بصره فقال ابن عباس رض انك جلف جاف لقد رأيت امام المتقين يجيزه فقال له ابن الزبير رض و الله ان فعلته لارجمنك فظاهر ان ابن عباس رض لم يبلغه النسخ فلما بلغه عدل من رايه۔

(کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص ۹۱ ؛ ج ۴)

حضرت ابن عباس رض سے جو متعہ کے جائز اور صحیح ہونے کا قول مروی ہے وہ اس وقت کا ہے۔ جب انہیں متعہ کا منسوخ ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ اور مسئلہ ہذا پر حضرت ابن عباس رض کے ساتھ حضرت ابنِ زبیر رض کی تلخ کلامی بھی ہوئی تھی ۔جس میں حضرت ابنِ زبیر رض نے فرمایا، ان لوگوں کا حال کیا ہے جن لوگوں کے دل اور آنکھیں اللہ نے اندھی کر دی ہیں۔ اور وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ اس سے مراد اُن کی حضرت ابن عباس رض تھے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رض اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت ابن زبیر رض کو جواب دیا کہ تم اکھڑ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت فرمائی ہے۔ حضرت ابنِ زبیر رض نے کہا، خدا کی قسم! اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں رجم کر دوں گا۔ یہاں سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابنِ عباس رض کو متعہ کا منسوخ ہونا معلوم نہ تھا۔

پھر جب انہیں منسوخ ہونے کا علم ہوگیا تو انہوں نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیا۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے جوازِ متعہ کے فتوٰی سے بعد میں رجوع فرما کر دیگر صحابہؓ کی طرح اسے تا قیامت حرام سمجھنے لگے تھے اور قبل ازیں جو انہوں نے حلت کا فتوٰی دیا تھا وہ بھی عام حالات میں نہیں بلکہ غزوات کے موقع پر حالتِ سفر میں مجبوری کی صورت میں تھا جیسا کہ اضطراری صورت میں مردار، خون اور خنزیر کا گوشت مباح ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسے کبھی بھی نکاح کی طرح مباحِ مطلق اور عام حالات میں معمول بہ بنا لینے کا فتوٰی نہیں دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیرؒ بھی حضرت ابن عباسؓ سے یہی نقل کرتے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قلت لابن عباسؓ لقد سارت بفتياك الركبان وقالت فيها الشعراء قال وما قالوا؟ قلت قالوا۔

قد قلت للشيخ لما طال مجلسه
يا صاح هل لك في فتوى ابن عباس
وهل ترى رخصة الاطراف آنسة
تكون مثواك حتى مصدر النّاس

فقام خطيبًا فقال سبحان الله والله ما بهذا افتيت وما هي الا كالميتة والدم ولحم الخنزير لا تحلّ الا للمضطر۔

(۱) نصب الرایہ ج ۳، ص ۱۸۱ (۲) نیل الاوطار ج ۶، ص ۱۳۵، (۳) کتاب الاعتبار ص ۳۳۶ (۴) مغنی ابن قدامہ ص ۵۷۲، ج ۷

"میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ آپ کے فتویٰ کو قافلے (چاروں طرف) لے گئے۔ اور شاعروں نے بھی اس فتویٰ کی بابت شاعری کی۔ فرمایا شاعروں نے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا، یہ شعر نظم کیے گئے۔"

جب شیخ کا قیام طویل ہو گیا تو میں نے اُس سے کہا، میرے دوست! کیا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے فتوائی پر چلنے کی آپ کو خواہش ہے؟ کیا نازک، نرم انگلیوں والی خاتون کی آپ کو ضرورت ہے؟ جو واپسی کے وقت آپ کے لیئے مرکزِ قیام رہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، فرمایا: سبحان اللہ! میں نے تو اس کا فتویٰ نہیں دیا۔ مُتعہ تو بس ایسا ہی ہے جیسے کہ مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت مجبوری کے علاوہ کسی کے لیئے جائز نہیں۔"

امام خطّابیؒ اور سید سابقؒ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کیئے ہیں:

فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون واللّٰہ مابھذا افتیت ولا ھذا اردت ولا احللت الا مثل ما احلّ اللّٰہ المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر ولا تحلّ الّا للمضطر وما ھی الا کالمیتۃ والدّم ولحم الخنزیر

(معالم السنن ص ۱۸، ج ۳۔ فقہ السنۃ ص ۴۳، ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سُن کر اِنّا لِلّٰہ پڑھا اور فرمایا، واللہ! میں نے نہ کبھی اسکا ارادہ کیا اور نہ اس کا فتویٰ دیا۔ میں تو اسے ایسے ہی سمجھتا ہوں جیسے لاچار کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مُردار، خون اور لحم خنزیر

حلال کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں :۔

حضرت ابن ابی عمرہ انصاری نے فرمایا ! آغاز اسلام میں مجبور شخص کے لیئے متعہ کی اجازت تھی ۔ جیسے مردار ، خون اور خنزیر کے گوشت کی ۔ پھر اللہ نے دین کو محکم کر دیا ۔ اور متعہ کی ممانعت فرمادی ۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ، ص ۴۴)

بیہقی نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ :

انتقال سے پہلے حضرت ابن عباس ؓ نے حلت متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا ۔ ابو عوانہ نے صحیح میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے ۔

الغرض حضرت ابن عباس ؓ کے متعلق جس قدر بھی ہم نے روایات و آثار پیش کیے ہیں ان کے پیش نظر کوئی بھی جسے علم کی تھوڑی سی شد بدھ ہے ، اور عقل و حواس کچھ کام کر رہے ہوں تو حضرت ابن عباس ؓ کو لاچاری ، مجبوری اور سفری حالت کے بغیر ہمیشہ کے لیئے مطلق حلت متعہ کا قائل قرار دینے کی جسارت نہیں کرے گا ۔

اگر شیعہ حضرات نے حضرت ابن عباس ؓ کے فتویٰ سے فائدہ اٹھانا ہی ہے تو کم از کم متعہ کرتے کراتے وقت مردار ، خون اور خنزیر کی طرح سمجھ کر فائدہ اٹھانا چاہیئے ۔ کیونکہ حضرت ابن عباس ؓ رجوع سے قبل متعہ کو ایسا ہی سمجھتے تھے ۔

حرمتِ متعہ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے!

متعہ کی حرمت چونکہ کتاب وسنّت کی نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔ بایں وجہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی حرمت کے قائل تھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعہ کے متعلق سوال ہُوا تو انہوں نے فرمایا:۔

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ فَقَرَأَتْ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ الخ

(بیہقی ص ۲۰۶ ج ۷)

میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہی فیصل موجود ہے۔ پھر انہوں نے سورۃ المؤمنون کی آیت تلاوت کی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلتِ جماع کو دو چیزوں یعنی زوجیت اور ملکِ یمین میں منحصر کر دیا ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت حلتِ جماع کے لیئے موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ان صورتوں کے علاوہ سے جماع کرنا، زنا کرنا تصوّر ہوگا۔

علّامہ ابو بکر جصّاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:۔

حلّتِ متعہ کے قائلین نے قرآنِ پاک کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (المائدہ)

اے ایمان والو! حلال کردہ پاک چیزوں کو حرام نہ کرو۔ اور نہ حد سے بڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

وجہِ استدلال اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں کہ :-

"ہم غزوات میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ اور ہماری بیویاں ہمارے ساتھ نہیں ہوتی تھیں۔ بدیں وجہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور مُتعہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔"

اس سے ثابت ہوا کہ مُتعہ اللہ کی حلال کردہ طیبات میں سے ہے۔

اوّلاً اس کا جواب یہ ہے کہ :

مذکورہ آیت کا شانِ نزول صحیح روایات کے مطابق حلّتِ مُتعہ نہیں بلکہ شانِ نُزول یہ ہے کہ :-

چند جلیل القدر صحابہؓ جن میں حضرت صدیقؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کے لیے وہ ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے۔ ساری رات قیام میں گزاریں گے۔ بستروں پر نہیں سوئیں گے۔ عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے۔ اونی لباس پہنیں گے اور دنیا سے قطع تعلق کریں گے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں بلا کر یہ بصیرت افروز ارشاد فرمایا کہ مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا۔

اِنَّ لِاَنْفُسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا وَقُوْمُوْا وَنَامُوْا فَاِنِّیْ اَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاٰكُلُ اللَّحْمَ وَالدَّسَمَ وَاٰتِی النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۔ (کشاف)

اے میرے صحابہ رض! تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے اس لیئے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، اور راتوں میں جاگ کر عبادت بھی کرو، اور آرام سے سوؤ بھی، کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں، اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں۔ اور اپنی ازواج سے مقاربت بھی کرتا ہوں۔ (یہ میرا طریق کار اور سنت ہے) جس نے میری سنت سے منہ موڑا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

ثانیاً اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس آیت کا شانِ نزول حلتِ مُتعہ کے لیئے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:-

یہ آیت متعہ کی حرمت سے قبل کی ہے۔ بعد میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تا قیامت حرام کر دیا تھا (اس سلسلے کی روایات ہم پہلے لکھ چکے ہیں) ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ یہ کسی وقت حلال تھا، پھر حرام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی مذکورہ روایت جس سے اباحت ثابت کی جاتی ہے۔ اس میں تاریخ کا تعیّن نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ حرمت کی روایات، اباحت کے بعد کی ہیں۔

اور اگر حرمت و اباحت کا مساوی درجہ بھی مان لیا جائے، تب بھی حرمت، اباحت سے زیادہ اَولیٰ ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں حرمت و اباحت کے دلائل متعارض ہوں تو حرمت پر عمل کرنا زیادہ اَولیٰ ہوتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ متعہ کو مباح کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ آیت کو تلاوت کرنا، تو اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ یا تو آپؐ کی مراد خصی ہونے سے منع کرنا، اور نکاحِ مباح کو حرام کرنا ہوگا، یا

۲۔ آپ کی مراد متعہ ہی تھی لیکن اس وقت جب کہ یہ حلال تھا۔ چنانچہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ،

"طلاق، عدت، میراث کی وجہ سے متعہ منسوخ ہو گیا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے متعہ کا حلال ہونا سب کو معلوم تھا، اگر متعہ منسوخ نہ ہوتا بلکہ اس کی اباحت باقی رہتی، تو یہ عموم حاجت کی بناء پر تواتر کی حد تک مشہور و معروف ہونا چاہیئے تھا۔ اور خاص و عام سب کو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اگر اس کی اباحت باقی ہوتی تو صحابہؓ کا اس کی حرمت پر اجماع نہ ہوتا۔ جب ہم صحابہؓ کو دیکھتے ہیں، تو وہ متعہ کی اباحت کا انکار کرتے ہیں۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے متعہ مباح تھا پھر تا قیامت حرام ہو گیا۔ اور سبھی جانتے ہیں کہ متعہ کی نکاحِ شرعی جیسی پوزیشن نہیں۔ کیونکہ نکاحِ شرعی کی اباحت میں کبھی کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

اور یہ بھی سبھی کو معلوم ہے کہ متعہ کی ضرورت اگر نکاحِ شرعی کی طرح ہوتی تو متعہ بھی ضرورت و حاجت کی بناء پر مباح ہوتا اور اس کی حلت تواتر کے ساتھ منقول ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہے، کیونکہ صحابہؓ میں سے سوائے ابنِ عباسؓ کے کسی بھی صحابیؓ نے حلتِ متعہ کا فتویٰ نہیں دیا۔

رہا حضرت ابنِ عباسؓ کا معاملہ: تو انہوں نے بھی اس وقت رجوع کر لیا جب ان کے ہاں صحابہؓ سے تواتر کی حد تک تحریمِ متعہ کی احادیث پہنچ گئیں۔

اور صحابہؓ کے نزدیک متعہ کی حلت کا منسوخ ہونا، اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ آپؓ نے دورانِ خطبہ فرمایا:

مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْهٰى عَنْهُمَا

وَأُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا ط (احکام القرآن ج ۲، ص ۱۵۲)

رسولِ پاکؐ کے زمانہ میں دو متعے تھے، اب میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور جو کوئی ان کا ارتکاب کرے گا، اُسے سزا دوں گا۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

لَوْ تَقَدَّمْتُ فِيهِمَا لَرَجَمْتُ۔

اگر میں نے روکنے کا پہلے سے واضح اعلان کیا ہوتا تو اب اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو رجم کرنے کا حکم دیتا۔

حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے دو باتوں میں سے ایک بات ثابت ہوتی ہے، یا تو متعہ کی اباحت کا صحابہؓ کو علم تھا، بایں ہمہ حضرت عمرؓ کے منع کرنے پر ان کی رائے سے اُنہوں نے اتفاق کیا، حالانکہ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ صحابہؓ نے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صحابہؓ کی مدح میں فرماتے ہیں :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آلِ عمران)

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔ کیونکہ تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔

تو ان سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کی مخالفت کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی مخالفت مُؤَدِّی اِلَی الْکُفْر اور اِنْسِلَاخ عَنِ الْاِسْلَام ہے۔ کیونکہ جس شخص کو یہ علم ہے کہ متعہ حضورِ پاکؐ نے مباح کیا ہے پھر وہ اسے منسوخ

مانے بغیر اس کی حرمت کا قائل ہو جائے تو وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جائے گا۔

جب یہ تمام باتیں صحابہؓ میں ناممکن ہیں تو ہم یقین اور علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں، کہ متعہ کی اباحت کے بعد اس کی حرمت کے قائل ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر وہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے روکنے پر تمام صحابہؓ نے کسی قسم کا انکار کیے بغیر آپؓ کی موافقت کی۔ اور اگر صحابہؓ کے ہاں متعہ کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کے اعلان پر وہ کبھی خاموش نہ رہتے۔

وَفِیْ ذٰلِكَ دَلِیْلٌ عَلٰی اِجْمَاعِهِمْ عَلٰی نَسْخِ الْمُتْعَةِ اِذْ غَیْرُ جَائِزٍ حَظْرُ مَا اَبَاحَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْ طَرِیْقِ النَّسْخِ۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۲، ص ۱۵۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ متعہ کے منسوخ ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جس چیز کو آپ مباح قرار دیں تو اس سے روکا جائے۔ ہاں اگر اسے منسوخ سمجھ کر روکا جائے تو یہ الگ صورت ہے۔

امام طحاوی علیہ الرحمۃ متعہ کے حرام ہونے کی اَدِلّہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهٰذَا عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ نَهٰی عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ بِحَضْرَةِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَیْهِ مِنْهُمْ مُنْكِرٌ وَفِیْ هٰذَا دَلِیْلٌ عَلٰی مُتَابَعَتِهِمْ لَهٗ عَلٰی مَا نَهٰی عَنْهُ مِنْ ذٰلِكَ وَفِیْ اِجْمَاعِهِمْ عَلَی النَّهْیِ فِیْ ذٰلِكَ عَنْهَا دَلِیْلٌ عَلٰی نَسْخِهَا وَحُجَّةٌ۔ (شرح معانی الآثار ص ۲۷ ج ۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے متعۃ النساء سے اصحاب رسول ﷺ کی موجودگی میں روکا، اور سب نے سکوت اختیار کیا اور ان میں سے کوئی بھی ان کے روکنے اور منع کرنے پر معترض نہ ہوا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر ہی تھے۔ متعہ کے ممنوع وحرام ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع متعہ کے منسوخ ہونے پر دلیل قاطع اور برہان واضح ہے۔

شیخ محمد علی صابونی فرماتے ہیں کہ:

ان عمر رضی اللہ عنه حرمها وهو علی المنبر ایام خلافته واقره الصحابة رضی اللہ عنهم وما کانوا لیقروه علی خطأ لو کان مخطأ فکان ذلك منهم اجماعًا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں منبر پر کھڑے ہو کر متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تصدیق کی۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ غلطی پر ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی بھی ان کی تصدیق و توثیق نہ فرماتے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حرمتِ متعہ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

(روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن ص ۴۵۹، ج ۱)

فقہائے حنبلیہ میں سے مشہور ابن قدامہ، نکاح متعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

فهذا نکاح باطل نص علیه احمد فقال نکاح المتعة حرام۔ وهذا قول عامة الصحابة والفقهاء۔

(مغنی مع شرح الکبیر ص ۵۷۱، ج ۷)

نکاحِ متعہ باطل ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صراحۃً اس کی حرمت کا فتویٰ دیا

ہے۔ یہی مسلک تمام صحابہؓ اور فقہائے دین کا ہے۔

فقہ حنفیہ کی مشہور درسی کتاب ہدایہ میں ہے:۔

ثبت النسخ باجماع الصحابة وابنُ عباس صح رجوعهُ الی قولهم فتقرر الاجماع۔ (کتاب النکاح ص ۲۹۳، ج ۲)

نسخِ متعہ پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ بھی اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر کے نسخِ متعہ کے قائل ہو گئے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ متعہ کی حرمت پر تمام صحابہؓ متفق ہیں۔

ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد کان ابن عباسؓ یقول بجوازها ثمّ ثبت رجوعه عنها فانعقد الاجماع علی تحریمها فاذا فعلها احد رُجم فی المذهب المشهور۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی ص ۱۳۲، ج ۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ متعہ کے جواز کے قائل تھے لیکن بعد ازاں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اب متعہ کی حرمت پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔ لہٰذا اب جو کوئی اس فعل کا مرتکب ہو گا، اسے رجم کر دیا جائیگا۔

عبدالرحمٰن بن نعیم اعرجی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے متعہ کے متعلق سوال کیا تو وہ بڑے غضبناک ہوئے اور فرمانے لگے:۔

وَاللّٰهِ مَا کُنَّا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زُنَاةً وَّلَا مُسَافِحِیْنَ۔ (الفتح الربانی ج ۱۶، ص ۱۹۱)

اللہ کی قسم! ہم زمانۂ رسالت مآبؐ میں زانی اور بدکار نہیں تھے۔

اِس سے معلوم ہُوا کہ مُتعہ حرام ہونے کے بعد صحابہؓ اس فعل کو زِنا اور بدکرداری گردانتے تھے۔

نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اِنَّهٗ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ حَرَامٌ اَمَا اِنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ لَوْ اَخَذَ فِيْهِمَا اَحَدًا الرَّجَمَهٗ بِالْحِجَارَةِ۔

آپ سے مُتعۃ النساء کے متعلّق دریافت کیا گیا تو فرمانے لگے یہ حرام ہے۔ اگر حضرت عمرؓ اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کسی مجرم کو پکڑ لیتے تو سنگسار کروا دیتے۔ (السنن الکبری ص ۲۰۶، ج ۷)

مولانا خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں کہ :-

اختلف الصّحابة فقال بعضهم باباحتها لعدم بلوغهم النسخ ثمّ رجعوا عن الاباحة وقالوا بحرمتها فانعقد الاجماع على حرمتها الاقوم من الروافض قالوا باباحتها والعجب منهم كيف قالوا باباحتها وهم ينسبون الى علىؓ ابن ابيطالب وقد ثبت عنه حرمتها المؤبدة فما هى الا النزغة الشيطانية والهوى النفسانية الّتى حملتهم على ذلك (بذل المجہود شرح ابی داؤد ص ۱۶، ج ۴)

مُتعہ کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف تھا۔ بعض (کچھ عرصہ کے بعد) اس کی اباحت کے قائل رہے لیکن جب ان کو اس کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تو انہوں نے حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ اور حرمت مُتعہ کے قائل ہو

گئے۔ لہٰذا متعہ کے حرام ہونے پر اُمت کا اجماع منعقد ہو گیا سوائے روافض کے وہ اس کی حلت کے اب بھی قائل ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیعہ حضرات باوجود شیعانِ علیؓ کا مدعی ہونے کے متعہ کی حلت کے قائل ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ اسے تاقیامت حرام سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ شیعانِ علیؓ نہیں ہیں۔ بلکہ شیطانی وسوسوں و خیالات کے پیروکار اور ہوائے نفسانی کے شہسوار ہیں۔

خُلاصہ

اجماعِ صحابہؓ کے سلسلہ میں ائمہ اہل سُنّت کی کتبِ احادیث اور کتبِ فقہ سے متعدد عبارتیں ہم نے نقل کی ہیں جنہیں پڑھ کر کوئی شخص بھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ تمام صحابہؓ متعہ کے قائل و عامل تھے۔ ایسا کہنا حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے، مگر افسوس ہے کہ ہمارے فاضل (شیعہ) دوست سید بشیر حسین شاہ صاحب صدر مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود کتبِ اہلِ سُنّت کی مذکورہ عبارات سے یکسر بے خبر و بے علم ہیں۔ تب ہی تو انہوں نے تمام صحابہؓ کو کتبِ اہلسنّت سے متعہ کے قائل و عامل ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

صحابہؓ پر اتنے بڑے افتراء و بہتان کی دو ہی وجہیں ہماری سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ یا تو ہمارے فاضل دوست علم سے تہی دست ہونے کی وجہ سے کتبِ اہلِ سنّت سے نابلد ہیں؟

۲۔ یا پھر انہیں اس بات کا علم تو ہے کہ تمام صحابہؓ متعہ کو حرام سمجھتے تھے، لیکن بایں ہمہ اس کے برعکس صحابہؓ پر متعہ کے قائل و عامل ہونے کا

الزام لگا کر تقیہ جیسی افضل و اعلیٰ عبادت کا ثواب حاصل کر رہے ہیں. ہمارے خیال میں یہ مؤخر الذکر وجہ ہی شاید اصل ہو. کیونکہ شیعہ مذہب میں تقیہ کو بڑی اہمیت و وقعت حاصل ہے کہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ کافی کلینی کے الفاظ یہ ہیں:۔

تسعة اعشار الدين فى التقية ولا دين لمن لا تقية له۔ (اصولِ کافی ص ۲۱، ج ۲)

تقیہ دین کے نو حصے ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا دین نہیں۔

ہمارے کرم فرما سید صاحب اگر اصل حقیقت کا اعلان کرتے تو لا دین لمن لا تقیۃ لہ کے بموجب دین سے خارج ہو جاتے. تب ہی تو انہوں نے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے تمام صحابہ رضؓ کو متعہ کا قائل و عامل ٹھہرایا ہے۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اجماعِ صحابہؓ پر ایک جاہلانہ اعتراض

ہم نے متعدد حوالہ جات سے ثابت کیا تھا کہ حرمتِ متعہ پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے. چنانچہ اس پر جناب خادم بخاری صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جو صحابہؓ متعہ الحج کے امتناع پر کوئی اعتراض نہیں کرتے اور سر تسلیم خم کیئے بیٹھے رہے، وہ صحابہؓ اگر متعۃ النساء کے حرام کیئے جانے پر خاموش رہے تو اس خاموشی کو اجماع کا نام کیسے دیا جا سکتا ہے؟ (جوازِ متعہ ص ۴۷)

ہم کہتے ہیں کہ جہاں تک متعۃ النسآء کا تعلّق ہے اس میں تو صحابہ کرام کی خاموشی موافقت کی علامت تھی۔ کیونکہ متعۃ النسآء ان کے نزدیک بدکاری ہے۔ اور بدکاری کے روکنے پر ان کی خاموشی ان کے اجماع کی بیّن دلیل ہے۔

لیکن جہاں تک متعۃ الحج کی بات ہے اس میں ہمارے شیعہ دوست جھوٹ بول رہے ہیں۔ کیونکہ تمام صحابہ کرام کی خاموشی منقول نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عبُداللہ بن عمرؓ نے اس مسئلہ میں اپنے والد کی مخالفت کی ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے حجِ تمتّع کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا "ھی حلال" (جائز ہے)۔ تو سوال کرنے والے شامی نے کہا:۔

ان اباک قد نھی عنھا فقال عبداللہؓ بن عمر ارأیت ان کان ابی نھی عنھا و منعھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال الرجل بل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لقد منعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترمذی ص ۱۰۱)

آپؓ کے والدؓ نے حج تمتّع سے منع کر دیا ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، آپ یہ بتائیں کہ ایک کام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا ہو، اور میرے باپ اس سے روکیں، تو کس کی اتباع کرنی ہوگی؟ تو اس آدمی نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بات کی پیروی کی جائے گی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، بس پھر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

کیا ہے۔ (یہ آپ کی سنّت ہے)

دیکھیے اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کتنی صراحت سے باپ کی مخالفت مذکور ہے۔ مگر ہمارے خادم صاحب فرما رہے ہیں کہ صحابہ کرامؓ خاموشی سے بیٹھے رہے کسی نے مخالفت نہیں کی۔ پھر حیرت کی بات ہے کہ خود خادم صاحب نے اپنے کتابچہ "جوازِ متعہ" کے ص ۴۷ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مخالفت کا خود بھی ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حافظہ خراب ہے، ورنہ خود لکھ کر اس کی مخالفت چہ معنی دارد ؟

ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں :-

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت ضحاکؓ بن قیس ایک دفعہ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے کہ حجِ تمتع کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت ضحاکؓ بن قیس فرمانے لگے کہ حجِ تمتع وہی کرتا ہے جو اللہ کے حکم سے بے خبر ہو۔ حضرت سعدؓ نے کہا، اے بھائی! تو نے بُری بات کہی، حضرت ضحاکؓ نے کہا:-

فان عمر بن الخطابؓ نهى عن ذلك فقال سعد قد صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم وصنعناها معه۔ (ترمذی ص ۱۰۱)

حضرت عمرؓ نے اس سے روکا ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا کیا ہے اور ہم نے بھی آپؐ کے ہمراہ ایسا کیا۔

اس روایت میں حضرت سعدؓ کی مخالفت صراحت کے ساتھ مذکور ہے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ دوست کا یا تو مطالعہ ناقص ہے یا پھر بددیانتی کارفرما ہے۔ جو ان کا شیوہ ہے۔
اب مذکورہ دو مخالفتوں کے علاوہ ایک تیسری مخالفت بھی ملاحظہ ہو۔ جو شاید شیعہ

فاضل کے نزدیک زیادہ معتبر ہو گی۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں اختلاف

جس طرح حضرت عمرؓ لوگوں کو حج تمتع سے روکتے تھے، اسی طرح حضرت عثمانؓ بھی حج تمتع سے منع کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حج افراد چونکہ افضل ہے۔ اس لئے لوگوں کو افضل کی ترغیب دیتے ہوئے حج تمتع سے منع کرتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو جب حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی۔ اور حج تمتع کا احرام باندھ کر تلبیہ پکارا۔

چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

اختلف علیؓ وعثمانؓ رضی اللہ عنہما وھما بعسفان فی المتعۃ فقال علیؓ ما ترید الا ان تنھی عن امر فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رأی ذلک علیؓ اھل بھما جمیعًا۔

(بخاری باب المتعہ والقران والافراد۔ مسند احمد)

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ مقام عسفان میں حج تمتع کے بارے میں اختلاف کیا حضرت علیؓ نے کہا، تمہارا مطلب کیا ہے؟ تم اس کام سے منع کرتے ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ بحث جانے دو حضرت علیؓ نے یہ حالات دیکھے تو حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا۔

حضرت مروان بن حکم فرماتے ہیں:۔

شهدت عثمان وعليا وعثمان ينهى عن المتعة وان يجمع بينهما فلما رأى عليؓ اهل بهما لبيك بعمرة وحجة قال ما كنت لادع سنة النبي صلى الله عليه وسلم لقول احد (بخاری ص)

میں اس وقت موجود تھا جب حضرت عثمانؓ (اپنی خلافت میں) حج تمتع اور قران سے منع کرتے تھے حضرت علیؓ نے یہ حالات دیکھ کر یوں احرام باندھا، لبیک بعمرۃ حجۃ اور کہنے لگے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو کسی کے قول (یا فعل) پر نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت عمرؓ و حضرت عثمان پر حج تمتع اور قران کا جواز مخفی نہ تھا۔ نہ ان کی یہ غرض تھی کہ یہ ہر دو مطلقاً درست نہیں، بلکہ غرض منع کرنے سے یہ تھی کہ لوگ افراد پر عمل کریں کہ وہ افضل ہے سو حضرت علیؓ نے قران کیا تاکہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ کی نہی کو حرمت پہ حمل نہ کرے اور اس کا جواز شائع ہو جائے۔

نسائی شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب نے تمتع کیا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو منع کیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، ہاں معلوم ہے۔ اس سے قبل حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا:۔

ترانی انهى الناس وانت تفعله

جب تمہیں معلوم ہے کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں پھر تم اس کے خلاف کیوں کرتے ہو؟

تب حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ کسی کے قول کے آگے میں سنّتِ رسولؐ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

دیکھئے! یہاں حجِ تمتّع کے مسئلہ میں حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود حضرت علیؓ نے کتنی مخالفت کی ہے۔ اور خلیفۂ وقت کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اور پھر چونکہ مسئلہ زیرِ بحث میں خلیفۂ دوم وسوم کا ایک ہی نظریہ تھا۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنے سے حضرت عمرؓ کی مخالفت بھی ثابت ہو گئی۔ پس ثابت ہُوا کہ حضرت عمرؓ کے حجِ تمتّع سے روکنے پر صحابہ کرامؓ خاموش نہیں رہے۔ جیسا کہ ہمارے شیعہ فاضل خادم بخاری کا زعم فاسد ہے۔

لیکن جب حضرت عمرؓ نے بموجب فرمانِ رسولؐ متعۃ النساء سے لوگوں کو روکا تو تمام صحابہؓ خاموش رہے۔ کسی نے بھی ان کی اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی۔ یہاں تک کہ شیرِ خدا مولا علیؓ جس نے متعۃ الحج کے مسئلہ میں پوری قوت سے مخالفت کی تھی، وہ بھی متعۃ النساء کے مسئلہ میں خاموش رہے تو معلوم ہُوا، متعۃ النساء کی حرمت پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ اور جناب خادم صاحب کی بات غلط ہے۔

اَمر بالمعرُوف اور نہی عنِ المنکر!

نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا اُمت کے ہر فرد پر لازم ہے۔ اگر بالفرض جناب بخاری صاحب کی بات مان بھی لی جائے کہ اعلانِ فاروقیؓ پر تمام صحابہؓ احتجاج کیئے بغیر سر نگوں کیئے بیٹھے رہے۔ تو یہ ان کی خاموشی ایمان و قرآن کے تقاضہ کے خلاف ہے۔ بُرائی کو دیکھ کر وہ کیوں خاموش رہے؟ حالانکہ کسی ادنیٰ مسلمان کے لیئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ بُرائی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرے۔ چہ جائیکہ صحابہؓ کے متعلق

یہ گمان کیا جائے جس کا تصور بھی ہمارے نزدیک گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ آلِ عمران میں فرماتے ہیں:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیئے نکالی گئی ہے۔ کیونکہ تم نیک کاموں کا لوگوں کو حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو،

ہم جناب خادم بخاری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر اعلانِ فاروقی رضؓ شریعت کی خلاف ورزی تھی تو صحابہؓ کرام خاموش رہ کر خیر اُمت کیسے بن گئے؟ اگر وہ خیر اُمت نہیں ہیں تو بتائیں دنیا میں اور کون خیر اُمت ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ پھر اگر صحابہؓ نے صدائے احتجاج بلند نہیں کی تو جناب شیرِ خدا، مولیٰ علیؓ کہاں تھے؟ انہوں نے کیوں خاموشی اختیار کی؟ جبکہ انہوں نے متعۃ الحج کے مسئلہ میں حضرت عثمانؓ کی شدید مخالفت کی ہے؟ شیعہ فاضل اور ان کے اعوان و انصار ہمارے اس سوال کا جواب قیامت تک نہیں دے سکتے۔

"وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا"

حُرمتِ مُتعہ کی ایک اور دلیل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں ہوتے تھے اور جوان تھے۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی نہ تھیں۔ ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلّم سے کہا کہ اجازت ہو تو ہم لوگ خَصّی ہو جائیں۔ حضورؐ نے منع فرمایا، اور کپڑا دے کر ایک مدّت تک متعہ کرنے کی رُخصت دی۔ (مُسلم ص ۴۵۰، ج ۱)

مذکورہ حدیث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے مُتعہ جائز ہوتا اور صاحبِ نبوّت نے اس کی اِجازت دی ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس قدر مجبور ہو کر آپؐ سے خَصّی ہونے کی اِجازت طَلَب نہ کرتے۔ کیونکہ ان کے پاس قضاءِ شہوت کا آسان نسخہ بصُورت متعہ موجُود تھا تو پھر اندیشۂ گناہ ہی بے معنی ہے۔ صحابہؓ کے سوال سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مُتعہ مثل نکاح شرعی کے نہیں ہے۔ نکاحِ شرعی کے لیئے کسی صحابیؓ نے کسی وقت بھی آپؐ سے اِجازت طلب نہیں کی، اور مُتعہ جتنی دفعہ بھی مُباح ہُوا نہایت مجبُوری اور اضطرار کی حالت میں ہُوا۔

اگر متعہ کی حلت نکاحِ شرعی جیسی ہوتی تو صحابہؓ آپؐ سے قطعاً خَصّی ہونے کی اجازت طَلَب نہ کرتے اور بوقتِ ضرورت مُتعہ کے ذریعہ شہوت پُوری کر لیتے۔ لہٰذا صحابہؓ کا سوال کرنا ہی اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ مُتعہ حرام ہے اور اس کی حلت عارضی اور بوجہ اضطرار و لاچاری تھی۔

چنانچہ امام ابوحاتم البستی اپنی صحیح میں اسی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

قولهم للنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم الا نستخصي دليل على انّ المتعة كانت محظورة قبل ان اُبيح لهم الاستمتاع ولو لم تكن محظورة لم يكن لسوالهم عن هذا معنىً۔ (تفسیر قُرطبی ص ۱۳۰، ج ۵)

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپؐ سے خَصّی ہونے کی اِجازت طَلَب کرنا

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ متعہ پہلے حرام تھا، اور اگر حرام نہ ہوتا تو صحابہؓ کا سوال بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور حرمتِ متعہ

شیعہ حضرات بغض و عناد کی بناء پر حرمتِ متعہ کی نسبت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال کیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسے حرام کر دیا۔ حالانکہ یہ الزام سرے سے غلط ہے۔

کیونکہ متعہ کی حرمت خود قرآنِ پاک کی نصوص اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح، صریح اور حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے۔ جن کا مفصل ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا، درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ اس حکم کے موجِد نہیں تھے۔ بلکہ اسے صرف نافذ، شائع اور مشتہر کرنے والے تھے چونکہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں دیا تھا۔ اور عام لوگوں تک نہ پہنچا تھا۔ اس لیئے حضرت عمرؓ نے اس کی عام اشاعت کی اور بذریعہ قانون اسے نافذ کیا۔ چنانچہ اس کی تصدیق مندرجہ ذیل دلائل سے ہوتی ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کا حرام ہونا متعدد احادیث سے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر کوئی بھی منصف مزاج آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو موجدِ حرمتِ متعہ نہیں گردانے گا۔

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ:

"ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مٹھی بھر کھجور یا ایک مٹھی ستو پر متعہ کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے عمرو بن حریثؓ کے واقعہ کے بعد بالکل منع کر دیا۔ (صحیح مسلم شریف ص ۴۵۱، ج ۱ ، مصنف عبدالرزاق ص ۵۰۰ ج ۷)

۳۔ ابن ماجہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں:-

اِنَّہٗ خَطَبَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لَنَا فِی الْمُتْعَۃِ ثَلَاثًا ثُمَّ حَرَّمَہَا وَاِنَّہٗ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا تَمَتَّعَ وَھُوَ مُحْصَنٌ اِلَّا رَجَمْتُہٗ بِالْحِجَارَۃِ۔

(ابن ماجہ شریف ص ۱۴۲، ج ۲)

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے لیئے متعہ مباح کیا۔ پھر بعدازاں خود ہی آپؐ نے اُسے حرام بھی قرار دے دیا۔ واللہ! جس نے شادی شدہ ہو کر متعہ کیا تو میں اُسے پتھروں سے رجم کر دوں گا۔

لہ۔ یشیر الی قول عمر فی قضیۃ عمرو بن حریثؓ لا تؤتی برجل تمتع وھو محصن الا رجمتہ ولا برجل تمتع وھو غیر محصن الا جلدتہ وقصۃ عمرو بن حریثؓ اخرجھا عبدالرزاق فی منصفہ (ص ۵۰۰ ج ۷) عن جابر قال قدم عمرو بن حریثؓ الکوفۃ فتمتع بمولاۃ فاتی بھا عمر حبلی فسألہ فاعترف قال فذلک حین نھی عنھا عمر (بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی ص ۱۹۱ ج ۱۶) حاشیہ از صفحہ ۶۳۔

اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ متعہ خود حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حرام کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صرف یہ کیا کہ اسے قانوناً نافذ کیا۔ اور اس کی حرمت کی تشہیر کی۔ اس صراحت و وضاحت کے باوجود کوئی احمق سر پھرا اور معاند و متعصّب ہی حضرت عمرؓ کو متعہ کی حرمت کا موجد قرار دے گا۔ ورنہ جس شخص میں ذرا بھی عقل و حیا ہو گی وہ کبھی بھی خلیفہ ثانیؓ، دامادِ علیؓ کو ابتداءً متعہ سے روکنے والا اور اُسے حرام کرنے والا نہیں گردانے گا۔

۴۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

إِنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ حَكِيمٍ دَخَلَتْ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَتْ إِنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أُمَيَّةَ اسْتَمْتَعَ بِامْرَأَةٍ مُوَلَّدَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ فَخَرَجَ عُمَرُ يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَزِعًا فَقَالَ هٰذِهِ الْمُتْعَةُ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهِ لَرَجَمْتُهُ۔

حضرت خولہ بنت حکیم نے حضرت عمرؓ کو جا کر اطلاع دی کہ ربیعہ بن اُمیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ گھبراہٹ سے چادر کھینچتے ہوئے باہر نکلے، فرمانے لگے، اگر میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متعہ سے نہی کی عام اِشاعت کی ہوتی تو میں اُسے (ربیعہ کو) رجم کر دیتا۔ (سنن بیہقی ص ۲۰۶، ج ۷)

۵۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

ہمیں اس میں شک نہیں ہے کہ متعہ زمانۂ رسالت میں پہلے مُباح تھا۔ پھر آپؐ نے فتح مکّہ میں اسے ممنوع قرار دے دیا۔ پھر آپؐ نے اس کی اِجازت

نہیں دی تا آنکہ آپؐ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (بیہقی ص ۲۰۶، ج ۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا متعہ سے لوگوں کو روکنا درحقیقت سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت تھی "اپنی طرف سے ایجاد نہیں تھا" ہم بھی اس بارے میں اُن کے ساتھ متفق ہیں۔

۶۔ حضرت سالم بن عبداللہ رضؓ اپنے باپؓ سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

صَعِدَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَنْكِحُوْنَ هٰذِهِ الْمُتْعَةَ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا اَلَا وَاِنِّيْ لَا اُوْتٰى بِاَحَدٍ نَكَحَهَا اِلَّا رَجَمْتُهٗ۔ (سنن کبریٰ ص ۲۰۶، ج ۷)

حضرت عمرؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حمد و ثناء کے بعد فرمایا، جو لوگ مُتعہ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس اس کا کیا جواز ہے؟ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُتعہ سے منع کر دیا ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرنے کے لیئے اعلان عام کرتا ہوں کہ جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ اس نے مُتعہ کا ارتکاب کیا ہے تو اسے سنگسار کر دوں گا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے بذاتِ خود ابتداءً اس فعلِ قبیح سے لوگوں کو نہیں روکا تھا۔ بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خود روکنے اور منع کرنے کی اتباع کرتے ہوئے لوگوں کو منع کیا تھا۔

لٰہذا حضرت عمرؓ پر حرمتِ مُتعہ کا الزام لغو، مردود اور باطل ہے۔

۷۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:۔

قَالَ الْبُخَارِيُّ بَيَّنَ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَنْسُوْخٌ

(صحیح بخاری شریف ص ۷۶۷، ج ۲)

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ متعہ کا نسخ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے۔"

لہٰذا حضرت عمرؓ پر ابتداءً حرمت کا الزام بے بنیاد ہے۔

۸۔ مغنی ابنِ قدامہ میں ہے:۔

الظاهر انّه انّما قصد الاخبار عن تحريم النبيّ صلّى الله عليه وسلّم لها ونهيه عنها اذلا يجوز ان ينهى عمّا كان النبيّ صلّى الله عليه وسلم اباحه وبقى على اباحته

(مغنی ابن قدامہ ص ۵۷۳، ج ۷)

حضرت عمرؓ کے فعل سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپؐ کی تحریم اور نہی کی اشاعت کی ہے یہ تو ناممکن ہے کہ جس کو آپؐ مباح قرار دیں اور اس سے حضرت عمرؓ لوگوں کو روکیں۔

حُرمتِ مُتعہ اور حدیثِ عمران بن حُصین رضؓ

جناب شیعہ فاضل نے حلّتِ متعہ پہ حدیثِ عمران بن حصینؓ سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

انزلت اٰیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ ففعلناھا مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ولم ینزل قراٰن یحرمہ ولم ینہ عنھا حتی مات قال رجلٌ برأیہ ماشآء۔

"کتاب اللہ میں آیتِ متعہ نازل ہوئی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمتع کیا، اور قرآن میں نہ اس کی حرمت نازل ہوئی اور نہ اس سے منع کیا گیا۔ لیکن ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا، کہہ دیا۔"

(بخاری شریف ص ۶۴۸ ج ۲، کتاب التفسیر)

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ یہاں رَجُلٌ سے مُراد حضرت عمرؓ ہیں۔ اور بقول حضرت عمران بن حصینؓ صحابہ کرامؓ آپؓ کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے محض اپنی رائے سے لوگوں کو روک دیا۔

مگر اس حدیث سے استدلال کر کے متعۃ النسآء کی حلّت ثابت کرنا باطل و مردود ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ شیعہ فاضل نے تَمَتَّعْنَا کے لفظ سے دھوکہ کھا کر متعۃ الحج کی بجائے متعۃ النسآء سمجھ لیا۔ حالانکہ اس سے حِج تمتع مُراد ہے۔ متعۃ النسآء نہیں۔

چنانچہ بخاری شریف میں یہ روایات دو مقام پر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو :-

۱۔ کتاب المناسک باب التمتع علی عہد النبی صلی اللہ علیہ

وسلم۔ (ص ۲۱۳، ج ۱)

۲۔ کتاب التفسیر باب قولہ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج۔ (ص ۶۴۸، ج ۲)

دونوں مقامات پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم کیے ہیں انہیں دیکھ کر خود بخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حدیثِ عمران رضی اللہ عنہ کو متعۃ النساء سے دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ یہاں متعہ سے مراد متعۃ الحج ہے، نہ کہ متعۃ النساء۔

شیعہ فاضل نے چونکہ بخاری شریف کے مذکورہ دونوں مقام نہیں دیکھے، بدیں وجہ انہوں نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر الزام لگا دیا کہ متعہ سے ابتداءً انہوں نے ہی لوگوں کو روکا تھا۔ ہم دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ جب دوسرے مسلک کی کتب سے حوالہ دینا ہو تو ادھر اُدھر کے رسالہ جات دیکھ کر مکھی پر مکھی مارنے کی بجائے اصل کتاب تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ بعد میں حوالہ جات کی غلطی سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ جناب بشیر حسین بخاری نے بخاری شریف کا حوالہ بقید صفحہ نہیں دیا، وجہ ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بخاری شریف سے نہیں دیکھی۔ اس کا ماخذ یا تو اردو کے عام قسم کے رسالہ جات ہیں یا پھر ابو علی طبرسی کی تفسیر مجمع البیان ص ۳۲، ج ۵ ہے۔ اگر موصوف اصل ماخذ بتا دیتے تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی، مگر موصوف نے رسالہ جات کے مصنفین کو پسِ پردہ رکھا اور اپنی ذمہ داری پر بخاری شریف کا حوالہ دے دیا۔ جو بالکل غلط ہے۔

اور جوازِ متعہ میں ص ۷۷، پر جناب خادم بخاری صاحب لکھتے ہیں:۔

"حالانکہ جس حدیثِ عمران رضی اللہ عنہ سے ہم نے جوازِ متعہ پر استدلال کیا تھا اس میں حجِ تمتع

کا لفظ تک نہیں ہے ۔ انزلت اٰیۃ المتعۃ کے الفاظ ہیں ۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ مذکورہ الفاظ "متعۃ النسآء" کے بارے میں پوری بخاری میں نہیں ہیں۔ یہ الفاظ صرف متعۃ الحج کے بارے میں آئے ہیں ۔ سو کتاب التفسیر بخاری سے ہم نے وہ نقل کر دیئے ہیں ۔ شیعہ فاضل نے جھوٹ بولا ہے جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بخاری کا وہ صفحہ تحریر نہیں کیا جہاں یہ مذکورہ الفاظ متعۃ النسآء کے بارے میں وارد ہوں ، جھوٹے فراڈیوں پر خدا کی لعنت و پھٹکار۔

یہی حدیث بعینہٖ مسلم شریف سے ملاحظہ فرمائیں :

قال عمران بن حصین نزلت اٰیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ یعنی متعۃ الحج وامرنا بہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ثمّ لم تنزل اٰیۃ تنسخ اٰیۃ متعۃ الحج ولم ینہ عنہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حتّٰی مات قال رجل برأیہ بعد ما شاء ۔ (صحیح مسلم شریف ص ۴۰۳ ، ج ۱)

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ متعۃ الحج کی آیت قرآن میں اُتری اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے کرنے کا حکم فرمایا ۔ پھر کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جس سے متعۃ الحج منسوخ ہو جاتا ۔ اور نہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے منع فرمایا ۔ یہاں تک کہ آپؐ اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ پھر فلاں شخص رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا ۔"

یہ حدیث مسلم شریف کی کتاب الحج باب جواز التمتع میں موجود ہے ۔ مسلم شریف کی یہ روایت بعینہٖ وہی بخاری والی روایت ہے جسے شیعہ فاضل نے نقل کیا ہے ۔ اور اپنی کج

فہمی کی بناء پر متعۃ النساء پر محمول کر لیا ہے۔ حالانکہ مسلم میں اسی حدیث کے الفاظ کتنی صراحت کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ یہاں متعۃ النساء نہیں بلکہ حج تمتع ہے۔ حدیث کے الفاظ اور کتاب میں ان کا محلِ وقوع دونوں فاضلِ مذکور کی جہالت پر ماتم کناں ہیں۔

ایک شُبہ کا اِزالہ

الغرض حدیثِ عمران بن حصینؓ کو متعۃ النساء سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ متعۃ الحج سے حضرت عمرؓ نے کیوں روکا جب کہ احادیث میں اس کے جواز کی وضاحت و صراحت موجود ہے؟ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بلا شُبہ کتاب اللہ اور احادیثِ رسولؐ میں حجِ تمتع کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ عہدِ نبویؐ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج تمتع کیا بھی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر کئی ایک مصالح تھے جن کی بناء پر آپ نے روکا۔

چنانچہ علماء کرام نے اس نہی کی کئی ایک توجیہات بیان کی ہیں:۔

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ حج کے مہینوں میں صرف حج ہی ادا کیا جائے۔ اور باقی مہینوں میں عمرہ کیا جائے۔ اس طرح علیحدہ علیحدہ کرنے میں فضیلت زیادہ ہے اور قرآنِ پاک نے حج اور عمرے کے اتمام کا حکم دیا ہے۔ اِتمام اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دونوں کو الگ الگ ادا کیا جائے۔ چنانچہ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ:۔

بلغنا ان عمر قال فی قول اللہ واتموا الحجّ والعمرۃ للہ من تمامھما ان تفرّد کل واحدٍ منھما من الاٰخر

وان تعتمر فی غیر اشہر الحج ان اللہ یقول الحج اشہر معلومات۔ (ابن کثیر ص ۲۰۴، ج ۱)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، اُن کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کیا جائے۔ اور عمرے کو حج کے مہینوں میں ادا نہ کیا جائے۔ اس لیئے کہ قرآن پاک میں ہے:۔ "اَلْحَجُّ اَشْہُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ" حج کے مہینے مقرر ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ:۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ بیت اللہ شریف ہر وقت آباد رہے۔ اور زائرین سال بھر آتے رہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی طلبِ بخشش کرتے رہیں۔

چنانچہ امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

انما نھی عنہ لیتجع البیت مرتین او اکثر فی العام حتی تکثر عمارتہ بکثرۃ الزوار لہ فی غیر الموسم۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۸۸ ج ۲)

حضرت عمرؓ نے حجِ تمتع سے اس لیئے منع کیا تھا تاکہ موسم حج کے علاوہ سال بھر میں بھی لوگ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیئے آتے رہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے رہیں۔ اور بیت اللہ شریف ہر وقت کثرتِ زائرین کی وجہ سے آباد رہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مکہ والوں کی خیر خواہی اور بھلائی مقصود تھی۔ کیونکہ اگر سال کے مختلف دنوں میں لوگ عمرہ کرنے کے لیئے آتے رہیں تو انہیں اس طرح اقتصادی طور پر فائدہ ہے۔ زائرین کچھ اپنے ملک کی اشیاء یہاں

آکر فروخت کریں گے۔ اور کچھ یہاں کی چیزیں خرید کر لے جائیں گے۔ اس طرح خرید و فروخت اور اشیاء کے تبادلے سے مکّہ والوں کا فائدہ ہے۔

چنانچہ یوسف بن مالک فرماتے ہیں:۔

انما نهى عمر رضؓ عن المتعة لمكان اهل البلد ليكون موسمان فى عام فيصيبهم من منفعتهما

حضرت عمرؓ نے جو حجِ تمتع سے روکا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ چاہتے تھے کہ لوگ حج کے ایّام کے علاوہ سال کے دُوسرے دنوں میں بھی آئیں۔ اور مکّہ والے حج اور عمرہ دونوں کے فوائد سے بہرہ وَر ہوں۔ (ایضاً)

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں یہ محسُوس کیا کہ لوگ سہولت و آسانی کی وجہ سے حج کی اقسامِ ثلاثہ میں سے صرف حجِ تمتع پر ہی زیادہ عمل کر رہے ہیں۔ تو لوگوں کو اس سے منع کیا۔ کیونکہ اگر منع نہ کرتے تو حج کی باقی دونوں قسمیں (افراد و قِران) متروک ہو کر رہ جائیں۔ حالانکہ جس طرح تمتع سنّت سے ثابت ہے۔ اسی طرح یہ دونوں قسمیں بھی سنتِ رسولؐ سے ثابت ہیں۔

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے استفسار پر حضرت عمرؓ نے خود بیان فرمائی:۔

قَالَ عُمَرُ رضؓ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلَہٗ وَاَصْحَابُہٗ وَلٰکِنِّیْ کَرِھْتُ اَنْ یَّظَلُّوْا بِھِنَّ مُعَرِّسِیْنَ فِی الْاَرَاکِ ثُمَّ یَرُوْحُوْنَ بِالْحَجِّ تَقْطُرُ

رؤسہم (الفتح الربانی ص ۱۶۱ ج ۱۱)

مجھے معلوم ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے تمتع کیا ہے لیکن میں اس بنا پر مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اپنی عورتوں سے شب باشی کرتے کے بعد فوری طور پہ عرفات کو روانہ ہو جائیں۔ اور غسل ان کا ابھی تازہ ہی ہو۔

۶۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ:۔

حضرت عمرؓ نے جس تمتع سے روکا تھا وہ عام تمتع نہیں تھا، بلکہ وہ تمتع تھا جس میں حج کا احرام باندھ کر پھر عمرہ کی خاطر اسے فسخ کر دیا جائے۔ عُمرہ کی اس خاص قسم میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ فسخ کی اجازت نہیں دیتے۔ نہ تو حج کا احرام باندھ کر اُسے عمرہ بنانے کی، اور نہ عمرہ کا احرام باندھ کر اُسے حج بناتے کی۔ ان کے نزدیک یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ امام احمدؒ اور اکثر محدثین اسے جائز بتاتے ہیں۔ یہی وہ مُتعۃ الحج ہے جس سے حضرت عمرؓ منع فرماتے تھے۔ اور اسی کے بارے میں حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ یہ حالات کے تحت ہمارے لیئے جائز تھا، تمہارے لیئے

لہ (سابقہ) والمعنی انّ عمر کرہ التمتع لانّہ یقتضی التحلل ووطء النساء الی حین الخروج الی عرفات فبیّن العلّۃ الّتی لاجلہا کرہ التمتع وکان من رأیہ عدم الترفہ للحاج بکل طریق فکرہ قرب عہدہم بالنساء لئلا یستمر المیل الی ذلک بخلاف من بعد عہدہ بہ ومن یتفطم ینفطم

(الفتح الربانی ص ۱۶۱، ج ۱۱)

جائز نہیں ہے۔

غالباً خاص طور پر ایسا کرنے یعنی حج کا احرام باندھ کر اُسے عمرہ بنانے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ حج اور عمرہ کو ایک ہی سفر میں ادا کرنا گناہِ عظیم خیال کرتے تھے۔ اُن کی خود ساختہ شریعت میں عمرے کے لیئے الگ اور حج کے لیئے الگ سفر کرنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قید کو اڑا دیا۔ اور میقات سے باہر سے آنے والوں کو یہ رعایت دی کہ وہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کر سکتے ہیں۔ البتہ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں۔ اُن کو اس کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ان کے لیئے عمرہ اور حج الگ الگ کرنا مشکل نہیں ہے۔ پس اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو جو حج کا احرام باندھ کر آئے تھے یہ حکم دیا کہ پہلے اس احرام سے عمرہ کرو، پھر دوسرے احرام سے حج کرنا۔

چنانچہ ابو داؤد شریف اور نسائی شریف میں یہ بات صراحتہً بتائی گئی ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں :-

کہ ہمارے بعد کوئی اُس کا مجاز نہیں ہے کہ حج کا احرام باندھ کر اسے فسخ کرے۔ اور عمرہ کرے۔ یہ تو صرف حضور انور صلعم کے صحابہؓ کے لیئے رخصت تھی جب ذہنوں سے جاہلیت کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور لوگوں کے لیئے اسلام

لے :- قال ابوذرؓ :- کانت المتعۃ لنا فی الحج خاصۃ اخرجہ مسلم وفی روایۃ عنہ انہ قال لا تصلح المتعتان الا لنا خاصۃ یعنی متعۃ النساء و متعۃ الحج۔ (تفسیر قرطبی ۳۹۳ ، ج ۲)

کا قانون مانوس ہوگیا کہ حج کے مہینوں میں میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے عمرہ جائز ہے تو حج کو فسخ کرنے کی رخصت بھی ختم ہو گئی

حافظ ابن قیمؒ نے اس کی حمایت میں تفصیلی بحث کی ہے۔ مذکورہ تمام توجیہات میں سے ہمارے نزدیک یہ آخری توجیہہ زیادہ اوفق اور انسب معلوم ہوتی ہے۔ اور حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں جس متعہ کا ذکر ہے وہ متعۃ النسآء نہیں ہے، بلکہ یہی متعۃ الحج مراد ہے۔ مگر کم فہمی یا بددیانتی کی بنا پر ہمارے شیعہ فاضل نے اس سے متعۃ النسآء سمجھ لیا ہے۔

حضرت جابرؓ مذکورہ روایت (حضرت عمرؓ اور حرمت متعہ کے ضمن میں گزر چکی ہے) کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔

> حضرت جابرؓ نے یہ اس لئے کہا کہ ان کو حضورؐ کے منع کرنے کا علم نہ ہوا تھا۔ حضورؐ کو حجۃ الوداع میں اسی لیے اعلان کی ضرورت پیش آئی کہ اکثر لوگوں کو اس کی خبر نہ ہوئی تھی کہ متعہ حرام ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے وقت میں کچھ لوگ اسی دلیل سے متعہ کرتے تھے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے زجراً ایسے لوگوں سے کہا کہ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لوگ کیا کرتے تھے۔ مگر ہم

لہ: ان عمرؓ لم یخالف اللہ ورسولہ ولم یقل بتحریم العمرۃ بل قصد بنھیہ الاتم والافضل فی نظرہ وھو مجتھد ولا لوم علیہ فی ذالک۔

"بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی ج ۱۱، ص ۱۶۲)

منع کرتے ہیں یعنی باوجود اس کے کہ ہم کیا کرتے تھے لیکن اب منع ہو گیا ہے جس سے ہم واقف ہیں۔ حاشا وکلاّ حضرت عمرؓ کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جائز تھی، اس کو ہم اپنی رائے سے حرام بناتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کا طرز بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے بھی رجوع کر لیا تھا۔ اُن کی روایت کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں کہ عمرو بن حریث کے قصہ کے بعد بالکل منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے منع کو انہوں نے قبول کر لیا۔ اور صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ:

> ان کے سامنے ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کا اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے بعد میں منع کر دیا ہے۔ یعنی انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خیال کی تائید کی۔ (صحیح مسلم شریف ج ۱، ص ۴۵۱)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو سمجھا دیا کہ متعہ کی ممانعت ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور صحابہؓ نے اُسے قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر متعہ کی پیداوار ہونے کا افتراء

ہمارے فاضل شیعہ دوست نے یہ بھی ہرزہ سرائی کی ہے کہ معاذاللہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ متعہ کی پیداوار ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر لغو، کذب وافتراء، باطل ومردود اور بہتان ہے۔ نیز صحابہؓ سے انتہائی بغض وعناد اور کتبِ تاریخ وسیر سے نابلد ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ اس بیہودہ اور لغو الزام کی تردید کرنے کی اگرچہ چنداں ضرورت نہ تھی۔ تاہم فاضل مذکور کی جہالت پر تنبیہہ اور عوام کی اطلاع کے لیے تاریخی طور پر ہم ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ کے فرزند ارجمند اور حضرت اسماءؓ کے لختِ جگر (شیعہ مومنین کی طرح) متعہ کی پیداوار نہیں۔ بلکہ صحیح اور جائز نکاح سے پیدا ہوئے چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسماءؓ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ اسلمت قدیما بمکة وتزوجها الزبیر بن العوام و هاجرت وھی حامل منه بولده عبد الله فوضعته بقباء۔ (اصابہ ص ۲۲۹ ج ۴)

حضرت اسماءؓ مکہ میں بالکل ابتداء میں ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھیں اور حضرت زبیرؓ بن عوام نے اُن سے نکاح کیا تھا۔ اور جب حضرت اسماءؓ نے مکّہ سے مدینۃ الرسول کی طرف ہجرت کی تو اس وقت یہ حاملہ تھیں چنانچہ جب مدینہ شریف کے قریب مقام قُبا پہنچیں تو وہاں حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔

۲۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

کانت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ تحت الزبیرؓ بن العوام وکان اسلامہا قدیما بمکۃ وھاجرت الی المدینۃ وھی حامل بعبداللہ بن الزبیر فوضعتہ بقباء۔

(الاستیعاب ص ۶۸۲، ج ۲)

حضرت اسماءؓ حضرت زبیرؓ کے نکاح میں تھیں اور یہ مکے میں قدیم الاسلام ہیں۔ اور جب انہوں نے مدینۃ النبیؐ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت عبداللہ بن زبیرؓ ان کے شکم مبارک میں تھے یعنی حاملہ تھیں۔ اور مقام قباء میں آ کر حضرت عبداللہؓ تولد ہوئے۔

۳۔ ابن سعد حضرت اسماءؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

تزوجھا الزبیر بن العوام فولدت لہ عبد اللہ

حضرت اسماءؓ سے حضرت زُبیرؓ بن عوّام نے نکاح کیا۔ اُن سے حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۲۵۰، تقریب التہذیب ج ۲، ص ۵۸۹)

۴۔ ایک اور جگہ پر ابن سعد لکھتے ہیں:۔

عن عکرمۃ ان اسماء بنت ابی بکر کانت تحت الزبیر

حضرت اسماءؓ، حضرت زبیرؓ کی بیوی تھی (طبقات ابن سعد ص ۲۵۱، ج ۸)

۵۔ حافظ ابن کثیر حضرت زبیرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

وصحب الصدیق فاحسن صحبتہ وکان ختنہ علی بنتہ اسماء بنت الصدّیق وابنہ عبداللہ منھا (البدایہ والنہایہ ص ۲۴۹، ج ۷)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رفیق تھے اور انہوں نے رفاقت کا خوب حق ادا کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے خاوند ہونے کی وجہ سے آپ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے۔ اور انہی سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

۶۔ حافظ ابنِ کثیرؒ، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:۔

اسلمت اسماء قدیما وھو بمکۃ فی اوّل الاسلام وھاجرت ھی و زوجھا الزبیر وھی حامل مُتِمٌّ لولدھا عبد اللہ فوضعتہ بقباء اول مقدمھم المدینۃ (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۴۶ ج ۸)

حضرت اسماء رضؓ مکہ میں بالکل ابتداء ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھیں پھر انہوں نے اور ان کے خاوند حضرت زبیر رضؓ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اور حضرت اسماءؓ اس وقت امید واری میں تھیں۔ جب یہ حضرات مقامِ قباء پہنچے تو حضرت عبداللہ رضؓ پیدا ہوئے۔

۷۔ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:۔

وتحری اسماء فی امر دینھا وکیف لا وھی بنت الصدیق وزوج الزبیر رضی اللہ عنہ (فتح الباری ص ۱۶۲، ج ۶)

دین کے بارے میں حضرت اسماء رضؓ نہایت مضبوط عقیدہ تھیں، ایسے کیوں نہ ہوتیں، آخر وہ صدیقِ اکبر رضؓ کی بیٹی اور حضرت زُبیر رضؓ کی بیوی تھیں۔

۸۔ امام المحدثین امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

عن اسماء رضی اللہ عنہا انہا حملت بعبد اللہ بن الزبیر قالت فخرجت وانا متم فاتیت المدینۃ فنزلت بقباء ثم اتیت بہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوضعتہ فی حجرہ۔ (تاریخ کبیر ص ۶ ، ج ۵)

حضرت اسماءؓ نے جب ہجرتِ مدینہ کی تو اُس وقت حمل کی حالت میں تھیں فرماتی ہیں کہ "جب میں مقامِ قُباء پہنچی تو عبداللہؓ پیدا ہوئے میں اُسے گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک کھجور اپنے دہن مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہؓ کے منہ میں ڈالا۔

ثمّ دعا بتمرۃ فمضغہا ثمّ تفل فی فیہ فکان اوّل شیٔ فی جوفہ ریق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وکان اوّل مولود ولد فی الاسلام۔

پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں گئی وہ آپؐ کا لعابِ دہن تھا۔

اس کے بعد حضورؐ نے بچے کے لیے دُعاءِ خیر و برکت مانگی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد سب سے پہلا مولود فی الاسلام یہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

حضرت عبداللہؓ کے حقیقی اولاد ہونے پر مہرِ رسالت

حضرت رسُولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند بچے بغرضِ بیعت پیش کیے گئے۔ جن میں حضرت عبداللہؓ بھی شامل تھے۔ باقی بچے آپؐ سے جھجک کر سامنے پیش ہونے سے رُک سے گئے۔ لیکن حضرت عبداللہؓ چونکہ نہایت ذہین وفطین تھے یہ مجمع کو چیرتے ہوئے آپؐ کی خدمت عالیہ میں پیش ہو گئے۔ تو آپؐ نے اس کی ذہانت و فطانت اور جرأت و دلیری دیکھ کر تبسّم فرمایا، اور کہا کہ :-

إِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ وَبَايَعَهُ ، (البدایہ والنہایہ ص ۳۳۲، ج ۸)

نہیں معلوم ہے کہ یہ زبیرؓ کے بیٹے ہیں۔ یعنی جیسے باپ ذہانت و فطانت کے اوصافِ حمیدہ سے مزیّن ہیں، ایسے ہی ان کا بیٹا بھی ہے۔ بعدازاں آپؐ نے ان سے بیعت لے لی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت باسعادت پر صحابہؓ کی خُوشی

ہجرتِ مدینہ کے بعد اتفاق سے عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اس پر یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادُو کر دیا ہے اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ ۱ھ میں حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نومولودِ اوّل تھے[1]

---

[1] : بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا سال ولادت ۲ھ بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے

مسلمانوں کو حضرت عبداللہؓ کی ولادت پر بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک ہو گیا تھا۔

حضرت اسماءؓ بچے (عبداللہؓ) کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا۔ ایک کھجور اپنے دہن مبارک میں ڈالی اور چبائی، اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہؓ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بچے کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے انہی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت اُمِ عبداللہ رکھی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ پہلی ہجری کے واقعات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

۱۔ فلما ولدته کبر المسلمون تکبیرۃ عظیمۃ فرحا بمولدہ۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰، ج ۳)

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو مسلمانوں نے فرطِ انبساط میں زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

۲۔ حافظ ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں:-

وکان اوّل مولودٍ فی الاسلام للمهاجرین بالمدینۃ قالت ففرحوا بہ فرحا شدیدا۔ (استیعاب ص ۹۰۶، ج ۳)

(بقیہ حاشیہ) کہ ان کی ولادت سے چھ ماہ پہلے حضرت بشیر بن سعد انصاری ؓ کے ہاں حضرت نعمان بن بشیر پیدا ہوئے تھے۔ اگر یہ روایت درست ہے تو پھر بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے مولودِ اوّل ٹھہرتے ہیں۔

مدینہ منورّہ میں مہاجرین کے ہاں جو پہلا بچّہ پیدا ہوا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ لوگ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوئے

۳۔ ابنِ اثیر پہلی ہجری کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

ولد عبد الله بن الزبير وقيل في السنة الثانية في شوال كان اوّل مولود للمهاجرين، وكان النعمان بن بشير اوّل مولود للانصار بعد الهجرة۔ (تاریخ کامل ص ۱۱۰، ج ۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلی ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری ہجری کے ماہِ شوال میں پیدا ہوئے۔ مہاجرین میں یہ پہلے مولود ہیں اور انصار میں نعمان بن بشیر مولودِ اوّل ہیں۔

مذکورہ تمام حوالجات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۃ النبیؐ میں مسلمانوں کے ہاں پہلے مولود تھے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لعابِ دہن کی گھٹی سے سیراب، جرأت، ہمت، شجاعت، ثابت قدمی، تورّع، زہد، پاک نفسی، اور پاک باطنی کے مجسّمہ تھے۔

نیز ثابت ہوا کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت اسماءؓ سے متعہ نہیں کیا تھا بلکہ صحیح اور شرعی نکاح تھا جس پر امام الرسل خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مہرِ تصدیق بھی ثبت ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت عبداللہ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا ہے، تو وہ خود اپنے ایمان کا دیوالیہ نکالتا ہے۔ آپؓ کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

أُولَٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ ۔۔۔ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا بَشِيرُ الْمَجَامِعُ

ہاں! البتہ خاندانِ صدیقِ اکبرؓ کی طرف جو شخص یہ فعل منسوب کرتا ہے وہ خود اس فعل کی پیداوار ہے۔ اور اس کے مقتدا و پیشوایانِ مذہب بھی جنہوں نے اس فعل کو اعلیٰ درجے کی عبادت قرار دیا ہے۔ خاندانِ صدیقِ اکبرؓ تو اس فعل کو مثلِ زنا گردانتا ہے اور اس فعلِ قبیح کے مرتکب کو سنگسار کرتا ہے، وہ خود اس کی پیداوار کیسے ہو سکتا ہے؟

البتہ آپ کے ائمہ اہل بیت کے ہاں متعہ چونکہ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے لہٰذا وہ ضرور متعہ کی پیداوار ہوں گے۔ اور شیعہ اُمت کو اس کا اعتراف کر لینا عین قرینِ انصاف بھی ہے، اور تقاضائے ایمان بھی۔

نکاح کے بعد طلاق

ہمارے تحریر کردہ مذکورہ بالا حوالجات سے تو یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت اسماءؓ کا حضرت زبیرؓ سے باقاعدہ صحیح اور شرعی نکاح تھا جس سے متعہ کا اِدّعا خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ اب مزید حوالجات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ ذکر ہے کہ:۔

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماءؓ کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا، یعنی حضرت زبیرؓ نے انہیں طلاق دے دی۔

مؤرخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور اسماءؓ کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی، ایک دن کسی بات پر غصے میں آ گئے اور حضرت اسماءؓ کو زدوکوب کرنا چاہا، ان کے بڑے فرزند عبداللہ اتفاق سے گھر میں موجود تھے۔ حضرت اسماءؓ نے ان سے مدد چاہی حضرت

زبیرؓ نے عبداللہؓ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اُسے طلاق ہے۔ حضرت عبداللہؓ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدّد کا شکار ہوتا دیکھیں آگے بڑھے اور ان کا بازو حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان ہمیشہ کے لیئے علیحدگی ہوگئی۔ اور حضرت اسماءؓ مستقل طور پر فرزندِ اکبر حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔ طلاق سے متعلقہ روایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ اُسد الغابہ میں ہے:۔

ثمّ انّ الزبیر طلقھا وکانت عند ابنھا عبداللہ

پھر حضرت زبیرؓ نے حضرت اسماءؓ کو طلاق دے دی پھر ان کا قیام اپنے بیٹے عبداللہؓ کے پاس رہا۔ (ص ۳۹۲، ج ۵)

۲۔ علامہ ابنِ اثیرؒ لکھتے ہیں:۔

وکانت مطلقۃ من الزّبیر (تاریخ کامل ص ۳۶۴، ج ۴)

حضرت اسماءؓ حضرت زبیرؓ سے طلاق یافتہ تھیں۔

۳۔ حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ثمّ انّ الزّبیر لما کبرت طلّقھا (البدایہ والنہایہ ص ۳۴۶ ج ۵)

جب حضرت اسماءؓ عمر رسیدہ ہوگئیں تو حضرت زبیرؓ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

۴۔ طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ:۔

انّ الزّبیرؓ طلق اسماءَ فاخذ عروۃ وھو یومئذٍ صغیر

حضرت زبیرؓ نے حضرت اسماءؓ کو طلاق دے دی اور عروہ جو ابھی بچے تھے انہیں حضرت زبیرؓ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ (ص ۳۵۳، ج ۸)

الغرض مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت زبیرؓ کا حضرت اسماءؓ سے مُتعہ نہیں بلکہ صحیح نکاح تھا۔ کیونکہ طلاق صحیح نکاح کے لوازمات میں سے ہے۔ زنِ ممتوعہ کی علیحدگی کے لیے طلاق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ انقطاع میعادِ مُتعہ ہی بمنزلہ طلاق کے سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ چنانچہ ابو عمرؒ فرماتے ہیں :۔

لم یختلف العلماء من السلف والخلف ان المتعة نکاح الی اجلٍ لا میراث فیہ والفرقة تقع عند انقضاء الاجل من غیر طلاق۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲، ج ۵)

تمام علماء متقدّمین و متأخّرین کا اِتّفاق ہے کہ مُتعہ ایک مدّتِ مقررّہ تک عقد کرنے کا نام ہے جس میں دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے مُتعہ میں طلاق نہیں ہوتی بلکہ انقضاءِ مدّت سے ہی عورت جُدا ہو جاتی ہے

نیز شیعہ کی معتبر کتاب جامع عباسی میں ہے :۔

۶۔ ولا یقع بہا طلاق بل تبین بانقضاء المدة۔ (ص ۱۳۵)

متعہ میں طلاق نہیں ہوتی بلکہ انقضاءِ مدّت ہی سے عورت جُدا ہو جاتی ہے

۷۔ اسی طرح مختصر نافع میں ہے کہ :۔

ولا یقع بالمتعة طلاق (ص ۸۶)

متعہ میں طلاق نہیں ہوتی۔

۸۔ باقر مجلسی فقہ کی کتاب الفراق میں لکھتے ہیں کہ:۔

پنجم آنکہ نکاح دائمی باشد پس واقع نشد طلاق در متعہ۔ (تحفۃ العوام ص ۴۸۹)

پانچویں بات یہ ہے کہ نکاح دائمی ہوتا ہے۔ لہٰذا متعہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۹۔ الاستبصار میں ہے کہ:۔

عن أبي جعفر علیہ السلام في المتعۃ قال لیست من الاربع لانها لا تطلق ولا ترث ولا تورث وانما هي مستاجرۃ (ص ۱۴۷ ج ۲)

میں نے امام باقر علیہ السلام سے متعہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ممتوعہ چار عورتوں میں سے (جن کو زوجہ کہا جاتا ہے) نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیئے نہ طلاق ہے نہ وہ خاوند سے میراث کی مستحق ہے بلکہ وہ کرایہ کی عورت ہے۔

حضرت اسماءؓ کی دیگر اولاد

حضرت زبیرؓ سے حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطاء کی تھیں۔ ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:۔

حضرت عبداللہ، عروہ، منذر، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ۔

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے شیعہ فاضل نے حضرت اسماءؓ کی ساری اولاد میں سے صرف حضرت عبداللہؓ پر متعہ کی پیداوار ہونے کا بے بنیاد الزام لگایا ہے۔ ہم موصوف سے عرض کریں گے کہ اگر بقول آپ کے حضرت زبیرؓ نے صحیح نکاح نہیں بلکہ متعہ کیا تھا تو پھر تمام اولاد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک پر متعہ کی پیداوار ہونے کا الزام

لگانا اور دوسرے کو صحیح اور جائز نکاح کی اولاد بتانا، یہ تفریق شیعہ دوست کی جہالت پر ماتم کناں ہے۔

حرمتِ متعہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کا چیلنج

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عباسؓ ابھی تک متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو واشگاف الفاظ میں کہا کہ متعہ تا قیامت حرام ہو چکا ہے۔ آپ اس کی حلت کا فتویٰ ہرگز نہ دیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں دونوں حضرات کے درمیان کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی۔ جس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دھمکی آمیز لہجہ میں کہا۔

فجرب بنفسك فواللہ لئن فعلتها لارجمنك باحجارك

آپ اس فعلِ قبیح کے ارتکاب کا تجربہ کر دیکھیں۔ خدا کی قسم! آپ اگر ایسا کریں گے تو میں آپ کو پتھروں سے سنگسار کر دوں گا۔ (مسلم ص ۴۵۲، ج ۱)

حضرت اسماءؓ پر متوعہ ہونے کا کذب وافتراء

جناب خادم بخاری صاحب نے حضرت اسماءؓ بنت صدیقؓ پر متوعہ ہونے کا بے ہودہ اور واہیات الزام لگایا ہے۔ حرمتِ متعہ میں ہم نے اس دعویٰ کا افتراء و بکواس ہونا بھی ثابت کر دیا تھا۔ باہمہ جوازِ متعہ کتابچہ میں اس الزام کو پھر دہرایا گیا ہے۔ اور تفسیر مظہری اور مسند ابو داؤد طیالسی کے حوالہ سے اسے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور خادم صاحب کے علاوہ جناب بشیر حسین نے بھی اپنے ایک پمفلٹ "احقاقِ حق" میں اس کا ذکر کیا ہے اور جواب مانگا ہے۔

چنانچہ ان حضرات کی تسلی کے لیئے مسند ابو داؤد طیالسی کی روایت کی اصل حقیقت ظاہر کی جاتی ہے، تاکہ ان حضرات کی خوش فہمی بھی دور ہو جائے۔ اور حقیقت بھی اپنی جگہ آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

حدیث ابو داؤد طیالسی ابو داؤد طیالسی کی جس روایت سے متعۃ النساء ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ دراصل اس سے متعۃ الحج مراد ہے، مگر ان رافضی لوگوں نے بددیانتی سے اسے متعۃ النساء پر محمول کر لیا ہے۔ چنانچہ اولاً روایت کے الفاظ بمع سند ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا یونس قال حدثنا ابوداؤد قال حدثنا شعبۃ عن مسلم القرشی قال دخلنا علی اسماء بنت ابی بکر فسألناها عن متعۃ النساء فقالت فعلناها علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۲۷)

مسلم قرشی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کے پاس گئے

اور متعۃ النساء کے بارے میں ان سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا ہے۔

اس روایت میں متعہ کے ساتھ جو النساء کا لفظ موجود ہے۔ اس سے حج تمتع میں احرام کھول کر عورتوں سے استفادہ مراد ہے۔

کیونکہ یہی روایت احادیث کی کئی دیگر کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اور اس میں متعۃ الحج کا لفظ صراحۃً موجود ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

ا۔ ثنا شعبۃ عن مسلم القری قال سألت ابن عباس عن متعۃ الحج فرخص فیھا وکان ابن الزبیر ینھی عنھا فقال ھذہ أم ابن الزبیر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فیھا فادخلوا علیھا فاسئلوھا قال فدخلنا علیھا فاذا امرأۃ ضخمۃ عمیاء فقالت قد رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا (مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۸)

شعبہ مسلم القری (القرشی) سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے متعۃ الحج کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کی رخصت دی۔ اور حضرت ابن زبیرؓ اس سے منع کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ یہاں ابن زبیرؓ کی والدہ موجود ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں رخصت دی ہے۔ جاؤ تم ان کے پاس جا کر اس کی تصدیق کر لو۔ چنانچہ ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ ابن زبیرؓ کی والدہ بھاری جسم، آنکھوں سے معذور عورت ہے۔ انہوں نے کہا۔ واقعی

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی ہے۔

اس روایت میں وہی شعبہ اور مسلم قرشی ہیں جو ابو داؤد طیالسی کی روایت میں موجود ہیں۔ اور مسلم قرشی اور مسلم قری ایک ہی راوی ہیں۔ اس کو قرشی بھی کہا گیا ہے اور قری بھی۔

چنانچہ امام ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء کے حاشیہ میں علامہ شعیب الارنوط لکھتے ہیں۔

وھو من رجال مسلم وقد تحرف فی الاصل الی العرنی وفی المطبوع الی القرشی۔ (ص ۲۸۹ ج ۲)

مسلم قری صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ اور اصل میں تحریف ہو کر العرنی بن گیا ہے اور مطبوعہ نسخے میں یہ القرشی شائع ہو گیا ہے۔

اور یہی روایت ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ مرآۃ العقول میں مسلم شریف کے حوالے سے لکھی ہے۔ (ص ۲۴۱)

اگر اس سے متعۃ النساء شیعہ والا مراد ہوتا، جیسا کہ ہمارے شیعہ فاضل کا زعم فاسد ہے تو ملا باقر اسے متعۃ النساء کے عنوان میں لاتے مگر انہوں نے اسے متعۃ الحج کی بحث میں ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں متعہ کے ساتھ جو النساء کا لفظ آیا ہے اس سے حج تمتع میں احرام کھول کر عورتوں سے استفادہ مراد ہے۔

پھر واضح ہو کہ ملا باقر مجلسی نے مرآۃ العقول کے مقدمہ میں دو عنوان قائم کیے ہیں۔ متعۃ الحج اور متعۃ النساء۔ متعہ الحج کے متعلقہ تمام روایات کتب اہل سنت سے

نقل کر دی ہیں۔ اور متعۃ النساء کے عنوان میں وہ تمام روایات جمع کی ہیں۔ جن میں متعۃ النساء کا ذکر ملتا ہے۔

اب ذیل میں وہ دلائل و شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو داؤد طیالسی کی مذکورہ روایت میں متعہ سے متعۃ الحج مراد ہے۔ چنانچہ

اوّلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء (صحابہؓ) کے حج کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ جس کے ضمن میں حضرت اسماءؓ پر بیہودہ اور بے بنیاد الزام کی بھی تردید ہو جائے گی۔

حجۃ الوداع ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۰ھ روز دوشنبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان جماعت بھی آپؐ کے ساتھ تھی۔ جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد منقول ہے۔ مدینہ منورہ سے چھ میل پر مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام باندھا۔ ۴ ر ذی الحجہ کو بروز شنبہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور حسب قواعد حج ادا فرمایا۔ حج کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اِفراد ۔ صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ اور جملہ مناسکِ حج ادا کر کے قربانی کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں احرام کھولا جائے۔

۲۔ تمتع ۔ حاجی میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے اور طوافِ بیت اللہ و سعی صفا و مروہ سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا تقصیر کروا کر احرام کھول دے بس عمرہ پورا ہو گیا۔ اور ۸ ر ذی الحجہ کی صبح مکہ مکرمہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھے۔

۳۔ قِران ۔ یہ وہ حج ہے جس میں حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر لَبَّیْکَ حَجَّۃً وَّعُمْرَۃً پکارا جاتا ہے اور عمرہ کے بعد احرام اس وقت تک نہیں کھولا جاتا جب تک کہ دسویں

کو قربانی اور طوافِ زیارت سے فارغ نہ ہو لیا جائے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حج کی ان مذکورہ تین اقسام میں سے آپؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے کون سی قسم پر عمل کیا؟

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے رفقاء جب مدینہ میں سے روانہ ہوئے تو ابتداءً سب کا ارادہ حج مفرد کا ہی تھا۔ لیکن بعد میں آپؐ نے حج تمتع کی بھی اجازت دے دی۔

چنانچہ ملاحظہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نذکر الا الحج

(مسلم ج ۱ ص ۳۸۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم (مدینے سے) نکلے۔ ہمارا صرف حج ہی کا ارادہ تھا۔

بخاری ہی میں ایک دوسرے مقام پہ ہے، ام المؤمنین فرماتی ہیں۔

خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا نری الا انہ الحج

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۲) (مسلم ج ۱ ص ۳۹۰)

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہماری نیت صرف حج کی تھی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔

لسنا ننوی الا الحج (مسلم ج ۱ ص ۳۹۵)

ہماری نیت صرف حج ہی کی تھی۔

لیکن بعد میں مقام سرف یا مکّہ پہنچ کر فسخ حج یعنی حج کی نیت توڑ کر پہلے عمرہ کرنے کی اجازت مل گئی ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا نری الا انه الحج فلما قدمنا تطوفنا بالبیت فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من لم یکن ساق الهدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الهدی ونساءه لم یسقن فاحللن (بخاری ج ۱ ص ۲۱۲)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہماری نیت صرف حج کی تھی۔ جب مکّہ پہنچے تو (اور لوگوں نے) بیت اللہ کا طواف کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو قربانی ساتھ نہیں لائے تھے، احرام کھولنے کا حکم دیا۔ جن کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا انہوں نے احرام کھول ڈالا۔ آپؐ کی ازواج مطہراتؓ نے بھی احرام کھول دیا۔ وہ بھی قربانی کا جانور نہیں لائی تھیں۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ کائناتؓ سے ایک دوسری روایت اس طرح آئی ہے۔

عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة ومنا من اهل بحج وعمرة ومنا من اهل بالحج واهل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحج فاما من اهل بالحج او جمع الحج والعمرة لم یحلوا حتی کان یوم النحر

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا حجۃ الوداع والے سال ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے۔ اور ہم میں سے کسی نے عمرہ کا احرام باندھا، اور کسی نے حج اور عمرہ دونوں کا اور کسی نے صرف حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ بھی شریک کر لیا) پھر جن لوگوں نے حج کا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔ ان کا احرام دسویں تاریخ تک نہ کھل سکا۔

حبر الامت حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی مفہوم کی ایک روایت اس طرح آئی ہے۔

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ صبیحۃ رابعۃ مہلین بالحج فامرھم ان یجعلوھا عمرۃ فتعاظم ذلک عندھم فقالوا یا رسول اللہ ای الحل قال حِلٌّ کُلُّہ (بخاری ج ۱ ص ۲۱۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو مکہ میں تشریف لائے۔ لوگ حج کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کو حج کا عمرہ کر ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ امر ان پر گراں گزرا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! عمرہ کر کے ہم کو کیا چیز حلال ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا سب چیزیں۔

اسی طرح حضرت ابو موسٰی اشعریؓ سے مروی ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں (یمن سے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (حجۃ الوداع میں) آیا۔ آپؐ نے مجھے عمرہ کر کے احرام کھول دینے کا حکم دیا۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۲)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی ایک روایت اسی مفہوم کی اس طرح آئی ہے:۔

انه حج مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم ساق البدن معه و قد اهلوا بالحج مفردا فقال لهم احلوا من احرامكم بطواف البيت وبين الصفا والمروة وقصروا ثم اقيموا حلالا حتى اذا كان يوم التروية فاهلوا بالحج واجعلوا التى قدمتم بها متعة فقالوا كيف نجعلها متعة وقد سمينا الحج فقال افعلوا ما امرتكم فلولا انى سقت الهدى محله ففعلوا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۱۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سال حج کیا جس سال قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے۔ اور لوگوں نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا تم طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام کھول ڈالو۔ اور بال کترا دو پھر اسی طرح بغیر احرام کے ٹھہرے رہو۔ جب آٹھ تاریخ ہو تو (مکہ ہی سے) حج کا احرام باندھو اور حج مفرد کو جس کی تم نے نیت کی تھی۔ تمتع کر دو۔ انہوں نے کہا ہم اس کو تمتع کیسے کر دیں، ہم نے تو بوقتِ احرام حج کا نام لیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں جیسا کہتا ہوں ویسا کر دو۔ اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح کرتا۔ لیکن میں کیا کروں جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے کوئی چیز جو احرام میں حرام ہے مجھ پر حلال نہیں ہو سکتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت بھی اس طرح آئی ہے:

عن ابن عباسؓ انہ سئل عن متعۃ الحج فقال اھل المھاجرون والانصار وازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع و اھللنا فلما قدمنا مکۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اھلالکم بالحج عمرۃ الامن قلد الھدی طفنا بالبیت وبین الصفا والمروۃ واتینا النساء ولبسنا الثیاب۔ (بخاری ج۱ ص۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ مہاجرین اور انصار صحابہؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سب نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا جب ہم مکہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حج کے احرام کو عمرہ کا احرام کردو۔ ہاں جس کے ساتھ قربانی ہو وہ نہ کرے۔ یہ سن کر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی (احرام کھول ڈالا) عورتوں سے صحبت کی اور کپڑے پہنے (یہاں عورتوں سے صحبت ہی وہ متعۃ النساء ہے جس کا ذکر مسند ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے۔)

خلاصۂ روایات

ہم نے جتنی احادیث و روایات ذکر کی ہیں۔ ان کو اور ان جیسی دیگر روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ تین قسم پر تھے۔

ایک تو وہ کہ جن کے پاس قربانی تھی۔ اور حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔ دوسرے وہ جن کا صرف عمرہ کا احرام تھا۔ اور اس سے فارغ ہوکر پھر حج کا احرام باندھا۔

تیسرے وہ جن کا صرف حج کا احرام تھا۔ انہی صحابہؓ کو آپ نے حج عمرہ بنا دینے کا ارشاد فرمایا۔ لیکن شروع میں سب کی نیت حج کی تھی۔
جیسا کہ پہلے حضرت جابرؓ کی ذکر کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ عمرہ کر کے حلال ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بیویوں سے صحبت بھی کی۔
یہی وہ متعۃ النساء ہے جس کا ذکر ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آیا ہے۔ وہ واقعی متعۃ النساء ہی تھا۔ مگر شیعہ روافض والا متعہ نہیں تھا جو سراسر حرامکاری ہے اور ابوداؤد طیالسی کی روایت میں حضرت اسماءؓ کے جو الفاظ منقول ہیں کہ:
"ہم نے کیا تھا" اس سے اپنے ہم سفر دیگر صحابہؓ کا عمل مراد ہے۔
کیونکہ حضرت اسماءؓ اگرچہ عمرہ کر کے حلال ہو گئی تھیں (کیونکہ ان کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا) مگر حضرت زبیرؓ حلال نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے ساتھ قربانی کا جانور بھی تھا۔
اور احادیث سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے وہ عمرہ کر کے حلال نہیں ہوئے تھے وہ حج کے ارکان مکمل کر کے ہی حلال ہوئے۔ لہٰذا حضرت اسماء کا یہ متعۃ النساء بھی ثابت نہیں ہے۔
اب وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جس میں یہ ذکر ہے کہ قربانی کا جانور ساتھ لانے کی وجہ سے حضرت زبیرؓ حلال نہیں ہوئے تھے۔
عن اسماء بنت ابی بکرؓ قالت خرجنا محرمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان معہ ھدی فلیقم علی احرامہ ومن لم یکن معہ ھدی فلیحلل فلم یکن معی ھدی فحللت وکان

مع الزبير هدى فلم يحلل قالت فلبست ثيابي ثم خرجت فجلست الى الزبير فقال قومي عني فقلت اتخشى ان اثب عليك

(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۰۶)

حضرت اسماءؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں:۔

ہم احرام باندھ کر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ اپنے احرام پر قائم رہے۔ اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ احرام کھول ڈالے۔ اور میرے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا سو میں نے اپنا عمرہ کر کے اپنا احرام کھول دیا۔ اور زبیرؓ کے ساتھ قربانی کا جانور تھا سو انہوں نے احرام نہ کھولا۔

حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور نکلی اور زبیرؓ کے پاس جا بیٹھی تو انہوں نے کہا کہ تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ (اس لیے کہ میں احرام سے ہوں اور یہ احتیاط اور تقوٰی کی بات ہے۔ کہ شاید اپنی بیوی کی طرف مائل ہوں اور شہوت سے چھیڑ چھاڑ ہو) تو میں نے ان سے کہا کہ کیا تم ڈرتے ہو کہ میں تمہارے اُوپر کود پڑوں گی (یہ انہوں نے ظرافت سے کہا کہ مرد ہو کر عورتوں سے ڈرتے ہو)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت اسماءؓ کے حلال ہونے کے باوجود حضرت زبیرؓ سے ان کی مقاربت نہیں ہو سکی۔ کیونکہ حضرت زبیرؓ حلال نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا ابو داؤد طیالسی کی روایت میں

"فعلناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم"

کے الفاظ سے مراد دیگر صحابہ کرام رض ہیں۔ جنہوں نے احرام کھول کر اپنی بیویوں سے صحبت کی تھی۔

حضرت اسماءؓ سے سوال کرنے والوں نے بھی اسی متعۃ النساء کے متعلق سوال کیا تھا جس کا انہوں نے فعلنا ھا کہہ کر جواب دے دیا۔ یہ وہ متعہ نہیں ہے۔ جو شیعہ روافض کے ہاں مروّج ہے۔ جو سراسر حرامکاری اور بدکاری ہے۔ اور ابو داؤد طیالسی کی روایت سے شیعہ والا متعہ مراد لینا پرلے درجے کی بددیانتی ہے۔ یا پھر جہالت کی انتہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال

مسلم قرشی بیان کرتے ہیں۔

سألت ابن عباسؓ عن متعة الحج فرخص فيها وكان ابن الزبير ينهى عنها فقال هذه ام ابن الزبير تحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص فيها فادخلوا عليها فاسئلوها قال فدخلت عليها فاذا هي امرأة ضخمة عمياء فقالت قد رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۰۶ و سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۱-۲۲)

میں نے حضرت ابن عباسؓ سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے اجازت دی اور حضرت ابن زبیرؓ اس سے منع کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ ابن زبیرؓ کی ماں موجود ہیں جو روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔ تم لوگ ان کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس گئے اور ان کو دیکھا کہ وہ ایک فربہ

اور آنکھوں سے نابینا عورت ہیں سوانہوں نے کہا کہ بے شک حج تمتع کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے مسلم قرشی یہ وہی راوی ہیں جس کا ذکر مسند ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آیا ہے۔ اس مذکورہ روایت میں چونکہ حج تمتع کا ذکر ہے۔ اس لیئے ابوداؤد طیالسی کی روایت میں متعہ سے حج تمتع ہی مراد لینا ہوگا۔ اور حج تمتع میں ممنوعات احرام سے فائدہ اٹھانا ہی متعہ ہوتا ہے۔ اور ممنوعاتِ احرام کئی چیزیں ہیں مثلاً،

سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا اور عورتوں سے ہم بستری کرنا وغیرہ حالتِ احرام میں یہ سب چیزیں ممنوع ہوتی ہیں۔ لیکن احرام کھولنے کے بعد یہ سب چیزیں حلال ہوجاتی ہیں۔ انہی سے فائدہ اٹھانے کو حج میں متعہ یا تمتع کہتے ہیں۔ عورتوں سے صحبت کرنا متعۃ النساء اور خوشبو استعمال کرنا متعۂ خوشبو اور سلے ہوئے کپڑے پہننا متعۃ الثیاب کہلاتا ہے۔

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں بھی یہی حج تمتع والا متعۃ النساء مراد ہے۔ مگر ہمارے شیعہ جہلاء، گویا تو اس اصل معنی کا پتہ ہی نہیں ہے۔ یا پھر اپنی پیشہ ورانہ بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ والا متعہ مراد لے لیا ہے۔ جو عین بدکاری اور بے حیائی ہے۔

پھر ستم یہ ہے کہ اپنے مخالفین کے لیئے اس فعلِ بد کو زبردستی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے لیئے اس فعل کی نسبت کو باعث رسوائی و ذلت محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی شیعہ نے

برملا یہ نہیں کہا کہ میں متعہ کی پیداوار ہوں یا میرے خاندان یا قبیلہ کے مرد و زن متعہ کرتے کرواتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ کتب میں ہی یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تمتع مرة درجته كدرجة الحسن ومن تمتع مرتين درجته كدرجة الحسين ومن تمتع ثلث مرات درجته كدرجة علي ومن تمتع اربع مرات درجته كدرجتي

(منہج الصادقین ص ۳۵۶)

جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اسے امام حسنؓ، اور جو دو بار کرے اسے امام حسینؓ اور جو تین بار کرے اسے حضرت علیؓ، اور جو چار بار کرے اسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مل جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں بقول شیعہ، اگر متعہ اتنی اعلیٰ عبادت اور درجات والی چیز ہے تو پھر اس کی ضرورت صرف خاندانِ زبیرؓ ہی کو کیوں ہوئی۔ خاندان عبداللہ بن عباسؓ اور خاندان علی المرتضےٰؓ کو کیوں نہ ہوئی۔ کیا ان کو یہ درجات حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی؟

بایں ہمہ بقول شیعہ، اگر انہوں نے متعہ نہیں کیا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ فعل عین بدکاری ہے وگرنہ وہ اس ثواب سے محروم کیوں رہتے؟ اور شیعہ حضرات کو یہ بھی مان لینا چاہیئے کہ خاندانِ حضرت زبیرؓ بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے خاندان کی طرح پاک خاندان ہے۔ اور متعہ اگر ایک خاندان کے لیئے رسوائی کا باعث ہے تو دوسرے خاندان

کے لیۓ بھی یقیناً باعثِ رسوائی و ذلت ہے۔ ایک خاندان کو بچانا اور دوسرے کو ملوث کرنا یہ کہاں کی انسانیت ہے۔ اگر ان الزام لگانے والوں کو یہ کہہ دیا جائے کہ تم خود متعہ کی اولاد ہو تو یقیناً اس کو اپنے لیۓ ایک گالی سمجھیں گے۔ اور کہنے والے کے ساتھ لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں گے۔ تو خاندانِ زبیرؓ پر بے ہودہ بکواس کرتے وقت ان لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں شرم وحیاء نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

شیعہ فاضل کی بددیانتی

شیعہ فاضل لکھتے ہیں :-

خاندان زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ میں اکثر مسئلہ متعہ پر چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ کیونکہ اولاد زبیرؓ بی بی اسماءؓ کے بطن سے تھی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جوازِ متعہ کے قائل تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباس کو حضرت عروۃ بن زبیرؓ نے سرزنش کے انداز میں کہا کہ

الا تتقی اللہ مترخص فی المتعۃ۔

اے عبداللہ بن عباسؓ تجھے خدا کا خوف نہیں کہ متعہ کے جواز کا فتوٰی دیتے ہو۔ اس کا جو جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عروہ کو دیا۔ حافظ ابن قیمؒ نے کمال دیانتداری سے اہلِ علم تک پہنچایا ہے کہ :-

سَلْ اُمَّكَ يَا عُرْوَةُ ۔ اے عروہ! متعہ کی رخصت کا یہ مسئلہ میری

بجائے اپنی ماں سے جا کر پوچھ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۰۶)
قارئین کرام اس لطیف جواب پر غور فرمائیں۔ کیا مسکتِ خصم ہے۔ یہ سن کر حضرت عروہ بن زبیرؓ کو جرأت نہ ہو سکی کہ اس کی تردید کر سکیں۔

(جواز متعہ ص ۵۹-۶۰)

قارئین کرام! شیعہ فاضل نے حافظ ابن قیمؒ کی عبارت نقل کر کے جس متعہ کا ذکر کیا ہے وہ دراصل متعۃ الحج ہے۔
حافظ ابن قیم نے تو اسے کمال دیانتداری سے متعۃ الحج کی ہی بحث میں نقل کیا ہے۔ مگر شیعہ فاضل نے بے ایمانی اور بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے متعۃ النسآء (شیعہ والا متعہ) پر محمول کر لیا ہے
اس کا منہ توڑ جواب اگر ہم اپنی کتب سے دیں تو شاید شیعہ فاضل کی تسلّی نہ ہو سکے۔ چنانچہ ہم انہی کے مشہور و معروف شیعہ مصنف سید مرتضیٰ عسکری کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔
محاجّۃ ابن عباسؓ وابن الزبیر حول عمرۃ التمتع۔
مسئلہ متعۃ الحج پر عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی چشمک عنوان کے تحت علامہ عسکری صاحب مسلم شریف سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن مسلم القرشی قال سألت ابن عباس عن متعۃ الحج فرخص فیھا وکان ابن الزبیرؓ ینھٰی عنھا فقال ابن عباسؓ ھذہ ام ابن الزبیر تحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص

فیھا فادخلوا علیھا فاسئلوھا قال: فدخلنا علیھا فاذا امرأۃ ضخمۃ عمیاء فقالت قد رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا۔

(مقدمہ مرأۃ العقول فی شرح اخبار الرسول ص ۲۴۱)

مسلم قرشی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعۃ الحج کے بارے سوال کیا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ موجود ہیں جو یہ حدیث بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ تمتع کے بارے میں رخصت دی ہے۔ تم لوگ ان کے پاس جاکر پوچھ لو۔ چنانچہ کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی ہے۔

اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت اسماءؓ سے حجِ تمتع کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ نہ کہ متعۃ النساء کے متعلق جیسا کہ شیعہ فاضل کا زعم فاسد ہے۔

اس کے بعد شیعہ مصنف زاد المعاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

افرِدوا الحج ودعوا قول اعمامکم ھذا۔ فقال عبد اللہ بن عباس ان الذی اعمی قلبہ لانت الا تسأل امک عن ھذا؟ فارسل الیھا فقالت: صدق ابن عباس۔ جئنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاجا فجعلناھا عمرۃ۔ فحللنا الاحلال کلہ حتی سطعت المجامر بین الرجال والنساء۔ افرِدوا الحج ای لا تجمعوا بین الحج والعمرۃ۔

(ص ۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا حج عمرہ سے علیحدہ کرو اور اپنے اس نابینا آدمی کے قول کو چھوڑ دو۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس کا دل نابینا ہو گیا ہے وہ تو ہے۔ اس بارے میں اپنی والدہ سے کیوں نہیں پوچھتا؟ تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی والدہ کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کیا تو وہ فرمانے لگیں کہ ہاں: عبداللہ بن عباسؓ سچ کہتے ہیں ہم لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے گئے تھے۔ تو ہم نے اسے حج تمتع بنا لیا تھا۔ اور عمرہ کرنے کے بعد مکمل طور پر حلال ہو گئے۔ اور اپنی عورتوں سے ہمبستری بھی کی۔ حج عمرہ سے الگ کرو۔

اس روایت میں بھی پوری صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت اسماءؓ سے جس مسئلہ کے متعلق دریافت کرنے کے لیے کہا ہے وہ حج تمتع ہے۔ شیعہ فاضل نے بد دیانتی سے اسے متعۃ النساء بنا دیا ہے اس کے بعد شیعہ مصنف علامہ عسکری مزید لکھتے ہیں:

وفی روایۃ اخری قال عروۃ الا تتقی اللہ ترخص فی المتعۃ فقال ابن عباس سل امك یا عریۃ فقال عروۃ اما ابوبکر وعمر فلم یفعلا فقال ابن عباسؓ احدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثونی عن ابی بکر وعمر (ص ۲۴۲) بحوالہ زاد المعاد ۲/۲۰۶

دوسری روایت میں حضرت عروۃؒ حضرت ابن عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آپ حج تمتع کی اجازت دیتے ہیں، آپ کو خدا

کا خوف نہیں آتا تو اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ اے عروہ اپنی ماں سے جاکر پوچھو تو حضرت عروہ نے کہا لیکن حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے تو حج تمتع نہیں کیا۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں، اور تم مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ کی بات سناتے ہو:

قارئین کرام: ذرا غور فرمائیں کہ یہی وہ زاد المعاد کی عبارت ہے جسے ہمارے شیعہ فاضل نے اپنے کتابچہ جواز متعہ میں نقل کیا ہے۔ اور بددیانتی سے متعۃ النساء پر محمول کر لیا ہے۔ اور ظاہر یہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کو طنز کی ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ نہیں ہے چونکہ حضرت اسماءؓ حج تمتع کی قائل و فاعل ہیں۔ اور جواز کی روایت کی راوی بھی ہیں۔ بدیں وجہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عروہ سے کہا کہ جس حج تمتع کا تم انکار کرتے ہو تمہاری والدہ تو اس کی قائل بھی ہیں اور فاعل بھی۔ لہٰذا تم ان سے پوچھ لو تمہاری تسلّی ہو جائے گی۔

چنانچہ پہلے ہم شیعہ مصنف کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت اسماءؓ سے اس بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا:

صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ ابن عباسؓ سچ فرماتے ہیں۔

حج تمتع جائز ہے ہم نے خود کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خود اجازت دی ہے۔

اصل بات تو یہی ہے جو ہم نے شیعہ مصنف کے حوالہ سے لکھی ہے مگر ہمارے شیعہ خادم صاحب فرماتے ہیں:۔

مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ بھی آسانی سے ہار ماننے والے نہیں تھے۔ بوڑھا اور آنکھوں سے نابینا ہونے کی وجہ سے دھمکی کا جواب دھمکی سے تو نہ دے سکتے تھے۔ البتہ گاہے گاہے اولاد زبیرؓ کے ایسی چٹکی لیتے تھے کہ حضرت تلملا اٹھتے تھے۔

چنانچہ ایسا ہی ایک واقعہ ہم مسلمات اہلحدیث سے پیش کرتے ہیں۔

(جواز متعہ ص ۵۹)

چنانچہ آگے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ کی وہی گفتگو لکھی ہے جو اوپر ہم شیعہ مصنف علامہ مرتضےٰ عسکری کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔ اب قارئین کرام خود ہی انصاف سے فیصلہ فرمائیں، گفتگو تو دونوں بزرگوں کی حج تمتع کے بارے میں ہے۔ جس میں نہ تو خاندانِ زبیرؓ کے لیے کوئی رسوائی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے طنز کرنے پر ان کے تلملا اٹھنے کی کوئی وجہ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خادم بخاری اور جناب بشیر حسین آف سرگودھا نے جھوٹ بول کر فریب دینے کی مذموم حرکت کی ہے۔

شیعہ مصنف مرتضیٰ عسکری مزید وضاحت کے لیئے زاد المعاد کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

ان عروۃ بن الزبیر قال لرجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تأمر الناس بالعمرۃ فی ھؤلاء العشر ولیس فیھا عمرۃ قال او لا تسأل امک عن ذلک (مقدمہ مرأۃ العقول فی شرح اخبار الرسول ص ۲۴۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے

کہا کہ آپ عشرہ ذی الحج میں عمرہ کرنے کا فتوٰی دیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں عمرہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ اس بارے میں آپ اپنی والدہ سے دریافت فرمائیں۔ (وہ بھی جواز کا فتوٰی دیتی ہیں۔)

اس عبارت میں بھی پوری صراحت موجود ہے کہ گفتگو حج تمتع کے بارے میں تھی۔ لہٰذا ماں سے پوچھنے میں بھی اشارہ حج تمتع ہی کی طرف ہے نہ کہ شیعہ والے متعہ کی طرف۔ فافہم فتدبر۔

نوٹ ۔ علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے مقدمہ مرأۃ العقول میں متعہ کے لفظ سے دو عنوان قائم کئے ہیں

(۱) متعۃ الحج (۲) متعۃ النسآء

متعۃ الحج کے مسائل ص ۲۰۵ سے شروع ہو کر ص ۲۷۲ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ اور متعۃ النسآء کی بحث ص ۲۷۳ سے شروع ہو کر کتاب کے آخر تک جاتی ہے۔ آپ متعۃ النسآء کی پوری بحث پڑھ جائیں اس میں آپ کو حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سَلْ اُمّکَ کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ اگر اس سے مراد متعۃ النسآء ہوتا تو شیعہ مصنف اس بحث میں یہ الفاظ ضرور ذکر کرتے۔ لیکن چونکہ ان الفاظ سے مراد متعۃ الحج ہے اس لیے شیعہ مصنف نے اسی بحث میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔

اور حافظ قیم نے بھی زاد المعاد میں یہ الفاظ مسائلِ حج میں ہی ذکر کیے ہیں اور اسی طرح امام مسلم بھی یہ الفاظ احادیثِ حج میں ہی لائے ہیں۔ مگر خادم بخاری وزیر آبادی صاحب نے کمال بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

ان الفاظ کو متعۃ النساء پر محمول کر دیا ہے

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:۔

عن ایوب قال قال عروۃ لابن عباس الا تتقی اللہ ترخص فی المتعۃ فقال ابن عباس سل امک یا عریۃ فقال عروۃ اما ابوبکر و عمر فلم یفعلا فقال ابن عباس واللہ ما اراکم منتھین حتی یعذبکم اللہ نحدثکم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثونا عن ابی بکر و عمر قال ابو عمر یعنی متعۃ الحج و ھو فسخ الحج فی عمرۃ۔

(جامع بیان العلم و فضلہ ج ۲ ص ۱۹۵)

ایوبؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ آپ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ اے عروہ! تم اپنی ماں سے پوچھ لو (وہ بھی جواز کا فتویٰ دیتی ہیں) تو حضرت عروہ نے کہا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے تو ایسا نہیں کیا۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ تمہیں اللہ عذاب نہ کرے۔ ہم تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہیں اور تم ابوبکر و عمرؓ کی باتیں سناتے ہو۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جس متعہ کا ذکر ہے اس

۲۸۷/۲۳

سے مراد متعۃ الحج ہے۔ یعنی حج کا احرام توڑ کر عمرہ کی نیت کر لینا۔

قارئین کرام! اس مذکورہ روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جو شیعہ فاضل نے زاد المعاد کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ اور متعہ سے متعۃ النسآء مراد لیا ہے حالانکہ یہاں متعۃ الحج مراد ہے۔ اور ابن عبدالبر نے روایت کے آخر میں اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ اتنی صراحت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے مراد متعۃ النسآء ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو ایک طنز قرار دے تو پھر ہم یہی عرض کر سکتے ہیں کہ ایسے شخص کو اپنا علاج کرانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا حج

حجۃ الوداع میں جو پوزیشن حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ بنت صدیق کی تھی۔ بعینہٖ وہی پوزیشن حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی تھی۔ کیونکہ حضرت علیؓ یمن سے قربانی کے اونٹ لائے تھے اور احرام باندھتے وقت ہی نیت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ لہٰذا عمرہ کر کے حلال نہ ہو سکے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ عمرہ کر کے حلال ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائی تھیں۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

وقدم علی من الیمن ببدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد فاطمۃ ممن حل ولبست ثیابا صبیغا واکتحلت فانکر علیہا ذلک فقالت ان

ابی امرنی بھذا .... فذھبت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محرشاً علی فاطمۃ للذی صنعت مستفتیا لرسول صلی اللہ علیہ وسلم فیما ذکرت عنہ فاخبرتہ انی انکرت ذلک علیھا فقال صدقت صدقت ماذا قلت حین فرضت الحج قلت اللھم انی اھل بما اھل بہ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم قال فان معی الھدی فلا تحل (مسلم ج ۱ ص ۳۹۶)

حضرت علیؓ یمن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے کر آئے اور حضرت فاطمہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے احرام کھولا ہوا ہے اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ لگایا ہوا ہے تو حضرت علیؓ نے برا مانا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے حکم فرمایا ہے پھر حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں غصہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت فاطمہؓ کے احرام کھولنے کی شکایت کرنے گیا تو آپؐ نے فرمایا فاطمہؓ نے سچ فرمایا ہے میں نے ہی انہیں احرام کھولنے کا حکم دیا ہے۔

ناظرین کرام! مسلم شریف کی مذکورہ روایت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا ہے کہ حجۃ الوداع میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بالکل وہی پوزیشن تھی جو حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کی تھی۔

لہٰذا شیعہ فاضل نے اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے جو ہرزہ سرائی حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ پر کی ہے اس سے مولیٰ علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ دونوں واقعات ایک جیسے ہی ہیں

فضائلِ مُتعہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر جو آپ نے بے بُنیاد الزام لگایا ہے، اب تک ہم نے مُنہ توڑ جواب دیا ہے۔

اب ذرا آیئے! آپ کے ائمہ کا بیان مُلاحظہ فرمالیں جنہوں نے مُتعہ کے فضائل ومناقب میں زمین وآسمان کے قلابے مِلا دیئے ہیں۔ ان فضائل کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا خاندان اس الزام سے بری الذمّہ ہے، جو ہمارے شیعہ فاضل نے ان پہ لگایا ہے۔ ان مُتعہ کے فضائل ومناقب بیان کرنے والے اور ان کے متوسّلین ومتبعین کے متعلق وُہی رائے قائم کی جائے جو ہمارے فاضل شیعہ دوست نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلّق قائم کی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ زیادہ درُست ہی نہیں بلکہ عین عدل وانصاف کے مطابق بھی ہے۔

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے وَیسی سُنے

آیئے! اب ذرا آئینے میں اپنا مُنہ دیکھیئے۔

۱۔ مُتعہ کا قائل وفاعل شیعہ ہی ہو سکتا ہے

جناب امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ:

لیس منّا من لم یؤمن بکرّتنا ولم یستحل متعتنا

"جو شخص ہمارے دنیا میں دوبارہ آنے پر ایمان نہ رکھتا ہو اور متعہ کو حلال نہ جانتا ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

(تفسیر منہج الصادقین پ۵ ص ۳۵۴، ضمیمہ و حواشی جات از تفسیر مقبول احمد ص ۷۱)

شریعتِ شیعہ میں متعہ ضروری ہے۔

(ب) حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص متعہ کو حلال نہیں سمجھتا، وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔" (حق الیقین ص ۶۳۰)

مطلوب ہے سیم تنوں سے وصال ہو
مذہب وہ چاہیے کہ زنا بھی حلال ہو

۲۔ دوزخ سے آزادی کا پروانہ

(ا) منہج الصادقین میں ہے کہ:-

من تمتّع مرّة واحدة عتق ثلثه من النار۔

(منہج الصادقین ج ۵ ص ۲۰)

"جس نے ایک بار متعہ کیا اس کا تیسرا حصّہ دوزخ سے آزاد ہو گیا۔"

گویا تین بار کرنا دوزخ سے مکمل آزادی کا پروانہ ہے۔

(ب) امام جعفرؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:-

" ہر کہ یک بار متعہ کند ثلث او را آزاد شود از دوزخ، و ہر کہ دو بار متعہ کند ثلثانِ او آزاد شود، و ہر کہ سہ بار متعہ کند ہمہ او آزاد شود۔" (تفسیر منہج الصادقین پ۵ ص ۳۵۲)

جو شخص ایک بار متعہ کرے اس کے جسم کا تیسرا حصّہ دوزخ سے آزاد۔ دو

دفعہ کرنے والے کا دو ثلث آزاد، اور تین دفعہ مُتعہ کرنے والے کا سارا جسم دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

۳۔ بہشت میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ۔

تفسیر منہج الصادقین میں ہے کہ:۔

"ہر کہ یک بار مُتعہ کند ہمہ او از آتش ایمن شود۔ ہر کہ دو دفعہ مُتعہ کند محشور شود با نیکو کاراں، و ہر کہ سہ بار مُتعہ کند، ہم نشینی و مقاربت کند با مَن در روضۂ جناں۔" (پ ۵ ص ۳۶۵)

ایک دفعہ مُتعہ کرنے والا آتش دوزخ سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ دو دفعہ کرنے والا نیک بندوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ تین دفعہ کرنے والا حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہشت کے باغوں میں رہے گا۔

۴۔ شرک سے بچنے کا آسان نسخہ۔

تفسیر منہج الصادقین میں ہے کہ:۔

"بدرستیکہ مُتعہ امان است از شرک۔" (ص ۳۵۷)

مُتعہ کرنے والا سچ مچ شرک سے محفوظ رہتا ہے۔

۵۔ شیعہ عورتوں کے لیئے معراجی تحفہ۔

ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ:

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لما اسری بہ الی السماء قال لحقنی جبریلؑ فقال یا محمدؐ ان اللہ تبارک و

تعالیٰ یقول انّی قد غفرت للمتمتّعین من امتك من النساء۔"

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جب میں شبِ معراج آسمان کی طرف جارہا تھا تو مجھے پیچھے سے آکر جبریل علیہ السّلام ملے اور کہا اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تیری اُمّت کی مُتعہ کرنے والی عورتوں کو بخش دیا۔

۶۔ شراب کا نعم البدل۔

ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ:۔

"انّ اللہ تبارک وتعالیٰ حرّم علی شیعتنا المسکر من کلّ شرابٍ و عوّضھم من ذلك المتعة۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے شیعوں پر ہر نشہ والی چیز حرام کر دی۔ اور اس کے بدلے ان کو مُتعہ کرنے کی اجازت دے دی۔

۷۔ مُتعہ سے جسم کے بالوں کے برابر نیکیاں۔

صالح بن عقبہ کا باپ کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؒ سے مُتعہ کے ثواب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ:

"ان کان یرید بذلك وجه اللہ وخلاف من انکرھا لم یکلمھا بکلمة الّا کتب اللہ بکلمة کلمھا بھا حسنة ولم یمد یدہٗ الیھا الّا کتب اللہ له حسنة فاذا دنی منھا غفر اللہ ذنوبه بعدد ما مرّ من الماء علی شعرہ قلت بعدد الشعر قال نعم بعدد الشعر۔"

کیوں نہیں جب محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے اور منکرینِ متعہ کی مخالفت کرنے کے لیئے خالصاً لوجہ اللہ کرے تو متعہ کرنے والا جتنی باتیں خلوت میں عورت کے ساتھ کرے گا، اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جب اس کی طرف دستِ شہوت دراز کرے گا تو اس کے لیئے نیکی لکھی جائے گی۔ اور جب اس کے ساتھ (فعلِ مخصوص) کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جب یہ دونوں غسل فرمائیں گے تو جتنے بال ان کے بدن پر ہیں، اتنی رحمتیں اور نیکیاں انہیں عطاء کرے گا۔ میں نے کہا، جتنے بال ہیں سب کے برابر؟ فرمایا جتنے بال غسل کے وقت خشک رہ جائیں گے اتنی نیکیاں کم ہوں گی۔

۸۔ گناہوں کی بخشش کا آسان ذریعہ۔

"متعہ کرتے وقت جو کلمہ اپنی محبوبہ (ممتوعہ) سے کرے اور ہر مرتبہ جب ہاتھ لگائے تو اُسے ہر کلمہ اور دست اندازی کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب نزدیکی کرتا ہے تو اس کا گناہ بخشا جاتا ہے اور جب غسل کرتا ہے تو ہر روئیں کی گنتی کے برابر اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السّلام سے فرمایا۔ جو تیری اُمت سے متعہ کرتا ہے تو اس کے گناہ بخش دوں گا۔"

(ضیاء العابدین ص ۱۹۵)

لیجئے: ہر دست اندازی کے عوض ایک گناہ جھڑ رہا ہے اور پھر غسل کے بعد تو گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے؟ لذت و

ثواب بھی اور مفت میں جنت بھی :

۹۔ متعہ سے امام حسنؓ حسینؓ اور حضور پاکؐ کا مرتبہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"من تمتّع مرّۃ درجتہٗ کدرجۃ الحسنؑ ومن تمتع مرّتین درجتہٗ کدرجۃِ الحسینؑ ومن تمتّع ثلث مرّات درجتہٗ کدرجۃِ علیؑ ومن تمتّع اربع مرّاتٍ درجتہ کدرجتی"

جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اُسے امام حسنؑ، اور جو دو بار کرے اُسے امام حسینؑ، اور جو تین بار کرے اُسے حضرت علیؑ، اور جو چار بار کرے، اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مل جاتا ہے۔

۱۰۔ غسلِ متعہ سے فرشتوں کی پیدائش۔

ا، حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:۔

ما من رجل تمتّع ثمّ اغتسل الاخلق اللہ من کل قطرۃ تقطر منہ سبعین ملکا یستغفرون الی یوم القیامۃ۔

(برہان المتعہ مولفہ سید ابو القاسم)

جو شخص متعہ کرے، پھر غسلِ جنابت کرے، پانی کے ہر قطرے سے جو اس بدن سے گرے خدا تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتا ہے جو اس متعی شخص کے لیئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

ب، متعہ میں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑنے سے تمام گناہ انگلیوں کے

پوروں سے نکل جاتے ہیں۔ اور غسلِ جنابت کے پانی کے ایک ایک قطرہ سے اللہ تعالیٰ فرشتے پیدا کرتا ہے جو اس کے لیئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اس کا ثواب تاقیامت مُتعہ کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔" (خلاصہ منہج الصادقین ج ۲ ص ۲۹۱)

۱۱۔ مُتعہ سے نزولِ رحمت۔

"کسی شخص نے حضرت امام باقرؒ سے مقدمۂ مُتعہ میں عرض کی کہ میرے چچا کی لڑکی کے پاس بہت سامال ہے اور مجھ سے کہتی ہے کہ تو جانتا ہے کہ مجھے بہت سے آدمی طلب کرتے ہیں اور میں کسی سے راضی نہیں ہوئی۔ مجھے مردوں سے کوئی رغبت نہیں۔ مگر یہ جو سُنا ہے کہ خدا اور رسولؐ خدا نے مُتعہ حلال کیا ہے اور عمرؓ نے اسے حرام کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ خُدا اور رسولِ خدا کی اطاعت اور عمرؓ کی مخالفت کروں۔ تو مجھ سے مُتعہ کر۔ حضرت امام باقرؒ نے فرمایا، جا مُتعہ کر، خدا دونوں پر صلوٰۃ اور رحمت بھیجتا ہے۔" (ضیاء العابدین ص ۱۹۰)

لیجئے چچا زاد بہن پر بھی اگر دل آجائے تو اس سے بھی مُتعہ کیا جا سکتا ہے۔ سچ ہے ؏ "بے حیا باش ہرچہ خواہی کُن"

۱۲۔ شیعہ کے لیے خصوصی تحفہ۔

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محفل میں حاضر تھے۔ آپؐ نے سامعین کو ایک بلیغ خطبہ میں فرمایا:۔

اے لوگو! اللہ کی طرف سے ابھی جبرائیل علیہ السّلام میری اُمّت کے لیئے بہترین تحفہ لائے ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبرؑ کو نصیب نہیں ہوا، وُہ تحفہ مومنہ عورت (شیعہ) سے مُتعہ کرنا ہے۔ یاد رکھّو! یہ مُتعہ میری سُنّت ہے۔ میرے زمانہ میں یا میرے وصال کے بعد جو بھی اس سنّت "مُتعہ" کو قبول کر کے اس پہ عمل کرے گا بلکہ اس پر مُداوَمت کرے گا، وُہ میرا ہے۔ اور میں اس کا ہوں۔ اور جو اس کی مخالفت کرے گا تو وُہ خُدا تعالیٰ سے مخالفت کرتا ہے۔ اور جو بھی اس مجلس میں بیٹھنے والوں سے میرے اس حکم کا انکار کرے گا، وُہ میرے ساتھ بُغض کرتا ہے۔

لہٰذا سُن لو! کہ میں اس کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وُہ دوزخی ہے۔ جان لو کہ جو زندگی میں صرف ایک بار مُتعہ کرے گا تو وُہ اہلِ بہشت سے ہوگا۔

اور جان لو کہ جو شخص عورت سے مُتعہ کرنے کے لیئے بیٹھے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیئے ایک (سپیشل) فرشتہ نازل ہوگا۔ جو ان دونوں کی نگہبانی کرے گا۔ یہاں تک کہ وُہ اس فعل سے فارغ ہو جائیں۔

مُتعہ کرتے وقت جو کلمہ دونوں مُنہ سے نکالیں گے ان کے لیئے تسبیح و ذکر کارِ ثواب بن جائے گا۔ اور جب یہ دونوں ایک دُوسرے سے یک جان ہوں گے تو ان سے زندگی کے تمام گناہ مُعاف اور جب وُہ ایک دُوسرے کو بوسہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے ہر بوسہ کے عوض حج و عُمرہ کا ثواب بخشے گا۔

جب مُتعہ کے کام میں مشغُول ہوں گے تو ہر لذّت و شہوت کے جھونکے

پر ان کے نامۂ عمل میں اَن گنت نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ایک نیکی بڑے بلند پہاڑ کے برابر ہوگی۔ جب شہوت بجھا کر فراغت پائیں گے تو غسل کی تیاری کریں گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے ان دونوں بندوں کو، اب وہ لذت بجھا کر اٹھے ہیں اور نہانے کا انتظام کر رہے ہیں۔

اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان دونوں کو بخش دیا ہے۔ جان لو! کہ ان کے بدن پر غسل کا پانی ان کے جس بال سے گزرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے میں ان کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھے گا۔ اور دس گناہ معاف فرمائے گا، اور دس مرتبے بلند فرمائے گا۔

یہ تقریر سن کر حضرت علیؓ نے اُٹھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس شخص کا ثواب بھی بیان فرمایئے جو متعہ کے رواج دینے میں جدّوجہد کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اُسے اتنا ثواب ملے گا جیسے ان دونوں متعہ کرنے والوں کو ثواب ملا ہے اس کو دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔

پھر حضورؐ نے فرمایا:۔

اے علیؓ! متعہ کرنے والے مرد، عورت جب غسل سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کے غسل کے پانی کے ایک ایک قطرے سے فرشتہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ قیامت تک اس متعہ کرنے والے مرد اور عورت کے لیئے تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

اے علیؓ! جو شخص متعہ سے محروم رہے گا وہ نہ میرا ہے اور نہ تیرا۔

(خلاصۃ المنہج ص ۲۹۲ ج ۱)

مذکورہ روایت سے ثابت ہوا کہ متعہ ایک ایسا تحفہ ہے جو نہ سابقہ امتوں میں سے کسی کو نصیب ہوا، اور نہ ہی شیعوں کے سوا کسی دوسرے فرقہ کو ملا۔ اور نہ ملنے کا امکان ہے۔ اور ثواب وجزا کا حساب ہی کیا، لاکھوں سال کی بڑی سے بڑی عبادت، متعہ کے صرف ایک بوسہ کی عبادت کا مقابلہ نہ کر سکے؟

متعہ میں متاعی عورت سے حساب چکانے سے لے کر تا فراغت نامعلوم کتنے انوار و تجلیات سے نوازا جاتا ہے؟ بلکہ متعہ سے فراغت پانے کے بعد بیچارے متعہ کرنے والے مرد، عورت اپنی طاقت کا سرمایہ کھو بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر فرشتوں کی جماعت کے سامنے ان کے اس جہاد کی تعریف کرتا ہے۔ طرفہ یہ کہ متعہ کرنے سے کروڑوں فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ گویا متعہ نوری جماعت کے ایجاد کی فیکٹری ہے کون کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے فرشتے نہیں بنائے ہوں گے جتنے کہ متعہ کی فیکٹری سے شیعوں کے گھروں میں بنتے ہیں۔

۱۳۔ تارکِ متعہ دشمن خدا ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام باقرؒ سے عرض کی کہ:

"میں نے قسم کھائی کہ متعہ نہیں کروں گا۔ اب پریشان ہوں کیا کروں؟
آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے، حکمِ الٰہی سے روگردانی کی قسم کھائی ہے، جو شخص اللہ کے حکم سے روگردانی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوتا ہے۔"

مصنف اس روایت کو نقل کرنے کے بعد بطورِ تشریح فرماتے ہیں:۔

"بنا بریں روایت ہر کہ متعہ نہ کند دشمن خدا تعالیٰ باشد" (المنہج ص ۲۹۱)

یعنی اس روایت سے ثابت ہوا کہ جو متعہ نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

۱۴۔ تارکِ متعہ ناک کٹا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

فمن خرج من الدنیا ولم یتمتع جاء یوم القیامۃ وھو اجدع۔ (تنبیہ المنکرین ص ۲۵۴)

جو شخص بغیر متعہ کیئے دنیا سے چلا گیا وہ قیامت کے دن ناک کٹا اٹھایا جائے گا۔

میرے خیال میں کوئی شیعہ اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ ہوگا کہ اتنے بڑے ثواب سے کون محروم رہے۔ اس کے علاوہ روز قیامت اگر ناک کٹ گئی تو کیا عزت رہی؟

۱۵۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔

(ا) اگر خاوند والی سے متعہ کر لیا تو یہ گنہگار بھی نہیں، اور اجرت ضبط کر لینی بھی جائز ہے۔ (فروعِ کافی ج ۵ ص ۴۶۱)

(ب) جماع کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا خاوند موجود ہے تو جتنی رقم دے چکا ہے وہ عورت کے لیئے حلال ہے، جو باقی ہے قطعاً نہ دے۔

۱۶۔ نور کے اسی ہزار شہر۔

عورت متعہ کما کے اگر مزدوری واپس کر دے تو اسے ہر درہم کے عوض

اَسّی ہزار شہر نُور کے بہشت میں ملیں گے۔

۱۷۔ فاسقہ، فاجرہ اور زانیہ سے مُتعہ۔

میں نے امام جعفرؒ سے پُوچھا کہ کوفہ میں ایک عورت ہے جو بدکاری میں مشہور ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ مُتعہ کر لوں؟

امام نے فرمایا: "جی ہاں مُتعہ کر لے"۔ وُہ بیشک بدکار ہے لیکن اس وقت تو بڑے بہترین عمل کے لیئے آمادہ ہو رہی ہے۔ لہٰذا بلا شک جائز ہے۔ رحمت الٰہیہ کا دروازہ سب کے لیئے کُھلا رہتا ہے۔

(تہذیب الاحکام باب تفصیل احکام النکاح) ص ۲۹۳ ج ۲

۱۸۔ ذائقہ کی تبدیلی۔

شیعہ مذہب میں مزے ہی مزے ہیں۔ اگر قُبل سے طبیعت بھر جائے تو ذائقہ کی تبدیلی کے لیئے دُبر زنی بھی جائز ہے۔ چنانچہ شیعہ کی مشہور کتاب مختصر نافع میں ہے:

ویجوز اتیانہا لیلاً ونہاراً وان لا یاتیہا فی الفرج ولو رضیت بہ بعد العقد جاز۔ (ص ۸۶)

متاعی عورت سے یہ شرط کرنا جائز ہے کہ دن یا رات میں جماع کروں گا، اور یہ کہ شرمگاہ میں جماع نہ کروں گا۔ اگر وُہ عقد کے بعد راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

اور مزید تفصیل کے ساتھ الاستبصار میں ہے:

عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں کہ:۔

سألت اباعبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یاتی المرأۃ فی

دبرھا۔ قال لاباس اذا رضیت۔

(تہذیب الاحکام ص ۲۳۰ ج ۲ ، میں بھی ہے)

"میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ عورت کی دُبر میں صحبت کرنا جائز ہے؟
تو آپ نے کہا، اگر عورت راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

اس لُطف اندوزی کے ساتھ سہولت یہ ہے کہ غسل بھی واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ فروعِ کافی میں ہے کہ:۔

"وہ عورت جس کی لواطت کی جائے اس پر غسل واجب نہیں۔ اگرچہ عورت کی دُبر میں مرد کو انزال ہو بھی جائے۔ (ص ۲۵ ج ۱)

حماد بن عثمان[1] روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق سے دریافت کیا کہ اپنی عورت کی مَقعَد میں دخول کرنا کیسا ہے؟
اس وقت چونکہ آپ کے پاس بہت سے آدمی بیٹھے تھے، آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ اپنے غلام سے اس کی طاقت سے بڑھ کر خدمت لینی جائز نہیں بلکہ اسے فروخت کر دینا چاہیئے۔
(غرض یہ تھی کہ اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے غلام کے متعلق مسئلہ پوچھا ہے)
راوی کہتا ہے: دوسرے لوگوں کے مُنہ کو دیکھ کر آپ نے اپنا مُنہ جھکا کر مجھے چُپکے سے یہ فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

---

[1] :۔ استبصار ص ۲۳۰ ج ۳

آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ الخ سے غلط استدلال

شیعہ فاضل نے اس قرآنی آیت کو جوازِ مُتعہ کے لیئے نصِ جلی قرار دیا ہے جو بالکل غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ اِستمتاع کا مادہ متع ہے۔ اسی سے تمتع، استمتاع اور تمتیع آتے ہیں۔ استمتاع کے معنی ہیں طلبِ تمتع یعنی دیر تک نفع اٹھانا۔ عربی میں بولتے ہیں:۔

استمتع الرجل بولدہٖ۔

یعنی آدمی نے اپنے بیٹے سے فائدہ اُٹھایا۔

اس لیئے استمتاع کے معنی لغوی صرف فائدہ اٹھانے کے ہیں نہ کہ تعلقات زناشوئی کے۔ اور متعہ کے معنے ایسی عورت سے فائدہ اٹھانا کے ہیں، جسے تم اپنی بنا کر ہمیشہ رکھنا نہیں چاہتے ہو۔ دیکھو لسان العرب یا جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے "کہ ایک مرد، ایک عورت سے شرط کر لیتا ہے کہ مال کی اتنی مقدار اسے دے گا اور مقررہ وقت تک اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ استمتاع عام ہے۔ اور مُتعہ لغت عرب میں خاص معنے میں استعمال ہوا ہے، بڑے، چھوٹے انسان کا ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا۔ اور باپ کا بیٹے سے فائدہ اٹھانا استمتاع ہے۔"

لسان العرب میں زجاج کی رائے نقل کی ہے کہ:

آیت میں استمتاع کو متعہ کے معنی میں لے کر کچھ لوگوں نے لغت سے ناوانی کی وجہ سے سنگین غلطی کی ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ :

"کچھ لوگوں کا یہ خیال کہ یہ آیت، متعہ کے موضوع پر نازل ہوئی ہے۔ قطعاً غلط ہے۔"

قرآن میں نہ صرف یہ کہ متعہ کے جواز کا کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان کا رُخ اس کی حُرمت کی طرف ہے۔ باقی رہا زیرِ بحث آیت میں لفظ "استمتاع" سے استدلال، تو یہ بہت کمزور استدلال ہے۔ متعہ نہ اس کا منطوق ہے نہ مدلول اور نہ مفہوم۔ استمتاع عام ہے۔ اس کے معنی متعہ کے لینا سنگین غلطی ہے۔ جیسا کہ زجاج کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

الفاظ قرآنی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے قید لگائی ہے کہ تم اپنے مال عورتوں پر اس طرح خرچ کرو کہ ان کو قیدِ نکاح میں لانا مقصود ہو، اور قیدِ نکاح جب ایک بار عائد ہو جاتی ہے تو اس سے زوجین کی زندگی میں نکلنے کی صورت سوائے طلاق کے اور کوئی قرآن نے نہیں بتائی ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ اسی پر تفریع ہے یعنی بطور نتیجہ آئی ہے کہ :

جب تم نے مقررہ مہر کے ساتھ ان سے نکاح کر لیا ہے تو اب چونکہ تم اس سے فائدہ اٹھا چکے ہو، اس لیے ان کا پورا مہر ادا کرنا تمہارے ذمہ واجب ہے۔ قرآن مجید نے آیتِ بالا میں تقسیم بتائی ہے کہ مرد و عورت کے تعلقات کی دو قسمیں ہیں :

ایک احصان ، دوسرے مسافحت۔

(مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ)

احصان یعنی نکاح کے مقابلے میں مسافحت یعنی شہوت رانی ہے۔ مُتعہ کو ہمیں ان دونوں میں سے ایک میں شمار کرنا ہوگا۔ دونوں میں قدرِ مشترک مرد و عورت کا تعلّق ہے۔ دونوں میں یہاں حدِ فاصل یہ تباینٌ ہے۔ احصان میں تعلّق ناپیدی ہوتا ہے، مسافحت میں وقتی ہوتا ہے۔ احصان میں عورت کے مَرد پر کچھ حقوق ہوتے ہیں، مُسافحت میں نہیں ہوتے۔ احصان میں اولاد کی پرورش کا ذمّہ دار باپ ہوتا ہے مسافحت میں نہیں۔ اس بناء پر مُتعہ صراحتہً مُسافحت میں داخل ہے نہ کہ احصان میں۔ بہرحال یہ کہنا کہ یہ آیت قرآنی، لفظ استمتاع کی وجہ سے مُتعہ کے جواز کو بتا رہی ہے، صراحتہً اور علانیہ غلط ہے کیونکہ اس آیت میں مِنْهُنَّ کی ضمیر ان عورتوں کی طرف راجع ہے جن سے قرآن نے اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں نکاح کو حلال قرار دیا ہے۔ اور جن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

" اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے حاصل کرو۔ بشرطیکہ تم احصان کے طالب ہو، بدکاری نہ کرنے والے ہو۔ اگر قرآن غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ کی صراحت کر رہا ہے تو پھر مُتعہ کی گنجائش کہاں ہے؟

نکاح اور سفاح میں یہی فرق ہے کہ نکاح سے مقصود نسل ہوتا ہے اور زنا کا مقصد محض شہوت رانی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے زنا اور مُتعہ میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اولاد نہ زنا سے مقصود ہوتی ہے اور نہ مُتعہ

سے۔ دونوں کا مقصد شہوت رانی ہے۔ اسی بناء پر متعہ کا دوسرا نام عاریۃ الفرج ہے۔ جیسا کہ استبصار میں بتایا گیا ہے۔

"میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا کہ مانگی ہوئی شرمگاہ یعنی عاریۃ الفرج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے بتایا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

(ص ۷۵، ج ۲)

قرآن مجید نے غیر مسافحین کہہ کر دونوں سے منع کر دیا ہے۔ اور پھر اس پر بھی تو غور فرمائیے کہ فما استمتعتم کو گزشتہ آیت سے صرف فاء کے ذریعہ مربوط کیا گیا ہے یعنی اس میں کوئی نیا حکم نہیں دیا جا رہا ہے۔ بلکہ پہلے ہی حکم کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے۔ اگر یہ مستقل حکم ہوتا تو فاء کی جگہ واؤ لاتے۔ اس لیئے اس فقرے میں نکاح صحیح کے ذریعے استمتاع اور انتفاع مراد ہے۔ متعہ والے استمتاع اور انتفاع کا یہاں کوئی دور کا بھی اشارہ نہیں ہے۔ اگر اس فقرے میں متعہ مراد ہو تو اول کلام اور آخر کلام میں تعارض ہو جائے گا۔ کیونکہ آیت کے پہلے حصے میں تو نکاح اور شرائطِ نکاح کا ذکر ہو، اور آخر میں بلا شرط عورتوں سے نفسانی اور شہوانی انتفاع کی اجازت ہو۔

"تعالیٰ کلام اللہ عن ذٰلک علواً کبیرًا"

خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ آیت سے صحیح نکاح مراد ہے، نہ کہ متعہ۔ اور یہی رائے اہلِ سنت کے اکثر مفسرین کی ہے۔ جن مفسرین نے اس آیت سے حلتِ متعہ سمجھا ہے ایک تو ان کی غلطی ہے، اور دوسرے شیعہ حضرات کو ان

کی تفسیر سے کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچتا۔ کیونکہ یہ مفسّرین مُتعہ کی منسوخیت کے بھی قائل ہیں۔ جب کہ شیعہ حضرات کے ہاں یہ اعلےٰ درجہ کی عبادت ہے اور قیامت تک کے لیئے ہے۔ کیا کوئی شیعہ دوست ان مفسّرین کی تفسیر کو آڑ بنا کر مُتعہ کی حلّت کا فتوٰی دیتا ہے؟ تو ایمان داری کا تقاضہ یہ ہے کہ وُہ اس کے منسُوخ ہونے کا بھی فتوٰی دے۔ کیونکہ جن کی رائے سے استدلال کر رہا ہے، انہیں کی رائے یہ بھی ہے کہ مُتعہ منسُوخ، اور تا قیامت حرام ہے۔

آیت زیرِ بحث کے متعلّق شیعہ فاضل کا دعوٰی ہے کہ:

یہ حلّت مُتعہ پر نصِ جلی ہے۔ اور اہلِ سُنّت کے تمام مفسّرین کرام نے کھل کر اس کی تائید کی ہے۔

ذیل میں ہم اہلِ سُنّت کے چند ایک مفسّرین کی تصریحات نقل کرتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام خُود اس بات کا اندازہ لگالیں گے کہ شیعہ فاضل نے تقیّہ پر عمل کرتے ہوئے سفید جھوٹ بولا ہے۔ کیونکہ اہلِ سُنّت میں سے کوئی بھی مُتعہ کی حِلّت کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں۔

اکثر مفسّرین کے نزدیک آیت میں مُتعہ مُراد ہی نہیں ہے بلکہ صحیح نکاح کے بعد جماع سے بہرہ اندوز اور لذّت گیر ہونا مُراد ہے۔ یعنی عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد جب تم لذّت یاب اور بہرہ اندوز ہوگئے تو اُن کے مہر ادا کر دو۔ (تفسیر مظہری اُردو ص ۳۵ ج ۳)

• علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد تكلّف قوم من المفسّرين فقالوا المراد بهذه الآية نكاح المتعة ثمّ نسخت بما روى عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم انّه نهى عن متعة النّساء وهذا تكلّف لا يحتاج اليه لانّ النّبيّ صلى الله عليه وسلّم اجاز المتعة ثمّ منع منها فكان قوله منسوخًا بقوله (يعني بالسنة) و اما الآية فانّها لم تتضمّن جواز المتعة وانّما المراد بها الاستمتاع في النكاح (تفسیر آیات الاحکام ص ۲۶۰ ج ۱)

بعض مفسّرین کا یہ تکلف ہے کہ اس آیت سے مُتعہ مُراد ہے۔ بعد ازاں آپؐ کے منع کرنے سے منسُوخ ہو گیا۔ حالانکہ یہ بے فائدہ تکلف ہے کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے مُتعہ کی اجازت دی پھر آپؐ نے منع کر دیا۔ گویا آپؐ کے قول سے منسُوخ ہو گیا۔

رہی مذکورہ آیت تو وہ جوازِ مُتعہ کو متضمن ہی نہیں ہے۔ اس سے تو مُراد استمتاع فی النکاح ہے۔

• مولانا مفتی محمّد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں۔

اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہم بستر ہونا اور وطی کرنا مُراد ہے۔ (معارف القرآن ص ۳۶۵ ج ۲)

مولانا مفتی صاحب ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

لفظِ استمتاع کا مادہ "م، ت، ع" ہے جس کے معنی کسی فائدہ کے

حاصل ہونے کے ہیں۔ کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں۔ عربی قواعد کی رُو سے کسی کلمہ کے مادّے میں "ا س اور ت" کا اِضافہ کر دینے سے طلب وحصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا مطلب پوری اُمت کے نزدیک خَلَفًا عن سَلَف وہی ہے جو ہم نے ابھی اُوپر بیان کیا ہے۔ لیکن ایک فرقہ کا کہنا ہے کہ:

اس سے اصطلاحی مُتعہ مُراد ہے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت مُتعہ حلال ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ مُتعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ سے ہو رہی ہے جس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔

مُتعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ مدّعی ہے یہ ہے کہ:

ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن کے لیئے اتنے پیسے، یا فلاں جنس کے عوض میں تم سے مُتعہ کرتا ہوں۔ مُتعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے محض مادہ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدّعی ہے کہ آیت سے حلتِ مُتعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب دُوسرا معنی بھی کم از کم متحمل ہے (گو ہمارے نزدیک متعین ہے) تو ثبوت کا کیا راستہ ہے؟

دُوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے محرمات کا ذکر فرما کر یوں فرمایا ہے:

کہ ان کے علاوہ اپنے اموال کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو

اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہوں یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ "محصنین" کی بھی قید لگائی ہے۔ یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں۔ متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لیئے کیا جاتا ہے۔ اس لیئے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا اور عفت و عصمت۔ اور اس لیئے جس عورت سے متعہ کیا جائے، اس کو فریقِ مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا۔ اور اس کو ازواجِ معروفہ کی گنتی میں شمار نہیں کرتا۔ اور چونکہ مقصد محض قضاءِ شہوت ہے۔ اس لیئے مرد و عورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو متعہ عفت و عصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

- اس آیت کی تفسیر میں محمد الامین بن محمد المختار الشنقیطی لکھتے ہیں:۔

فالآية فی عقد النكاح لا فی نكاح المتعة كما قال به من لا يعلم معناها۔ (تفسیر اضواء البیان ص ۳۲۲ ج ۱)

آیت زیرِ بحث میں نکاحِ شرعی مراد ہے، متعہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض بے علم لوگوں نے رائے قائم کی ہے۔

- پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

و سياق الآية التی نحن بصددها يدل دلالة واضحة علی ان الآية فی عقد النكاح كما بينا لا فی نكاح المتعة۔ (تفسیر اضواء البیان ص ۳۲۵ ج ۱)

آیت کے سیاق کی دلالت نکاحِ شرعی پر واضح ہے، نکاحِ متعہ پر نہیں۔

• حضرت مولانا سید احمد حسن محدّث دہلوی مرحوم فرماتے ہیں:۔

اگرچہ بعض مفسّرین نے اس آیت سے چند روزہ نکاح کے جائز ہونے کا مطلب نکالا ہے جس کو متعہ کہتے ہیں۔ لیکن اوائل اسلام میں یہ نکاحِ چند روزہ جائز تھا، اب قطعی حرام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں فتح مکّہ یا حجۃ الوداع کے وقت بطورِ وعظ کے آپؐ نے جو لوگوں کو مخاطب ٹھہرا کر حدیث فرمائی ہے، اس میں صاف فرما دیا ہے کہ یہ نکاح اب قیامت تک حرام ہے۔ اس واسطے صحیح معنے آیت کے وُہی ہیں جو مجاہدؒ نے بیان کیئے ہیں کہ جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا اور ان سے گھرداری کی، اُن کا مہر ادا کرنا تم پر واجب ہے۔ اب ٹھہرا ہوگا تو وُہ دو۔ نہیں تو رواجِ خاندان کے موافق مہر مثل دو۔ (احسن التفاسیر ص ۳۰۸ ج ۱)

• تفسیر حسینی میں ہے:۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ پس ہر کہ برخوردار سے یافتہ اید بدو مِنْهُنَّ از زنان بسبب نکاح فَاٰتُوْهُنَّ پس بدہید ایشاں را اُجُوْرَهُنَّ مہرہای ایشاں۔ (تفسیر حسینی ص ۹۵ ج ۱)

نکاح کے سبب جن عورتوں سے تم لذّت اندوز ہوئے ہو تو اُن کے حق مہر ادا کرو۔

• تفسیر احمدیہ میں ہے:۔

یعنی من استمتعتم بہ منھنّ و نکحتموھنّ فاتوھنّ اجورھنّ ای مھورھنّ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۶۱)

استمتعتم کا معنی نکاحِ صحیح ہے۔ اور اجور کا معنی حق مہر ہے۔

- تفسیر جامع البیان میں ہے کہ :

فما استمتعتم به منهن ای من تمتعتم به من المنکوحات فاتوهن اجورهن مهورهن ۔(تفسیر جامع البیان ص ۱۲۲ ج ۱)

آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے نکاح کر کے تم فائدہ اٹھاؤ، ان کو ان کے حق مہر ادا کرو۔

- اعظم التفاسیر میں ہے کہ :-

لیکن ان محرمات کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے حق میں اس وقت حلال ہو سکتی ہیں جب تم ان کا مہر مقرر کر دو۔ اور نکاح سے غرض تعفف و پاک دامنی ہو۔ صرف گندا پانی ڈالنا مقصود نہ ہو۔ تو جب تم نے ان سے مزہ اٹھایا ہے تو ان کے مہر ان کے حوالہ کر دو۔ اگرچہ بعض لوگ اس آیت کے ظاہری معنی سے چند روزہ نکاح کے جواز پر استنباط کر کے متعہ کی اباحت کے قائل ہو گئے ہیں لیکن جب آیت کے سیاق و سباق اور احادیث رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر غائر نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ نکاحِ چند روزہ ابتداءِ اسلام میں جائز تھا۔ مگر بعد کو قطعاً حرام ہو گیا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن صاف طور پر فرما دیا کہ نکاحِ چند روزہ یعنی متعہ اب قیامت تک حرام ہے۔

(ص ۷۰ حصہ پنجم)

- تفسیر حقانی میں ہے کہ :-

جمہور کے نزدیک یہاں بھی نکاح مراد ہے، اس کو اس لیئے بیان کیا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر کے صحبت کر لی تو نفع اٹھالیا۔ اس کا پورا مہر واجب ہو گیا۔ (ص ۲۱۲ ج ۳)

- تفسیر قادری میں ہے کہ:

پس جو کہ فائدہ اٹھایا تم نے ساتھ اُن کے عورتوں سے بہ سبب نکاح پس دو انہیں مہر اُن کے۔ (ص ۱۵۹ ج ۱)

- علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ:

وهذه الآية لا تدلّ على الحل والقول بانّها نزلت فى المتعة وتفسير البعض لها بذلك غير مقبول لان نظم القرآن يأباه حيث بين سبحانه اوّلاً المحرمات ثمّ قال عزّشانهٗ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وفيه شرط بحسب المعنى فيبطل تحليل الفرج واعارتهٗ وقد قال بهما الشيعة ثمّ قال جل وعلا مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وفيه اشارة الى النهى عن كون العقد مجرد قضاء الشهوة وصب الماء واستفراغ اوعية المنىّ فبطلت المتعة بهذا القيد كان مقصود المتمتع ليس الّا ذلك دون التأهل والاستيلاد وحماية الذمار والعرض ولذا تجد المتمتع بها فى كلّ شهر تحت صاحب وفى كلّ سنة بحجر ملاعب فالاحصان غير حاصل فى امرأة المتعة اصلاً ولهذا قالت

الشیعة ان المتمتع الغیر الناکح اذا زنی لا رجم علیه ثم فرع سبحانه علی حال النکاح قوله عزمن قائل فاذا استمتعتم وهو یدل علی ان المراد بالاستمتاع هو الوطئ والدخول لا الاستمتاع بمعنی المتعة الّتی یقول بها الشیعة والقراءة الّتی ینقلونها عمن تقدم من الصّحابة رضی شاذة۔ (تفسیر روح المعانی ص ٦ ج ٥)

"اس آیت میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ یہ متعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور جن لوگوں نے متعہ سے تفسیر کی ہے تو وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نظمِ قرآنی اس کی تردید کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ ان مذکورہ محرمات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے عورتیں تمہارے لیئے حلال کردی ہیں، جب کہ مال "مہر" خرچ کر کے تم انہیں حاصل کرو۔ اس میں مال (مہر) خرچ کرنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ لہٰذا عورت کو دوسرے کے لیئے مباح کرنا اور عاریتًہ دینا باطل ہوگیا۔

حالانکہ یہ دونوں صورتیں شیعہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے محصنین غیر مسافحین کے الفاظ فرما کر بتایا کہ نکاح کا مقصد محض شہوت رانی اور منی گرانا نہیں ہے۔ لہٰذا اس قید سے بھی متعہ باطل ہوگیا۔ کیونکہ متعہ کرنے والے کا مطمحِ نظر محض شہوت رانی ہوتا ہے مستقل بیوی بنانا اور اولاد حاصل کرنا اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا مقصود

نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ ممتوعہ عورت ہر ماہ مختلف اشخاص کے استعمال میں آتی ہے اور ہر سال نئے آدمی کی تلاش میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ممتوعہ عورت کو کسی قسم کا احصان حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک مُتعہ کرنے والے پر رجم نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ بطور تفریع فرماتے ہیں۔

"فَاِذَا اسْتَمْتَعْتُمْ" یہ الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ استمتاع سے مُراد وطی اور دخول ہے۔ استمتاع سے وہ استمتاع مُراد نہیں جس کے شیعہ قائل ہیں۔

اور اس آیت میں صحابہ کرامؓ سے جو وہ قراءت "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی" نقل کرتے ہیں وہ شاذ ہے۔

- علامہ آلوسی بغدادی آگے چل کر پھر لکھتے ہیں۔

وبالجملة الاستدلال بهذه الآية على حل المتعة ليس بشئ كما لا يخفى ولا خلاف الآن بين الأئمة و علماء الأمصار الا الشيعة فى عدم جوازها۔

"خلاصہ مختصر یہ ہے کہ آیت سے حلتِ مُتعہ پر استدلال کرنا غلط ہے جیسے کہ یہ بات اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے اور اب منتعہ کے عدمِ جواز پہ سوائے شیعہ کے تمام ائمہ اور علماءِ اُمّت کا اتفاق ہے۔"

- علاّمہ قرطبی لکھتے ہیں۔

اختلف العلماء فى معنى الآية فقال الحسن ومجاهد

وغیرھما المعنی فما انتفعتم وتلذذتم بالجماع من النساء بالنکاح الصحیح فاعطوھن اُجورھن ای مھورھن۔ (قرطبی ص ۱۲۹ ج ۵)

"اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ حسن ومجاہد وغیرہ سے روایت ہے کہ یعنی عورتوں سے جب تم انتفاع وتلذذ بجماع نکاحِ شرعی حاصل کرو، تو اُنہیں ان کے مہر دے دیا کرو۔"

• نیز آگے چل کر امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قال ابن خُوَیْزِ مَنْدَاد ولا یجوز ان تحمل الآیة علی جواز المتعة لان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نھی عن نکاح المتعة وحرمه ولانّ اللہ تعالیٰ قال فانکحوھن باذن اھلھن ومعلوم ان النکاح باذن الاھلین ھو النکاح الشرعی بولی وشاھدین ونکاح المتعة لیس کذلك۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۰ ج ۵)

"ابن خُوَیز مَنداد کہتے ہیں کہ اس آیت کو مُتعہ کے جواز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُتعہ سے منع کر دیا تھا۔ اور اُسے حرام قرار دے دیا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن کے اہل کی اِجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرو۔ یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ اہل کی اِجازت سے جو نکاح ہوتا ہے وُہ وہی شرعی نکاح ہوتا ہے جس میں وَلی اور دو گواہ موجود ہوں۔ اور نکاحِ مُتعہ کی یہ پوزیشن نہیں ہے،

(کیونکہ اس میں ولی اور گواہ نہیں ہوتے)

- حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ:

اس آیت کو میراث کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ کیونکہ متعہ میں میراث نہیں ہوتی۔

- علامہ قرطبی ایک دوسرے مقام پر زیادہ صراحت سے لکھتے ہیں:

وسائر العلماء والفقهاء من الصحابة والتابعين وسلف الصالحين على ان هذه الاية منسوخة وان المتعة حرام۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۳، ج ۵)

"صحابہؓ، تابعینؒ اور تمام علماء و فقہاء اور سلف صالحین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور متعہ حرام ہے۔"

مفسرین میں سے جن حضرات نے اس آیت سے متعہ مراد لیا ہے، وہ اسے منسوخ مانتے ہیں۔ لہٰذا شیعہ حضرات کو ہمارے ان مفسرین سے جنہوں نے اس آیت سے متعہ مراد لیا ہے، کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہ اس کے منسوخ ہونے کے بھی قائل ہیں۔

- چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں:

قال الجمهور المراد نكاح المتعة الذى كان فى صدر الاسلام وقد قرأ ابن عباس وأبى وابن جبير فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى فاتوهن اجورهن ثم نهى عنه النبى صلى الله عليه وسلم۔ (قرطبی ص ۱۳۰، ج ۵)

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت سے وہ نکاح متعہ مراد ہے، جو ابتداء اسلام میں (ضرورت کے مواقع پر) جائز تھا۔ ابن عباسؓ اور اُبَیّ بن کعب اور ابن جبیرؒ سے منہن کے بعد الیٰ اجلٍ مسمیًّ کی قراءت بھی مروی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (متعہ سے) منع کر دیا تھا۔

• ترجمان القرآن میں حضرت نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں:۔

جمہور نے یہ کہا ہے کہ مراد اس سے نکاحِ متعہ ہے۔ جو صدر اسلام میں تھا آدمی کسی عورت سے ایک وقت مقرر تک نکاح کرتا۔ ایک رات یا دو رات یا ایک ہفتہ۔ کپڑے یا کسی اور چیز پہ پھر اپنا مطلب نکال کر اس کو چھوڑ دیتا، یہ نکاح فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں منسوخ ہو گیا۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا، ناسخ اس کا آیتِ میراث ہے۔ اس لیئے کہ متعہ میں میراث نہیں ہوتی۔ (ترجمان القرآن ص ۶۲۴ ج ۱، پ ۵)

• حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

وقد استدل بعموم هذه الآية على نكاح المتعة ولا شك انه كان مشروعًا فى ابتداء الاسلام ثم نسخ بعد ذلك۔ (ابن کثیر ص ۲۴۴، ج ۲)

اس آیت کے عموم سے بعض لوگوں نے نکاح متعہ سمجھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نکاح متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا۔ بعد ازاں منسوخ ہو گیا۔

• آگے چل کر حافظ ابن کثیرؒ مجاہدؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

نزلت فی نکاح المتعة ولکن الجمهور علی خلاف ذلك والعمدة ما ثبت فی الصحیحین عن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعة وعن لحوم الحمر الاھلیة یوم خیبر۔

(ابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۲)

زیرِ بحث آیت نکاحِ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ اور اس کا بہترین فیصلہ صحیحین کی حضرت علیؓ بن ابیطالب والی روایت کر دیتی ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا۔

- امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول مفسرین کے، ہیں:۔

۱۔ یہ اکثر علماء امت کا قول ہے کہ مراد اس آیت سے

"ابتغاء النسآء بالاموال علی طریق النکاح" ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت سے حکمِ متعہ مراد ہے۔ اور تمام علماء اس بارے میں متفق ہیں کہ یہ نکاح ابتداء اسلام میں مباح تھا بعد ازاں حرام ہو گیا۔

- پھر امام رازی رحہ لکھتے ہیں:۔

واختلفوا فی انها هل نسخت ام لا فذهب السواد الاعظم من الامة الی انها صارت منسوخة (تفسیر کبیر ص)

مذکورہ آیت کے محکم و منسوخ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اُمت کے سوادِ اعظم کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ کے اس بارے میں تین اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے ایک قول میں حضرت ابن عباس رضؓ اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔

- تفسیر بیضاوی میں ہے :-

وقیل نزلت الآیۃ فی المتعۃ التی کانت ثلثۃ ایام حین فتحت مکۃ ثمّ نسخت لما روی انّہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اباح ثمّ اصبح یقول یاَ یّھا النّاس انی کنت امرتکم بالاستمتاع من ھذہ النّساء الا انّ اللہ حرّم ذلک الی یوم القیامۃ وجوزھا ابن عبّاس ثمّ رجع عنہ

(تفسیر بیضاوی ص ۱۰۱ ج ۱)

یعنی بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو فتحِ مکہ کے موقع پر صرف تین دن کے لیئے مُباح قرار دیا گیا تھا۔ لیکن بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کے مُباح ہونے کا حکم منسوخ کرتے ہوئے اعلان فرما دیا کہ "لوگو! میں نے تمہیں ان عورتوں کے ساتھ متعہ کی اجازت دی تھی۔ خبردار! سُن لو! اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیئے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔

- ترجمان القرآن میں ہے :-

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ" سے مُراد نکاحِ صحیح ہے۔ حسن و

مجاہد وغیرہما نے یوں ہی کہا ہے یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاحِ شرعی سے انتفاع وتلذذ حاصل کیا، مزا اُڑایا، اُن کا مہر دینا تم پر واجب ہو گیا خواہ مسمّٰی ہو یا مہر مثل۔ (ترجمان القرآن ص ۶۲۴، پ ۵)

• مولانا پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اس آیت سے متعہ روافض پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے۔ کیونکہ مُحصنین غیر مُسافحین کے الفاظ اس کی صراحتًہ تردید کرتے ہیں نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا۔ (ضیاء القرآن ص ۳۳۴، ج ۱)

• علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں:۔

وفی فحوی الآیۃ من الدلالۃ علی ان المراد النکاح دون المتعۃ۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ص ۴۴۴ ج ۳)

مضمونِ آیت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں نکاحِ صحیح مراد ہے، متعہ نہیں۔

• تفسیر المراغی میں ہے:۔

ونکاح المتعۃ (وھو نکاح المرأۃ إلی اجلٍ معین کیوم او اسبوع او شھر) کان مرخصًا فیہ فی نکاح بدء الاسلام واباحہ النبی لاصحابہ فی بعض الغزوات لبُعدھم عن نسائھم فرخص فیہ مرّۃ او مرّتین خوفًا من الزّنا فھو من ارتکاب اَخفِّ الضررین

ثم نهى عنه نهيًا مؤبدًا لأن المتمتع لا يكون مقصده الاحصان وانما يكون مقصده المسافحة وللاحاديث المصدقة بتحريمه تحريمًا مؤبدًا الى يوم القيامة ولنهي عمر في خلافته واشارته بتحريمه على المنبر واقرار الصحابة له على ذلك۔ (ص ۸، ج ۵)

"نکاحِ مُتعہ (جو ایک معیّن مدّت کے لیئے نکاح کرنے کا نام ہوتا ہے، (جیسے ایک دن، ایک ہفتہ یا ایک ماہ کے لیئے) شروع اسلام میں اس کی رخصت تھی۔ اور آپؐ نے صحابہؓ کے اپنی عورتوں سے عرصہ تک جُدا رہنے کی وجہ سے بعض غزوات میں اس کو مباح فرمایا تھا۔ آپؐ نے ایک دو مرتبہ زنا میں واقع ہو جانے کے خوف سے اس کی رخصت عطا فرمائی تھی۔ پس یہ دو مضر چیزوں میں سے اَخفّ کا ارتکاب تھا بعد ازاں آپؐ نے ہمیشہ کے لیئے اسے منع کر دیا۔ کیونکہ تمتّع کنندہ کا مقصد احصان نہیں ہوتا، اس کا مقصد تو صرف شہوت رانی ہوتا ہے، اور احادیثِ صحیحہ میں اس کی حُرمت تاقیامت ثابت ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں مُتعہ کی حرمت منبر پر تمام صحابہؓ کی موجودگی میں بیان فرمائی۔ اور صحابہؓ نے اس سلسلہ میں آپؓ کی موافقت فرمائی۔"

- حضرت مولانا محمود الحسن صاحب "محصنین غیر مسافحین" کے تحت لکھتے ہیں۔
یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی، ان کے سوا سب حلال ہیں تین شرطوں کے ساتھ۔

اوّل یہ کہ طلب کرو، یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں طرف سے ہوجائے۔

دوّم یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔

سوّم یہ کہ اُن عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو، صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو، جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لیئے وہ اس کی زوجہ ہوجائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو۔ اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہوگیا۔ جس پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔ (حاشیہ قرآن ص ۱۰۵)

- سیّد رشید رضا صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وذھب الشیعۃ الی ان المراد بالآیۃ نکاح المتعۃ

(تفسیر المنار ص ۱۳ ج ۵)

اس آیت سے صرف شیعہ حضرات متعہ مُراد لیتے ہیں۔

سیّد رشید رضا کے بیان کے مطابق ثابت ہوا کہ اب اہل سنّت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اس آیت سے متعہ مُراد ہے۔ جبھی تو انہوں نے اس آیت سے جوازِ متعہ کے لیئے استدلال کرنا صرف شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

مذکورہ بالا مفسّرین کے تمام حوالجات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ اہلِ سنّت کے ائمہ مفسّرین میں سے کوئی بھی متعہ کے جواز کا قائل نہیں ہے۔ اور مذکورہ آیت سے مُتعہ کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اوّلاً تو اس آیت سے مُتعہ مُراد ہی نہیں ہے بلکہ نکاح شرعی مُراد ہے۔

ثانیاً، اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت سے نکاحِ مُتعہ ہی مُراد ہے تو وہ منسوخ ہوچکا

ہے۔ اہلِ سنّت کے ائمہ مفسّرین میں سے جنہوں نے اس آیت کی تفسیر مُتعہ سے کی ہے، وہ بھی اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہم با دلائل ثابت کر چکے ہیں۔ لہٰذا فاضل شیعہ کا بلند بانگ دعوٰی کہ یہ حلّت مُتعہ پر نص جلی ہے۔ اور تمام مفسّرین اہلِ سُنّت نے کھُل کر اس کی تائید کی ہے۔ صریحاً غلط بیانی، مغالطہ دہی اور کذب وافتراء ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

آیت زیرِ بحث میں ایک شاذ قراءت جو ابنِ عباسؓ، ابیؓ بن کعبؓ وغیرہ سے مروی ہے جس میں "الیٰ اجلٍ مسمّیً" کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے شیعہ حضرات نے مُتعہ کی حلّت پر استدلال کیا ہے۔ مگر یہ استدلال کئی ایک وجوہ سے مخدوش ہے۔

۱۔ یہ الفاظ بطورِ قرآن ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ الفاظ قرآن کے ہوتے تو مصحفِ عثمانیؓ میں ضرور درج ہوتے۔ اور تمام صحابہؓ اور اُمّتِ مُسلمہ کا اجماع ہے کہ جو کچھ مصحفِ عثمانیؓ میں ہے، وہی قرآن ہے۔ اور جو اُس میں درج نہیں وہ قرآن نہیں ہے۔ "الیٰ اجلٍ مسمّیً" کے الفاظ چونکہ قرآن میں درج نہیں ہیں لہٰذا قرآن کے الفاظ سمجھ کر ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں۔

واکثر الاصولیین علیٰ انّ ما قرأہ الصّحابی علیٰ انّہ قرآن و لم یثبت کونہ قرآناً لا یستدل بہ علیٰ شیءٍ لانّہ باطل من اصلہ لانّہ لما لم ینقلہ الا علیٰ انّہ قرآن فبطل کونہ قرآناً ظھر بطلانہ من اصلہ۔

"اکثر اصولیوں کا مسلک یہ ہے کہ صحابیؓ جو الفاظ بطورِ قرآن پڑھے۔ اور وہ الفاظ بطورِ قرآن ثابت نہ ہوں تو اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کی اصلیت ہی باطل ہے۔ (تفسیر اضواء البیان ص ۳۲۳ ج ۱)

۲۔ اگر ہم مان لیں کہ یہ الفاظ خبرِ واحد کی طرح قابلِ استدلال ہیں، جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے تو بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ اس دلیل کے خلاف ہیں، جو اس سے زیادہ قوی ہے یعنی اجماعِ امت۔ نیز اُن احادیث کے بھی خلاف ہے جو نکاح متعہ کی حرمت میں صریح قطعی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحریم تا قیامت بیان کردی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی سبرہ بن معبد جہنی رضؓ کی روایت سے ثابت ہے جو پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

۳۔ اگر ہم جدلی طور پہ یہ تسلیم کر بھی لیں کہ یہ آیت حلتِ متعہ پہ دلالت کرتی ہے تو شیعہ حضرات کو پھر بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس کی اباحت منسوخ ہو چکی ہے۔ جیسا کہ متفق علیہا احادیث سے اس کا نسخ ثابت ہے۔

- ابوبکر رازیؒ لکھتے ہیں:۔

لا یجوز اثبات الاجل فی التلاوۃ عند احد من المسلمین فالاجل اذاً غیر ثابت فی القرآن۔ (بحوالہ فتح الملہم ص ۲۴۳ ج ۳)

"اجلِ مسمّٰی کے الفاظ قرآنِ پاک کی تلاوت میں کسی مسلمان کے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ قرآنی الفاظ نہیں ہیں۔

- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ الی اجلٍ مسمّٰی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فقراءة بخلاف ماجاءت به مصاحف المسلمين وغير جائز لاحد ان يلحق فی كتاب الله تعالٰی شيئًا لم يأت به الخبر القاطع۔

(بحوالہ فتح الملہم ص ۲۴۴ ج ۳)

ان الفاظ کی قرأت شاذ ہونے کی بنا پر اُمت کے متفقہ قرآن کے خلاف ہے۔ بنابریں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن میں کسی چیز کو شامل کر دے جس کا قرآن ہونا قطعیت سے ثابت نہ ہو۔

آیت فما استمتعتم اور حضرت ابن عباسؓ

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:۔

ان تبتغوا تزوجوا باموالكم (الى الاربع) ويقال ان تشتروا باموالكم من الاماء ويقال ان تبتغوا باموالكم فروجهن وهی المتعة وقد نسخت الآن محصنين متزوجين غير مسافحين غير زانين بلا نكاح فما استمتعتم استنفعتم به منهن بعد النكاح فآتوهن اجورهن فريضة مهورهن كاملة ولا جناح عليكم ولا جرم عليكم فيما تراضيتم به فيما تنفعون وتزيدون فی المهر بالتراضی من بعد الفريضة الاولی التی سميتم لها۔ ان الله كان عليمًا۔ فيما احل لكم النكاح حكيمًا فيما حرم عليكم المتعة۔ (تفسیر ابن عباسؓ ص ۶۹)

ان تبتغوا کا معنی یہ ہے کہ اپنے اموال خرچ کر کے چار عورتوں تک نکاح کر سکتے ہو۔ اور یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم مال خرچ کر کے متعہ کرو۔ لیکن یہ متعہ اب منسوخ ہو گیا ہے۔ محصنین کا معنی نکاح کرنے والے اور غیر مسافحین کا معنی غیر زانی۔ فما استمتعتم کا معنی نکاح کے بعد فائدہ اٹھانا اجورھن کا معنی کامل مہر ہے۔ اور "ولا جناح علیکم" کا معنی ان پر کوئی گناہ نہیں۔ فی ما تراضیتم" کا معنی مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندگی سے تمہارے درمیان مہر کی کمی بیشی کے سلسلہ میں اگر کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ نے نکاح تمہارے لیے حلال کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ علیم ہے۔ اور متعہ حرام کیا ہے اس لیے کہ وہ حکیم ہے۔

حرمتِ متعہ پر اجماعِ اُمّت

متعہ کے تاقیامت حرام ہونے پر جیسے تمام صحابہؓ کا اجماع ہے، ایسے ہی صحابہؓ کے بعد تابعینؒ، ائمہ دین اور تمام علماءِ اُمّت کا بھی اس کی حُرمت پہ اجماع ہے۔ چنانچہ ذیل میں کتب اہلِ سنّت سے اس سلسلہ میں مختلف تصریحات ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے:۔

وھذا قول عامۃ الصحابۃ والفقھاء۔ (ص ۱۰۵ ج ۷)

متعہ کا حرام ہونا تمام صحابہؓ اور فقہاءِ امت کے درمیان متفق علیہ ہے۔

۲۔ ابوبکر حازمیؒ فرماتے ہیں:۔

فلم یبق الیوم فی ذلک خلاف بین فقہاء الامصار وائمۃ الامۃ الا شیئا ذھب الیہ بعض الشیعۃ۔ (کتاب الاعتبار ص ۳۳۱)

سوائے بعض شیعہ روافض کے تمام فقہاء اور ائمہ دین کا حرمتِ متعہ پر اتفاق ہے۔ آج کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے۔

۳۔ سید سابقؒ فرماتے ہیں:۔

وھو زواج متفق علیٰ تحریمہ بین ائمۃ المذاھب۔

متعہ ایک ایسا عقد ہے جس کی حرمت تمام مذاہب میں متفق علیہ ہے۔ (فقہ السنہ ص ۴۲، ج ۲)

۴۔ ابنِ منذرؒ فرماتے ہیں:۔

جاء عن الاوائل الرخصۃ فیھا ولا اعلم الیوم احدًا یجیزھا الا بعض الرافضۃ ولا معنی لقول یخالف کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔ (نیل الاوطار ص ۱۳۶ ج ۶)

شروع اسلام میں متعہ کرنے کی رخصت تھی۔ لیکن آج سوائے شیعہ رافضیوں کے کوئی بھی اس کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اور رافضیوں کا قول چونکہ کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۵۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:۔

ثم وقع الاجماع من بعد ذلک من جمیع العلماء

علیٰ تحریمہا الا الروافض۔

(نیل الاوطار ص ۱۳۶ ج ۶، وشرح نووی ص ۴۵۰، ج ۱)

پھر متعہ کی حرمت پر سوائے رافضیوں کے تمام علماء کا اجماع ہو گیا ہے۔

۶۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں۔

والجمہور من الصحابۃ قد حفظوا التحریم و عملوا بہ ورووہ لنا۔ (نیل الاوطار ج ۶، ص ۱۳۸)

تمام صحابہؓ متعہ کو حرام سمجھتے تھے۔ اور اس کی حرمت پر ہی عمل پیرا ہیں۔

۷۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں۔

تحریم نکاح المتعۃ کالاجماع بین المسلمین وقد کان ذلک مباحًا فی صدر الاسلام ثم حرمہ اللہ فی حجۃ الوداع وذلک فی اٰخر ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یبق فیہ خلاف بین الائمۃ الا شیئًا ذھب الیہ بعض الروافض۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابی داؤد ص ۱۸، ج ۳)

متعہ کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ شروع اسلام میں یہ مباح تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حرام کر دیا۔ اور حجۃ الوداع یا حرمتِ متعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں ہوا ہے۔ اب بعض رافضیوں کے علاوہ اس کی حرمت پر تمام ائمہ دین

کا اتفاق ہے۔

۸۔ مظاہر الحق میں ہے:۔

اجماع ہے سب علماء کا اس کے حرام ہونے پر۔ (ص ۱۲۵ ج ۳)

۹۔ علامہ محمد علی صابونی ؒ فرماتے ہیں:۔

حرمت الشریعة الاسلامیة ذلك ولم تبح الا النكاح الدائم الّذی یقصد منه الدوام والاستمرار و كل نكاح الی اجل فهو باطل لانّهٗ لا یحقق الهدف من الزواج وقد اجمع العلماء وفقهاء الامصار قاطبةً علی حرمة (نكاح المتعة) لم یخالف فیه الا الروافض والشیعة وقولهم مردود لانه یصادم النصوص الشرعیة من الكتاب والسنّة و یخالف اجماع علماء المسلمین والائمّة المجتهدین۔ (تفسیر آیات الاحکام ص ۴۵۷ ج ۱)

"شریعتِ اسلامیہ نے نکاح مُتعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ صرف اسی نکاح کو مباح کیا ہے جس سے مقصد دوام و استمرار ہو۔ اور ہر وہ نکاح جو معین مدت کے لیئے ہو وہ باطل ہے۔ کیونکہ ایسا نکاح، نکاح کے مقاصد پورے نہیں کرتا۔ تمام علماء و فقہاء کا حُرمتِ مُتعہ پر اجماع ہے۔ سوائے رافضیوں اور شیعہ کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ اور شیعہ کا قول مردود ہے۔ کیونکہ کتاب وسُنّت کی نصوصِ شرعیہ سے متصادم

ہے۔ ائمہ مجتہدین اور تمام علماء اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔"

۱۰۔ علامہ نووی فرماتے ہیں:۔

قال المازری ثبت ان نکاح المتعۃ کان جائزاً فی اوّل الاسلام ثمّ ثبت بالاحادیث الصحیحۃ المذکورۃ ھنا انہ نسخ وانعقد الاجماع علی تحریمہ ولم یخالف فیہ الا طائفۃ من المبتدعۃ وتعلقوا بالاحادیث الواردۃ فی ذلک وقد ذکرنا انھا منسوخۃ فلا دلالۃ لھم فیھا۔ (نووی شرح صحیح مسلم ص ۴۵۰ ج ۱)

"مازری نے فرمایا کہ متعہ شروع اسلام میں جائز تھا۔ پھر مذکورہ احادیث سے اس کا منسوخ ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ اب اس کی حرمت پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ اور فرقہ روافض کے علاوہ کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ اور رافضیوں نے اس کے جواز پر ان احادیث سے سہارا لیا ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہیں۔ حالانکہ ان کا منسوخ ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ پس یہ احادیث روافض کے لیے حجت نہیں بن سکتیں۔"

۱۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:۔

متعہ کے ناجائز اور حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، سوائے شیعہ کے اور کوئی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری اردو ص ۳۱ ج ۳)

۱۲۔ ابوبکر جصّاص لکھتے ہیں:۔

وقد اتفق فقہاء الامصار علی تحریمھا ولا یختلفون فیہ

"اب تمام فقہاء کا بلا اختلاف حرمتِ متعہ پہ اتفاق ہے۔"

(احکام القرآن ص ۱۵۲، ج ۲)

۱۳۔ صاحب ہدایہ نکاح المتعۃ باطل کے بعد لکھتے ہیں۔

قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابۃ وابن عباس رضی صح رجوعہ الیٰ قولھم فتقرر بالاجماع ۔ (ص ۲۹۳، ج ۱)

"ہم کہتے ہیں کہ متعہ کا نسخ صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے۔ صرف حضرت ابن عباس رضی سے اختلاف منقول ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ابن عباس رضی نے بھی رجوع کر لیا تھا۔ لہٰذا نکاح متعہ اجماعِ امت سے باطل ہے۔"

نوٹ ۔

یہاں پہ صاحب ہدایہ نے متعہ کی حلت کی نسبت امام مالک رح کی طرف بھی کر دی ہے جو بالکل غلط ہے۔ جیسے کہ شراح ہدایہ اور دیگر علمائے نے تصریح کی ہے کہ یہاں صاحب ہدایہ سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ حضرت امام مالک رح بھی دوسرے ائمہ کی طرح حرمتِ متعہ کے قائل ہیں۔

قال ابن دقیق العید ما حکاہ بعض الحنفیۃ عن مالک رح من الجواز خطأ ۔ (فتح الملہم ص ۴۴۴، ج ۳)

"ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ بعض احناف نے امام مالک رح کی طرف متعہ کے جواز کی جو نسبت کی ہے وہ غلط ہے۔"

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

ونسب القول بجواز المتعة الى مالك رضی اللہ عنہ وهو افتراء عليه بل هو كغيره من الائمة قائل بحرمتها۔

"امام مالکؒ کی طرف متعہ کے جواز کا جو قول منسوب ہے وہ ان پر محض افتراء ہے۔ بلکہ وہ بھی دوسرے ائمہؒ کی طرح حرمتِ متعہ کے قائل ہیں۔"

(بحوالہ فتح الملہم ص ۴۴۶ ج ۳)

شرح مختصر میں خلیل مالکی لکھتے ہیں:۔

لا خلاف عندنا ان المتعة نكاح يفسخ مطلقاً۔

"نکاحِ متعہ مطلق باطل ہے۔"

رسالہ ابن ابی زید مالکی میں ہے۔

لا يجوز نكاح المتعة إجماعاً۔

"متعہ کے عدم جواز پر اُمت کا اجماع ہے۔"

منح الوافیہ فی فقہ المالکیہ میں ہے:۔

لا يجوز نكاح المتعة وهو النكاح الى اجل۔

"نکاح متعہ جائز نہیں ہے۔"

۱۴۔ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

ولا يجوز نكاح المتعة وهو النكاح الى اجل و كان حلالاً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم نسخها الله على لسان رسوله نسخاً باتاً۔

"نکاحِ مُوقّت جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے شروع عہد میں حلال تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کی زبان مُبارک پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منسُوخ کر دیا۔ (المحلی ص ۵۱۹، ج ۹)

۱۵۔ پھر فرماتے ہیں:۔

وممن قال بتحریمها و فسخ عقدها من المتأخرین ابو حنیفة ومالك والشّافعیّ و ابو سلیمان ۔ (ایضاً ص ۵۲۰)

"متاخرین میں سے جو لوگ اس کو حرام اور منسُوخ سمجھتے ہیں، ان میں سے ابو حنیفہ، مالکؒ، شافعیؒ اور ابو سلیمان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"

۱۶۔ عبدالرحمٰن جزری فرماتے ہیں:۔

و روی ان ابن عباسؓ قام خطیباً فقال انّ المتعة كالمیتة والدّم و لحم الخنزیر وذلك مبالغة فی التحریم وبهذا كله یتضح ان نكاح المتعة او النكاح الموقت باطل باتّفاق المسلمین ۔ (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۹۱، ج ۴)

"حضرت ابن عباسؓ خطبہ دینے کے لیئے کھڑے ہوئے اور فرمایا، مُتعہ مُردار اور لحم خنزیر کی طرح ہے۔ اور یہ شدید قسم کی تحریم ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مُتعہ اور نکاحِ مُوقّت دونوں کے بُطلان پر تمام مسلمانوں کا اِتّفاق ہے۔"

۱۷۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ:۔

وهو باطل علی كلّ حالٍ ۔ (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۹۳)

"متعہ ہر حال میں باطل ہے۔"

۱۸۔ علامہ ابن قدامہؒ نے اس مسئلہ پر عالمانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

وممن روی تحریمہا عمر وعلی وابن عمر وابن مسعود وابن الزبیر۔ قال ابن عبد البر وعلی تحریم المتعۃ مالک واہل المدینۃ وابوحنیفۃ فی اہل الکوفۃ والاوزاعی فی اہل الشام واللیث فی اہل المصر والشافعی وسائر اصحاب الآثار۔ (مغنی ابن قدامہ ص ۵۷۱، ج ۷)

"صحابہ کرامؓ میں مندرجہ ذیل ہستیاں متعہ کی حرمت کی قائل تھیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن زبیر رضی اللہ عنہم۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین میں سے یہ لوگ متعہ کو حرام کہتے ہیں۔ امام مالکؒ، اور اہل مدینہ، امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ میں سے، اہل شام میں اوزاعی، اہل مصر میں لیث، نیز امام شافعیؒ اور دیگر اصحاب آثار بھی متعہ کو حرام قرار دیا کرتے تھے۔"

۱۹۔ علامہ شمس الحقؒ عظیم آبادی حرمت متعہ و اباحت متعہ کے مختلف مواقع ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:۔

ثم حرمت تحریمًا مؤبدًا والی ھذا التحریم ذھب جماھیر من السلف والخلف وذھب الی بقاء الرخصۃ من الصحابۃ وروی رجوعہ وقولھم بالنسخ۔

"پھر متعہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگیا۔ اور جمہور سلف و خلف اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ کچھ عرصہ بعض صحابہؓ متعہ کی رخصت کے قائل رہے ہیں۔ لیکن پھر ان کا رجوع اور متعہ کو منسوخ ماننے کا قول بھی مروی ہے۔"

(عون المعبود شرح ابی داؤد ص ۱۸۶ ج ۲)

۲۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

واما الاجماع فان الامة باسرهم امتنعوا عن العمل بالمتعة مع ظهور الحاجة لهم الى ذلك۔

"متعہ اجماعِ امت سے حرام ہے، باوجود ضرورت و حاجت کے اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔"

(فتح الملہم شرح مسلم ص ۴۴۴ ج ۳)

۲۱۔ نواب صدیق حسن صاحبؒ رقمطراز ہیں:۔

قد اجمع المسلمون على التحريم ولم يبق على الجواز الا الرافضة۔ (السراج الوہاج شرح مسلم ص ۵۲۲ ج ۱)

"حرمتِ متعہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ رافضہ کے علاوہ اس کے جواز کا کوئی قائل نہیں۔"

۲۲۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:۔

النكاح الموقت باطل سواء قيده بمدة مجهولة او معلومة وهو نكاح المتعة۔ (نکاح المتعۃ والموقت ص ۹۱)

"نکاحِ موقت باطل ہے خواہ اس کی مدت مجہول ہو یا معلوم، اسی کو نکاحِ متعہ بھی کہتے ہیں۔"

۲۳۔ شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا ساعاتی فرماتے ہیں:۔

وقد اجمع العلماء علی تحریم نکاح المتعة الی یوم القیامة۔ (بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی ص ۱۶۳ ج ۱۰)

"نکاح متعہ کی حرمت پر ہمیشہ کے لئے علماء کا اجماع ہے"

شیعہ کے گھر کی شہادت:۔

۲۴۔ علامہ حلی (شیعہ) فرماتے ہیں:۔

ذھبت الامامیة الی اباحة نکاح المتعة وخالف فیھا الفقھاء الاربعة (کشف الحق)

"شیعہ کے نزدیک متعہ جائز ہے۔ اور ائمہ اربعہ اس کو حرام سمجھتے ہیں"

مذکورہ علامہ حلی کی عبارت سے ثابت ہوا کہ تمام اہل سنت حرمت متعہ پر متفق ہیں۔ لہٰذا شیعہ سید بشیر حسین صاحب کا یہ فرمانا کہ متعہ کا مسئلہ کوئی ایسا مابہ نزاع نہیں ہے۔ اپنے گھر کی شہادت سے ہی باطل ہو گیا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۲۵۔ حضرت مولانا وحید الزمان صاحب فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

یعنی نکاح کے بعد جن عورتوں سے تم صحبت کرو۔ ان کا پورا مہر ان کے حوالے کرو۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری یعنی متعہ شروع اسلام میں جائز تھا، وہ یہ ہے کہ مرد عورت سے کہتا کہ "میں تجھ کو

ایک رات یا دو رات سے زیادہ رکھوں گا، اور اس قدر دوں گا۔"

پھر مدت گزرنے کے بعد اس کو رخصت کر دیتا۔ اور جو ٹھہرتا تھا، وہ اس کے حوالے کرتا۔ ابی بن کعبؓ، ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ اور سعیدؒ بن جبیرؒ نے جو قراءت کی ہے۔ یعنی" فما استمتعتم بہ منھن الیٰ اجلٍ مسمّٰی"۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متعہ مراد ہے۔

لیکن جنگِ خیبر میں یا فتحِ مکہ میں وہ حرام ہو گیا۔ جیسے صحیح حدیثوں میں ہے اور بعضوں نے کہا کہ حجۃ الوداع میں حرام ہوا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت منبر پہ بیان کی تمام صحابہؓ کے سامنے، اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ صرف ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ متعہ کو جائز کہتے تھے بعضوں نے کہا کہ ابنِ عباسؓ بھی اخیر میں اس کو حرام کہنے لگے۔

(تفسیر وحیدی ص ۱۰۷)

نیز مولانا صاحب کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق میں لکھتے ہیں:۔

وبطل نکاح الشغار والتحلیل و نکاح المتعۃ والموقت۔ (ص ۶۱)

"نکاح شغار، حلالہ، نکاح موقت اور متعہ باطل ہے۔"

نیز صحیح مسلم کے ترجمہ میں متعہ کی حلت و حرمت کے متعلق ایک مبسوط نوٹ لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

" سوائے ایک مبتدع گروہ کے کسی نے اس کی حرمت پر مخالفت نہیں کی۔ اور اس گروہ مبتدعہ نے انہی احادیثِ منسوخہ اور اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن

اجورھن " اور ابنِ مسعودؓ کی یہ قراءت شاذ ہے۔ اس کا رتبہ نہ حدیث کے برابر ہے نہ لازم العمل۔

اور امام زفرؒ نے کہا ہے "کہ جس نے نکاحِ متعہ کیا، اس کا نکاح ہمیشہ کے لیئے ہو گیا۔ یعنی پھر بغیر طلاق کے وہ نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔ گویا مدت کا ذکر قابلِ اعتماد نہیں رہا۔ جیسے اور شروطِ فاسدہ لائقِ اعتبار نہیں۔

مازریؒ نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ آپؐ نے فتحِ مکہ کے دن منع فرمایا۔ اس میں بعضوں کو شبہ ہوا۔ حالانکہ اس میں تعارض نہیں۔ اس لیئے کہ آپؐ نے بار بار اس سے منع فرمایا، اس لیئے کہ اس کی نہی (ممانعت) مشہور ہو جائے۔ اور سب کو پہنچ جائے۔ اور جس نے نہ سنا ہو، وہ بھی سن لے۔ پھر ہر راوی نے جس وقت میں سنا، اُس وقت میں نہی کو بیان کر دیا۔ غرض اس میں تعارض جاننے والے کی خطا ہے۔

اور قاضی عیاضؒ نے کہا ہے، ایک جماعت نے حدیثِ جوازِ متعہ کو صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔ اور مسلمؒ نے اس میں سے ذکر کیا ہے۔ ابنِ مسعودؓ اور ابنِ عباسؓ، اور جابرؓ، اور سلمہ بن اکوعؓ اور سبرہ بن معبد جہنیؓ کی روایتوں کو، اور ان سب روایتوں میں اس کا جواز سفر میں مذکور ہے نہ کہ حضر میں، بوقتِ ضرورت نہ کہ بلا ضرورت۔ اور ظاہر ہے کہ عرب کا ملک گرم ہے۔ اور اسفارِ جہاد میں عورتوں کا ساتھ رکھنا مشکل ہے۔

اور ابنِ عمرؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ اس کا جواز ابتداءِ اسلام میں تھا۔ جیسے مضطر کے لیئے مردار کا جواز ہے۔ اور اس کے مانند، اور ابن عباسؓ سے

سے اسی طرح مروی ہے۔

اور امام مسلمؒ نے اس کی اباحت سلمہ بن اکوعؓ سے روزِ اوطاس میں روایت کی ہے۔

اور سبرہؓ کی روایت سے فتح مکہ کے دن اور وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور پھر اُسی دن حرمت بھی ہوئی۔

اور حضرت علیؓ کی روایت میں اس کی تحریم خیبر کے دن آئی ہے۔ اور وہ فتح مکہ سے پہلے ہے۔ اور حضرت علیؓ سے مسلم کے علاوہ اور کتابوں میں مروی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں منع فرمایا۔ اس روایت کا کوئی متابع نہیں بلکہ یہ راوی کی غلطی ہے۔

اور اسی حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں، اور سفیان بن عیینہ اور عمری اور یونس وغیرہم نے زہری سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں خیبر کا دن مذکور ہے۔

اور امام مسلمؒ نے بھی اسی طرح امام زہری سے بواسطۂ ایک جماعت روایت کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے ربیع بن سبرہؓ سے اُن سے ان کے والد کے توسط سے روایت کیا ہے کہ متعہ کی نہی حجۃ الوداع میں ہوئی ہے۔ نیز کہا ہے کہ اس باب میں جو روائتیں مروی ہیں۔ ان سب میں یہی صحیح تر ہے۔ اور سبرہؓ سے اس کی اباحت بھی حجۃ الوداع میں مروی ہوئی ہے۔ پھر اسی دن اس کی قیامت تک کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت بیان فرمائی۔

حسن بصریؒ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ متعہ سوائے عمرۂ قضاء کے کبھی

حلال نہیں ہوا۔ اور سبرۃؓ جہنی سے بھی یہی مروی ہے۔ اور امام مسلمؒ نے سبرہؓ کی روایتوں میں تعینِ وقت بیان نہیں کیا۔ مگر محمد بن سعید دارمی، اسحاق بن ابراہیم اور یحیٰ بن یحیٰ کی روایت میں فتح مکہ کا دن مذکور ہے۔ اور محدثین نے کہا ہے کہ روایتِ اباحت کا حجۃ الوداع کے دن ذکر کرنا خطا ہے۔ اس لیئے کہ اُن دنوں میں نہ ضرورت تھی، نہ عزبت یعنی عورتوں سے جدائی۔ اور اکثر لوگوں نے عورتوں کے ساتھ حج کیا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں متعہ کی نہی ہوئی۔ جیسا کہ اکثر روایتوں میں آیا ہے۔ اور اس دن آپؐ نے اس نہی کی تجدید کی کہ سب مسلمان آج کے دن جمع ہیں۔ اس نہی سے خوب واقف ہو جائیں۔ اور حاضرین غائبین کو خبر دے دیں، اور اس لیئے کہ دین اس دن تمام ہوا۔ اور شریعت کامل ہوئی۔ پس اس نہی کو بھی تازہ طور سے بیان فرما دیا کہ سب میں پہنچ جائے۔ جیسے اور حلال و حرام اس دن ارشاد فرما دیئے اور اُس دن متعہ کی حرمت قطعی، ابدی قیامت تک کے لیئے بیان فرما دی۔ اور قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ اُس کی تحریم خیبر، عمرۂ قضا، روزِ فتح مکہ اور روزِ اوطاس ان مقاموں میں نہی بطور تجدید کے ہو۔ اس لیئے کہ خیبر کے دن اس کی تحریم کی حدیث بہت صحیح ہے۔ اور اس میں کچھ طعن نہیں۔ اور اس کے راوی بہت ثقہ اور پکے ہیں۔

مگر سفیان کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آپؐ نے متعہ اور گدھوں کے گوشت سے خیبر کے دن منع فرمایا، تو اس کے متعلق بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ متعہ کی حرمت بیان کی۔ اور اس کا وقت نہیں بیان کیا۔

اور گدھوں کی حرمت کا وقت خیبر کے روز کو کہا۔ سو گدھوں کی حرمت خاص خیبر کے دن ہوئی۔

اور متعہ کی تحریم کا وقت راوی نے بیان نہیں کیا۔ اور اس صورت میں راویوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور یہ قول اشبہ بالصحت ہے۔ اس لیئے کہ متعہ کی تحریم مکہ میں ہوئی۔ اور گدھوں کی حرمت خاص خیبر ہی میں ہوئی۔ قاضی نے کہا کہ اولیٰ وہی ہے جو ہم نے کہا کہ ان مواضع میں تحریم کی صرف تکرار ہوئی، مگر یہاں ایک بات باقی رہی وہ یہ کہ اس کی اباحت جو عمرۂ قضاء، روزِ فتح مکہ اور اوطاس کے دن میں ہوئی تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی اباحت بنظرِ ضرورت تحریم کے بعد ہوئی ہو۔ اور پھر ابدی تحریم قیامت تک ہو گئی ہو۔ اور شاید یہ ہو کہ آپؐ نے اس کو خیبر کے دن حرام کیا۔ اور عمرۂ قضا میں فتح مکہ ہی کے دن حرمتِ ابدی کے ساتھ حرام فرمایا۔ اور اس میں حجۃ الوداع کی اباحت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیئے کہ وہ سبرہؓ جہنی سے مروی ہے۔ اور معتبر پکے راویوں نے ان سے اس کی اباحت فتح مکہ کی روایت کی ہے۔ اور حجۃ الوداع میں جو ان سے مروی ہے، وہ صرف تحریم ہے۔ غرض ان کی روایت سے وہی بات لی جاتی ہے جس پر جمہور رواۃ متفق ہیں۔ اور سبرہؓ کے سوا دیگر صحابہؓ کی روائتیں بھی اس کے موافق ہیں۔ اور وہ بات یہی ہے کہ فتح مکہ کے دن متعہ کی نہی وارد ہوئی ہے اور اس کی تحریم حجۃ الوداع میں جو ہوئی، وہ صرف تاکید اور اشاعت کی غرض سے تھی، جیسا کہ اوپر گذرا۔

اور حسن بصریؒ کا جو قول اوپر گذرا ہے کہ متعہ سوائے عمرۃ القضاء کے اور کبھی

حلال نہیں ہوا۔ سو یہ محض غلط ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جن حدیثوں میں مذکور ہے کہ اس کی تحریم خیبر کے دن ہوئی۔ وہ بھی اس قول کی راد ہیں۔ اس لیئے کہ غزوۂ خیبر، عمرۃ القضاء کے قبل ہے۔ اور جو اس کی اباحت فتح مکہ اور روز اوطاس میں مروی ہوئی باوجودیکہ اس کی بھی روایتیں سبرہؓ جہنی سے وارد ہوئی ہیں۔ اور وہی دوسری روایتوں کے بھی راوی ہیں۔ پس وہ اباحت بہت صحیح ہے اور جو صحیح کے مخالف ان کی روایتیں ہیں وہ متروک ہیں۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ متعہ ایسی چیز ہے کہ اس میں تحریم و اباحت و نسخ دو بار ہے۔ یہ قاضی عیاضؒ کی تقریر ہے۔ اور امام نوویؒ نے کہا ہے کہ صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ اس میں تحریم و اباحت دوبارہ ہوئی ہے۔ اور وہ خیبر کے قبل حلال تھا۔ پھر خیبر کے دن حرام ہوا۔ اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال ہوا، اور وہی اوطاس کا دن ہے۔ اس لیئے کہ دونوں متصل ہیں پھر اس کے تیسرے دن حرمتِ ابدی ہو گئی۔ قیامت تک کے لیئے اور پھر حرمت ہی رہی۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اباحت قبل خیبر کے ساتھ خاص ہو۔ اور حرمت ابدی خیبر کے دن ہوئی۔ اور فتح کے دن صرف تاکید تحریم ہو۔ بغیر اس کے کہ فتح مکہ کے دن اباحت ہوئی۔ جیسا کہ مازریؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور قاضی عیاضؒ نے اس لیئے کہ وہ روایتیں جو مسلم نے ذکر کی ہیں، صریح دلالت کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن مباح ہوا۔ اور ان کا ساقط کرنا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اور مکرر اباحت کے وقوع کا کوئی مانع نہیں۔ اور قاضیؒ نے

نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ متعہ ایک مقررہ مدت تک نکاح تھا، نہ اس میں میراث ہوتی تھی؛ نہ طلاق کی ضرورت تھی۔ بلکہ بمجرد اتمام مدت فراق ہو جاتا تھا۔ اور نکاح باقی نہ رہتا تھا۔ اور اس کی حرمت پہ اجماع منعقد ہو گیا۔ اس کے بعد جمیع علماء کا سوائے فرقہ مبتدعہ روافض کے۔ اور ابن عباسؓ بھی پہلے اس کی اباحت کے قائل تھے، پھر رجوع کیا۔ اور اب اس پہ بھی علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی نکاح متعہ کرے تو وہ فاسد ہے اور باطل۔ خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اس کے بطلان پہ حکم دیا جاوے گا۔ سوا امام زفر کے کہ ان کا قول اوپر مذکور ہو چکا۔ اور اصحاب مالکؒ نے اختلاف کیا ہے کہ آیا اس نکاح سے جماع کرنے والے پہ حد لازم آتی ہے یا نہیں۔

اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پہ حد نہیں۔ اس لیئے کہ عقد کا شبہ ہے۔ اور قاضیؒ نے کہا ہے کہ اس پہ بھی اجماع ہے کہ ایک شخص نے نکاح کیا، اور اس کی نیت میں ہے کہ میں اتنی مدت اس عورت کو رکھوں گا تو اس کا نکاح صحیح اور حلال ہے۔ اور یہ نکاح متعہ نہیں ہے۔ نکاح متعہ وہی ہے کہ جس میں ایک مدت کی شرط ہو جائے۔ اور عقد کے وقت اس مدت کا ذکر آ جائے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں بعینہٖ یہی تقریر کی ہے۔ اور اس زمانہ میں بعض جہلاء جو بڑے علماء ہیں، سفہائے ناس کو بالقائے وسواس مثل خناس کے علت متعہ سنا کر ستیاناس کرتے ہیں۔ اور

اُن کے حق میں خناس بنتے ہیں۔ اور مشرب روئے تحقیق سے مغاک ردی جہالت میں سنتے ہیں۔ اللہ اُن کے فریب و تزور سے مومنانِ پُرنور کو بچائے آمین یارب العالمین۔ (صحیح مسلم شریف ترجمہ وحید الزمان ص ۹ تا ۱۱ ج ۴)

مذہبِ شیعہ اور خاندانِ نبوّت کی خواتین!

مسئلہ متعہ کی تحقیق کرتے ہوئے جب میری نظر شیعہ کی مشہور کتاب "تہذیب الاحکام ص ۲۷۱ ج ۷ مطبوعہ نجف اشرف باب تفصیل احکامِ نکاح" جس کے مصنف شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی ہیں کی اس عبارت پر پڑی۔

ولا بأس بالتمتع بالهاشمية

"خاندانِ نبوّت کی خواتین کے ساتھ بھی متعہ کرنے میں حرج نہیں۔"

تو نہ پوچھئے مجھ پہ کیا گزری، میرا سر چکرانے لگا، اور آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا، یہ مذہب اُن لوگوں کا ہے جو اہلِ بیت پاک کی محبّت اور تعظیم و تکریم کو اپنا دین وایمان بتاتے ہیں۔ کیا اس دعوٰی محبّت کی یہ حقیقت ہے؟ کیا تعظیم و تکریم کے مدعی اتنی گستاخی کے جواز کا فتوٰی دے سکتے ہیں؟ العیاذ باللہ!

یہاں میں "سید بشیر حسین صاحب اور دیگر شیعہ صاحبان" کی غیرتِ ایمانی اور حمیّت انسانی سے اتنا پوچھنے کی اجازت طلب کرتا ہوں کہ

"جس طرح انہوں نے خاندانِ نبوّت کی خواتین کے ساتھ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا، کیا وہ اپنی ماؤں بہنوں، بچیوں اور بیویوں کے لیے یہ

امر پسند کرتے ہیں کہ انہیں کوئی متعہ کا پیغام دے، یا وہ متعہ کرتی پھریں؟ اگر آپ اس کے تصور سے بھی لرز جاتے ہیں تو پھر وہ خاندانِ نبوّت کی خواتین اور اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسّلام کی بچیوں کے بارے میں یہ بات کہتے ہوئے کیوں شرم سے نہیں ڈوب مرتے؟ اگر اپنے لیئے یہ فعل باعثِ ننگ و عار ہے تو کیا دُوسروں کے لیئے یہ عزّت و وقار کا باعث ہے؟ خُدا را کچھ تو انصاف کرو"۔

اب ذیل میں یہی تضاد و تناقض انہی کی کتب سے مطالعہ فرمائیں:۔

عبداللہ بن عمیر اللیثی، امام باقرؒ کے پاس آیا۔

ماتقول فی متعۃ النسآء؟ فقال احلھا اللہ فی کتابہٖ وعلیٰ لسان نبیّہٖ فھی حلال الیٰ یوم القیامۃ فقال یا ابا جعفر مثلك یقول ھٰذا وقد حرمھا عمر ونھیٰ عنہ فقال وان کان فعل فقال اعیذك باللہ من ذٰلك ان تحلّ شیئًا حرمہٗ عمر قال فقال لہٗ فانت علیٰ قول صاحبك وانا علیٰ قول رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وان الباطل ما قال صاحبك قال فاقبل عبد اللہ بن عمیر فقال أیسرك ان لنسائك وبناتك واخواتك وبنات عمّك یفعلن قال فاعرض عنہ ابوجعفر حین ذکر نسآءہٗ و بنات عمّہٖ۔

(فروع کافی ج ۲، ص ۱۹۰)

"اور متعہ کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا، خدا نے اس کو اپنی کتاب میں

اور اپنے رسولؐ کی زبان سے حلال کیا ہے۔ پس وہ قیامت تک حلال ہے۔ ابنِ عمیر نے کہا، آپ جیسا امام یہ بات کہے، حالانکہ عمرؓ نے اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا ہے۔ آپ سے یہ زیبا نہیں کہ جس چیز کی حُرمت عمرؓ نے بیان کی ہے، آپ حلال کریں۔ امام باقرؒ نے کہا، تو عمرؓ کے قول پر اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر کاربند رہوں گا۔

پہلی بات قولِ رسولؐ ہے۔ اور تیرے صاحب عمرؓ کا قول باطل ہے۔ ابنِ عمیر نے کہا، کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی عورتیں، لڑکیاں بہنیں، چچا کی بیٹیاں یہ فعل کریں؟ امام باقرؒ نے یہ سن کر اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا، اور کچھ جواب نہ دیا۔"

ائمہ معصومین کی تصویر کا سیاہ رُخ تو شیعہ صاحبان نے مذکورہ بالا الفاظ میں دکھلا کر حُبِّ اہلِ بیت کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ ہمیں معاندینِ اہلِ بیت سے شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارا ایمان یہ نہیں کہ یہ راہ نمایانِ راہِ طریقت "آنچہ بر خود نہ پسندی، بر دیگران ہم پسند" کی خلاف ورزی کر کے جو چیز دوسروں کے لیئے جائز سمجھیں اور اس کی تلقین کریں، اور خود اس پر عامل نہ ہوں؟ اگر امام باقرؒ حلّتِ مُتعہ کے اس قدر ہی قائل تھے کہ اس کو سنّتِ رسولؐ اور قیامت تک جائز سمجھتے تھے تو پھر اپنی عورتوں کا سوال آجانے پر کیوں کبیدہ خاطر ہوئے؟

یہ عجیب بات ہے کہ جو فعل مَردوں کے لیئے باعثِ نجاتِ اُخروی اور افتخارِ دُنیوی ہو، وہ عورتوں کے لیئے موجبِ رسوائی و شرم ساری ہو۔

فَيَا لَلْعَجَب

متعہ حضر میں کبھی حلال نہیں ہوا

شروع اسلام میں متعہ جتنی دفعہ بھی حلال ہوا ہے وہ صرف ضرورتِ شدیدہ اور غزوات وغیرہ میں حالتِ سفر میں ہوا ہے کسی موقع پر بھی اس کی حلت حضر میں نہیں ہوئی ہے چنانچہ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمیؒ لکھتے ہیں:۔

۱۔ وانما کان ذلک یکون فی اسفارھم ولم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباحہ لھم وھم فی بیوتھم۔ (کتاب الاعتبار ص ۳۳۱)

متعہ کی حلت سفروں میں مباح ہوئی ہے۔ اور ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے لیے حالتِ حضر میں متعہ کی اجازت دی ہو۔

۲۔ ابوجمرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے متعۃ النساء کے بارے میں پوچھا۔ آپ کے مولیٰ نے کہا:۔

انما کان ذلک فی الغزو والنساء قلیل فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ صدقت۔ (معانی الآثار ص ۲۷، ج ۲)

کہ اس کی حلت، قلت نساء کی وجہ سے غزوات میں ہوئی ہے، حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تصدیق کی۔

۳۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ:۔

انما کانت المتعۃ لخوفنا ولحربنا (سنن کبریٰ ص ۲۰۷ ج ۷)

حالتِ غزوات اور خوف وغیرہ کی وجہ سے متعہ حلال ہوا تھا۔

۴۔ فتح الملہم میں ہے۔

فانّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما رخص فیھا للضرورۃ وعند الحاجۃ فی الغزو وعند عدم النسآء وشدۃ الحاجۃ الی المرأۃ فمن رخص فیھا فی الحضر مع کثرۃ النسآء وامکان النکاح المعتاد فقد اعتدیٰ واللہ لایحبّ المعتدین۔ (ص ۴۴۱ ج ۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورتِ شدیدہ اور قلتِ نسآء کی بنا پر صرف غزوات میں متعہ کی رخصت دی تھی۔ اب جو کوئی عورتوں کی کثرت اور جائز نکاح کی توفیق ہونے کے باوجود حضر میں متعہ کی رخصت کا قائل ہے، وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والا ہے۔ اور اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

۵۔ وحاصلھا انّ المتعۃ انما رخص فیھا لسبب العُزْبۃ فی حال السفر۔ (فتح الملہم ص ۴۴۶ ج ۳)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ تجرد کی وجہ سے صرف حالتِ سفر میں مُتعہ کی رخصت دی گئی ہے۔

۶۔ شیعہ کی معتبر کتاب فقہ الرضاء میں ہے۔

راوی کہتا ہے، اے برادر! میں نے امام رضا سے کہا، میری رُوح آپ پر قربان ہو، یہ فرمایئے کہ متعہ کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ

آپ کے دادا جناب امیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ متعہ فتح مکہ کے روز حلال اور خیبر کے روز حرام کیا گیا اور اس سے منع کیا تھا۔ حضرت امیر نے فرمایا:-

انہوں نے سچ کہا تھا۔ خدا کی قسم متعہ حرام ہے۔ البتہ پہلے اجازت دی گئی تھی۔

پھر امام نے کہا کہ:-

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ صرف عرب کے جوانوں کے لیئے حلال کیا تھا جو سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ اور انہوں نے تکلیف کی شکایت کی تھی۔ آپؐ نے حرام سے بچنے کے لیئے اس کی اجازت دی تھی۔ لیکن جو شخص نکاح یا لونڈی خریدنے پر قادر ہے یا اپنے مکان پر ہے یا کسی شہر میں مقیم ہے تو اگر وہ متعہ کرے گا تو اللہ کے حرام کردہ فعل کا مرتکب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا وہ ظالمین میں داخل ہو گیا۔

"اے بیٹا! متعہ صرف ضرورت واضطرار کے وقت جائز ہے، جیسے ضرورت کے وقت مردار، لحم خنزیر اور خون۔ لیکن حد سے تجاوز نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔"

اہل بصیرت ذرا آنکھ کھول کر اس روایت کو پڑھیں اور پھر خدا لگتی کہیں کہ اس روایت سے صحیح ترین و معقول ترین روایت کبھی ان کی آنکھوں نے دیکھی یا اُن کے کانوں نے سُنی ہے؟

روایت کیا ہے۔ حقیقت کا نچوڑ آنکھ سے دیکھو یا کان سے سنو، ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے۔ اور کسی چیز کی صداقت کی اس سے واضح تر دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ صرف یہ روایت انکشافِ حقیقت ہی کرتی ہے۔ بلکہ متعہ کی واقعاتی و فلسفیانہ تاریخ کے دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے۔

السیل الجرار میں علامہ شوکانی شرعی نکاح کی شرائط ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فالمتعة ليست بنكاح شرعي وانما هي كانت رخصة للمسافر مع الضرورة لاخلاف في هذا۔

(بحوالہ السراج الوہاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن الحجاج ص ۵۲۳ ج ۱)

متعہ نکاح شرعی نہیں ہے بلکہ ضرورت کی بنا پر مسافر کے لیے بالاتفاق رخصت تھی۔

مولانا مودودی مرحوم اور حرمت متعہ

شیعہ فاضل نے ایک مکتوب میں جو انہوں نے مجھے ارسال کیا، یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

"دورِ حاضر کے نامور محقق اور مصنف علامہ مودودی مرحوم نے بھی جوازِ متعہ پر فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ اگرچہ پیچ در پیچ راستہ اختیار کیا مگر اپنے مسلک کے علماء کی طعنہ زنی سے بچنے کے لیے وہ دبک گئے تھے۔ کیونکہ چاروں طرف سے ایک بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ (مکتوب ۸۱/۲/۱۸)

اولاً:۔ میں آنجناب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر مولانا مودودی مرحوم نے جوازِ متعہ کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ تو ان کا یہ فتویٰ بقول آپ کے اہلِ سنت کے نظریہ کے

مطابق تھا۔ کیونکہ آپ نے اپنے شائع کردہ تعاقب بتاریخ ۵ ہفت روزہ شہید لاہور" میں دعویٰ کیا تھا کہ تمام صحابہؓ متعہ کے قائل بھی تھے اور عامل بھی (نیز مفسرین اہلسنت نے اس کی کھل کر تائید کی ہے) تو پھر مولانا مودودی صاحب اپنے ہم مسلک والوں کی طعنہ زنی کا خوف چہ معنیٰ دارد؟

یہ عجیب بات ہے، ایک طرف تو آپ تمام اہلِ سنّت کو قائلینِ متعہ کے زمرہ میں شمار کر رہے ہیں، اور دوسری طرف اہلِ سنّت کے ایک عالم کے متعلق یہ رائے زنی کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم مسلک والوں سے ڈر کر دبک گئے۔ یہ تضاد بیانی اور تناقض ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر آنجناب اس تضاد و تناقض کو رفع فرما دیں تو مولانا مرحوم کی پوزیشن بھی واضح ہو جائے گی اور ہم بھی آپ کی بات کو سمجھ سکیں گے۔

ثانیاً:۔ آپ مولانا مودودی کے جس فتویٰ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ دراصل ان کا ذاتی نظریہ نہ تھا، بلکہ شیعہ حضرات کی اصلاح کے لیئے تھا۔ مگر بعض لوگوں کو اس سے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تو مولانا مرحوم نے خود ہی اپنی بعد کی تحریر میں انہیں رفع کر دیا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

> اس مسئلہ میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کا مدعا دراصل یہ بتانا تھا کہ صحابہؓ تابعینؒ اور فقہاءؒ میں سے جو چند بزرگ جوازِ متعہ کے قائل ہوئے ہیں ان کا منشا اس فعل کا مطلق جواز نہ تھا بلکہ وہ اسے حرام سمجھتے ہوئے بحالتِ اضطرار جائز رکھتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا کہ عام حالات میں متعہ کو نکاح کی طرح معمول بنایا جائے۔
>
> اِضطرار کی ایک فرضی مثال جو میں نے دی ہے اس سے محض اِضطراری حالت کا تصوّر

دلانا مقصود تھا، تاکہ ایک شخص یہ سمجھ سکے کہ:۔

شیعہ حضرات کو اگر قائلینِ جواز کا مسلک ہی اختیار کرنا ہے تو انہیں کسی قسم کی مجبوریوں تک اسے محدود رکھنا چاہیئے۔ اس سے میں تو دراصل اُن لوگوں کے خیال کی اصلاح کرنا چاہتا تھا جنہوں نے اضطرار کی شرط اڑا کر مُتعہ کو مطلقاً حلال ٹھہرا دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میرے طرزِ بیان سے آپ کی طرح بعض اصحاب کو یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی کہ میں خود حالتِ اضطرار میں اس کو جائز قرار دے رہا ہوں۔ حالانکہ میں اس کی قطعی حرمت کا قائل ہوں۔"

اور اب سے کئی سال پہلے رسائل و مسائل حصہ دوم ص ۲۰-۲۳ میں اس کی تصریح کر چکا ہوں۔ بہر حال آپ مطمئن رہیں کہ نظرِ ثانی کے موقع پر اس عبارت میں ایسی اصلاح کر دی جائے گی کہ اس طرح کی کسی غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

یہ اَمر ملحوظِ خاطر رہے کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز تک مُتعہ کا مسئلہ مختلف فیہ تھا۔ اور اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ آیا یہ قطعی حرام ہے یا اس کی حُرمت مُردار اور خنزیر کی سی ہے۔ جو اضطرار کی حالت میں جواز سے بدل سکتی ہے۔ اکثریت پہلی بات کی قائل تھی۔ اور ایک چھوٹی سی اقلیت دوسری بات کی۔

بعد میں اہلِ سُنّت کے تمام اہلِ علم اس پر متفق ہو گئے کہ یہ قطعی حرام ہے اور جواز بحالتِ اضطرار کا مسلک ردّ کر دیا گیا۔

اس کے برعکس شیعہ حضرات نے اس کے مطلق حلال ہونے کا عقیدہ اختیار کیا اور اضطرار و ضرورت کی شرط باقی نہ رہنے دی۔ اس بحث میں جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ:۔

"متعہ کی حرمت تو بہر حال ثابت ہے" اور مطلق حلت کا خیال کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہے البتہ سلف کے ایک گروہ کی رائے میں اس کے جواز کی گنجائش اضطرار کی حالت کے لیے تھی۔ لہٰذا متعہ کے قائلین اگر انہی کی رائے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں کم از کم اس سے تو تجاوز نہ کرنا چاہئیے۔

(رسائل و مسائل ص ۵۲ حصہ سوم)

نیز مولانا مودودی مرحوم سورۃ المؤمنون میں اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

متعہ کا ذکر جب آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں کی اور توضیح کر دی جائے۔

اول :- یہ کہ اس کی حرمت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمرؓ نے حرام کیا، درست نہیں ہے۔

دوم :- یہ کہ شیعہ حضرات نے متعہ کو مطلق مباح ٹھہرانے کا جو مسلک اختیار کیا ہے اس کے لیے تو بہر حال نصوصِ کتاب و سنت میں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ صدرِ اول میں صحابہؓ، تابعینؒ اور فقہاء میں سے چند لوگ جو اس کے جواز کے قائل تھے وہ اسے صرف اِضطرار اور شدید ضرورت کی حالت میں جائز رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے نکاح کی طرح مباح مطلق اور عام حالات میں معمول بنا لینے کا قائل نہ تھا۔ ابن عباسؓ جن کا نام قائلینِ جواز میں سب سے زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے، اپنے مسلک کی توضیح خود ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ "ما ھی الا کالمیتۃ لا تحل الا للمضطر" یہ تو

مُردار کی طرح ہے کہ مُضطر کے سوا کسی کے لیئے حلال نہیں" اور اس فتویٰ سے بھی وہ اس وقت باز آ گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اباحت کی گنجائش سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر آزادانہ مُتعہ کرنے لگے ہیں۔ اور ضرورت تک اسے موقوف نہیں رکھتے۔ اس سوال کو نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ ابن عباسؓ اور ان کے ہم خیال چند گنے چُنے اصحاب نے اس مسلک سے رُجُوع کر لیا تھا یا نہیں؟

تو ان کے مسلک کو اختیار کرنے والا زیادہ سے زیادہ جواز بحالتِ اضطرار کی حد تک جا سکتا ہے۔ مطلق اباحت اور بلا ضرورت تمتع حتٰی کہ منکوحہ بیویوں تک کی موجُودگی میں بھی ممتوعات سے استفادہ کرنا تو ایک ایسی آزادی ہے، جسے ذوقِ سلیم بھی گوارا نہیں کرتا۔ کجا کہ اسے شریعتِ محمدیّہ کی طرف منسُوب کیا جائے اور ائمہ اہلِ بیت کو اس سے متہم کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ خود شیعہ حضرات میں سے بھی کوئی شریف آدمی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اس کی بیوی یا بہن کے لیئے نکاح کی بجائے مُتعہ کا پیغام دے۔ اس کے معنٰی یہ ہوتے کہ جوازِ مُتعہ کے لیئے معاشرے میں زنانِ بازاری کی طرح عورتوں کا ایک ادنیٰ طبقہ موجُود رہنا چاہیئے۔ جس سے تمتع کرنے کا دروازہ کھلا رہے یا پھر یہ کہ مُتعہ صرف غریب لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے لیئے ہو۔ اور اس سے فائدہ اٹھانا خوشحال طبقے کے مردوں کا حق ہو، کیا خُدا اور رسُولؐ کی شریعت سے اس طرح کے غیر منصفانہ قوانین کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وُہ کسی ایسے فعل کو مُباح کر دیں گے جسے ہر شریف عورت اپنے لیئے بے عزتی بھی سمجھے اور بے حیائی بھی۔ (تفہیم القرآن ص ۲۶۶ ج ۳)

مولانا مودودی صاحب کی مذکورہ عبارات دیکھنے کے بعد مولانا کو مجوزینِ مُتعہ میں شمار کرنا

حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

ہم شیعہ فاضل سے عرض کریں گے کہ بہتان و افتراء تقیہ کے مترادف نہیں ہے۔ تقیہ پر تو آپ بڑے شوق سے عمل پیرا رہیں۔ لیکن کسی دوسرے پر بہتان و افتراء نہ باندھیں۔ کیونکہ بہتان و افتراء کی ممانعت و حرمت، اہل سنت اور شیعہ ہر دو مسلکوں میں یکساں ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

موطأ مترجم اردو از مولانا وحید الزمان میں مندرجہ ذیل چند صحابہؓ کو زرقانی کے حوالہ سے قائلین متعہ میں شمار کیا ہے:۔

جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود، ابوسعید، معاویہ، اسماء بنت ابوبکر، عبداللہ بن عباس، عمرو بن حریث اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم۔

چنانچہ شیعہ فاضل نے بھی اس عبارت سے جوازِ متعہ پر استدلال کیا ہے جو کئی وجوہ سے باطل ہے۔

علامہ زرقانی نے اس اعتراض کا جواب بھی لکھا ہے، مگر مولانا وحید الزمان نے غالباً اختصار کے پیشِ نظر اعتراض کا تو ذکر کیا ہے مگر جواب کا ذکر نہیں کیا جس سے شیعہ فاضل نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ حضرات متعہ کے قائل تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چنانچہ اوّلاً علامہ زرقانی کا جواب ملاحظہ فرمائیں:۔

واجیب بان الخلاف انما کان فی الصدر الاول الی اٰخر خلافۃ عمر والاجماع انما ھو فیما بعد۔ (زرقانی شرح موطا ص ۱۵۴ ج ۳)

کہ بعض صحابہؓ کا متعہ کے سلسلہ میں اختلاف صدر اوّل سے خلافت عمرؓ تک

رہا، بعد ازاں تمام صحابہؓ کا حرمتِ متعہ پر اجماع ہو گیا۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ابو نضرہ فرماتے ہیں کہ:-

کنت عند جابر بن عبد اللہ فاتاہ آتٍ فقال ابن عباس وابن الزبیر اختلفا فی المتعتین فقال جابر فعلناھما مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم نھانا عنھما عمرُ فلم نعد لھما۔

(مسلم ص ۴۰۶ ج ۱)

میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کے پاس کسی نے آکر کہا کہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے بارے میں اختلاف ہوا (ابن عباسؓ جواز کا اور ابن زبیرؓ حرمت کا) تو حضرت جابرؓ نے کہا، ہم نے دونوں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کیے ہیں پھر حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے روک دیا۔ تو ہم باز آگئے۔

لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ صحابہؓ ہمیشہ کے لیے حلتِ متعہ کے قائل رہے ہیں، اس پر لازم ہے کہ اہلِ سُنت کی کُتب سے کوئی ایسی دلیل دکھائے جس میں یہ صراحت ہو کہ اعلانِ فاروقیؓ کے بعد بھی وہ متعہ کے قائل و عامل رہے ہیں۔

و دونہ خرط القتاد ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۰

ثانیاً — استدلال اس لیئے غلط ہے کہ شیعہ فاضل کا دعویٰ تو عام ہے مگر مستدل بہ خاص ہے مطلب یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ کیا گیا ہے کہ "اکثر صحابہؓ متعہ کے قائل و عامل رہے ہیں"۔ مگر مولانا وحید الزمان کی جس عبارت سے استدلال کیا ہے ان میں صرف آٹھ نام ظاہر کیے گئے ہیں۔ جن میں سے چار یعنی جابرؓ، ابن عباسؓ، حضرت اسماءؓ،

عمرو بن حویرثؓ کی پوزیشن تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ دیگر صحابہؓ کی طرح وہ بھی حرمت متعہ کے قائل تھے۔

باقی رہی جابر کی بات تو بفرض محال اگر فاضل مذکور کا دعویٰ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ صحابیؓ اعلانِ فاروقیؓ کے بعد بھی جواز کے قائل رہے ہیں تو اس سے موصوف کا کم از کم یہ دعویٰ تو باطل ہو گیا کہ "اکثر صحابہؓ ہمیشہ کے لیے متعہ کے قائل و عامل رہے ہیں"۔ کیونکہ جابر کے متعلق اکثریت کا دعویٰ کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔

عورتوں کا ختنہ

ہم نے حرمت متعہ میں دریافت کیا تھا کہ اگر آپ آباً عن جدٍ شیعہ ہیں تو آپ کے دادا نے ضرور متعہ کیا ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں آپ ہی جانتے ہیں کہ کون پیدا ہوا؟ اسی طرح آپ کے باپ نے بھی ضرور متعہ کیا ہوگا جس کے نتیجہ میں خود آپ ہی بتائیں کون پیدا ہوا؟

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

سوال بڑا معقول تھا کیونکہ شیعہ کے ہاں متعہ کی جو حیثیت ہے اور اس کے جو فضائل و مناقب ہیں اس کے پیشِ نظر کوئی شیعہ اس وقت تک شیعہ نہیں ہوسکتا جب تک متعہ شریف پر عامل نہ ہو۔ لہٰذا بظاہر یہ جواب ہونا چاہیئے تھا کہ ہاں، میں اور میرا باپ دونوں متعہ شریف کی پیداوار ہیں۔

مگر بیہودگی اور بے حیائی کے ساتھ ختنہ کے بارے میں ایک حدیث لکھ کر مجھ سے اسی انداز سے سوال کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شیعہ دوست پرلے درجے کا جاہل و احمق ہے۔ کیونکہ شیعہ کے ہاں متعہ کی جو پوزیشن و حیثیت ہے وہ ہمارے ہاں ختنہ کی نہیں ہے۔ کیونکہ ختنہ ہمارے ہاں صرف مردوں کے لیئے سنّت ہے۔ عورتوں

سے کہ یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ، صرف ایک مباح فعل ہے۔ اور نہ یہ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام قبائل میں مروج تھا بلکہ صرف بعض قبائل کی عورتیں اس کی ضرورت محسوس کرتی تھیں جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ازواج النبیؐ اور بنات النبیؐ اور تمام نساء اہل بیت میں سے کسی نے بھی ختنہ نہیں کیا۔ اگر یہ فرض' واجب ہوتا تو ضرور اس پر عمل ہوتا۔

مگر معاملہ اس کے برعکس ہے اور آج بھی مسلم دنیا میں اس پر کوئی عمل نہیں ہے لہٰذا میرے سوال کے مطابق شیعہ دوست کا مجھ سے سوال کرنا گندگی اور بے ہودگی ہے۔

ہاں البتہ کتب شیعہ کے مطالعہ سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ختنہ ضروری ہے اور یہ ان کے عقیدہ کی بات ہے۔ مگر عمل ان حضرات کا بھی اس پہ نہیں ہے جن کے ہاں ختنۃ النساء فرض ہے۔ جب وہ اس پہ عمل نہیں کرتے تو ہمیں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کس منہ سے سناتے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک یہ عمل صرف ایک مباح فعل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مزید برآں آج اس پہ کسی کا عمل بھی نہیں ہے۔

امید ہے، ہماری اس وضاحت سے شیعہ دوست اپنی بیان کردہ گردان واپس لے لیں گے۔ اور اسے اپنے عمل یا عقیدہ تک ہی محدود رکھیں گے۔

مُتعہ اور زِنا کا مُوازَنہ

ہم نے اپنے مضمون میں بحوالہ بیہقیؒ یہ روایت نقل کی تھی کہ :-

عن جعفر بن محمد انہ سئل عن المتعۃ فقال ھی الزنا بعینہ ۔

یعنی مُتعہ بعینہ زِنا ہے ۔

لیکن شیعہ فاضل نے اُسے زِنا ماننے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا ہم اُن کی تسلّی کے لیئے زِنا اور مُتعہ کا مُوازنہ پیش کرتے ہیں جسے دیکھ کر کوئی بھی ذی ہوش معمُولی علم سے مَس رکھنے والا بھی مُتعہ کو زِنا سمجھنے پر مجبُور ہوگا ۔

مُتعہ کے لغوی معنی نفع و فائدہ کے ہیں ۔

الاستمتاع فی اللغۃ الانتفاع وکل من انتفع بہ فھو متاع ۔

اور شیعوں کی شرعی اصطلاح میں جب ایک شیعہ مرد کسی شیعہ عورت کو مقررّہ وقت کے لیئے اور مقررہ اُجرت کے عوض مُجامعت کی خاطر ٹھیکہ پہ لے تو اُسے مُتعہ کہتے ہیں ۔

انما ھی مستأجرۃ (کافی جلد ۲ کتاب اوّل ص ۱۱۹)

ممتوعہ عورت ٹھیکہ کی چیز ہوتی ہے ۔

مُتعہ اور زِنا میں کُل مراحل یکساں ہیں ، سوائے اس کے کہ زِنا میں صیغہ مُتعہ نہیں پڑھا جاتا کہ عورت کہتی ہے متعتک نفسی (میں نے اپنے نفس کو تیرے مُتعہ

میں دیا) اور مرد کہتا ہے۔ قبلتك (میں نے قبول کیا) (جامع عباسی ص ۱۳۵)

ورنہ مندرجہ ذیل موازنہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ متعہ اور زنا میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

زِنا	مُتعہ
۱۔ زِنا میں اُجرت پیشگی دی جاتی ہے	۱۔ مُتعہ میں اُجرت پیشگی۔ کیونکہ مابعد کا دعوٰی عدالت میں ممنوعِ سماعت ہے اس لئے کہ یہ معاوضہ معاہدہ ناجائز ہے ([illegible] ص ۲۹۵)
۲۔ زِنا میں اُجرت کا تعیّن نہیں۔	۲۔ مُتعہ میں بھی ایک مٹھی گندم (کف من بر) یا ایک لقمہ طعام (کف من طعام) سے لے کر لاتعداد رقم نقد تک ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مَرد کی حیثیت و حوصلہ پہ اس کا اِنحصار ہے۔ (کافی ج ۲ کتاب اوّل ص ۱۹۴)
۳۔ زِنا کے لیے تعیّنِ وقت ضروری ہے۔	۳۔ مُتعہ بھی اس کے بغیر ناجائز ہے۔ اگر میعاد گھڑی گھنٹہ کی رُو سے معیّن نہ ہوگی تو مُتعہ باطل ہے۔ خواہ وقت ایک گھڑی گھنٹہ سے لے کر ایک ماہ یا ایک سال ہو۔ مَرد کی فرصت، حیثیت اس امر کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ (جامع عباسی ص ۱۳۵)

زِنا	مُتعہ
۴۔ زِنا میں تنہائی اور پوشیدگی ضروری ہے۔	۴۔ مُتعہ کے لیئے بھی اشتہار و اعلان کی ضرورت نہیں۔ لیس فی المتعۃ اشتہار ولا اعلان (تہذیب الاحکام باب النکاح ص ۲۶۱ ج ۲)
۵۔ زِنا چونکہ فعل غیر شرعی ہے۔ اس لیئے عورتوں کی تعداد کی قید شرعی طور پہ عبث فعل ہے۔ خواہ ایک مرد ایک وقت میں دس عورتوں سے زِنا کرے۔	۵۔ مُتعہ کے لیئے بھی اس قسم کا کوئی تعین نہیں ہے۔ تزوّج منھنّ الفاً فانّھنّ مستاجرات۔ (کافی ج ۲ کتاب الاوّل ص ۱۹۱) خواہ ہزار عورتوں سے مُتعہ کرو۔ کیونکہ وہ تو ٹھیکہ کی چیزیں ہیں۔
۶۔ پیشہ ور زانیہ عورتیں بے حجاب ہوا کرتی ہیں۔	۶۔ ممتوعہ کے لیئے بھی پردہ کی قید لگانی ناجائز ہے۔ (استبصار کتاب الحدود باب ما یحصن)
۷۔ زِنا بغرضِ رفعِ حاجت شہوانی ہوتا ہے نہ کہ بقائے نسل انسانی۔	۷۔ مُتعہ کی غرض و غایت بھی یہی ہے بلکہ مُتعہ میں منی کا اخراج اور اس کا پھینکنا مقصود ہوتا ہے۔ خواہ مرد بوقتِ انزال منی عورت کے رحم سے باہر گرا دے۔ (تنبیہ المنکرین ص ۶ ، جامع عباسی ص ۱۵۵)
۸۔ زِنا میں بھی جس وقت مرد چاہے بلا	۸۔ یہی حالت بعینہٖ متعہ میں بھی پائی جاتی ہے

زِنا	مُتعہ
طلاق دیئے اپنے آپ کو عورت سے الگ کر سکتا ہے۔	طلاق کی ضرورت یہاں بھی نہیں۔ (جامع عباسی ص ۱۳۵)
۹۔ زِنا میں بھی نہ توارُث فی الاولاد ہے اور نہ ہی ما بین فریقین (یعنی نہ اولاد کو حق وراثت پہنچتا ہے، نہ مرد عورت میں سے کسی کو کوئی حق۔)	۹۔ یہی عمل مُتعہ میں بھی جاری ہے۔ لا ترثني ولا ارثك (فروع کافی ج ۲ کتاب الاوّل ص ۱۹۳) اور (جامع عباسی ص ۱۳۵)
۱۰۔ زِنا میں بھی عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمّہ نہیں ہوتا۔	۱۰۔ مُتعہ میں بھی یہ حالت یکساں ہے۔ (جامع عباسی ص ۱۳۵)

اندکے با تو گفتم و بسیار ترسیدم
کہ تو آزُردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مُتعہ خالص زِنا ہے۔ یہ کسی صورت میں بھی زِنا کی کیفیت سے خارِج نہیں۔ متعہ اور زِنا میں تقیّہ اور جھوٹ کی طرح صرف نام کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے۔

مُتعہ کے متعلّق ایک عجیب و غریب حکایت

مشہور تارک الدُنیا سیّاح سید غوث علی شاہ پانی پتی مُتعہ کے متعلّق اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:-

لکھنؤ میں ایک امیر زادہ شیعہ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اِتفاق سے اس کی تاریخِ نکاح قرار پائی۔ بارات کے وقت خود آیا اور باصرار تمام ایک ہاتھی پر سوار کرا کے ہم کو بھی لے گیا۔

صیغہ شروع ہونے کو تھا کہ ایک دایہ سرِ محفل آکر کہنے لگی کہ اس نیک بخت پارسا لڑکی کو پانچ مہینے کا حمل بھی ہے۔ مگر حرام کا نہیں بلکہ مُتعہ شرعی کا ہے یہ بات سُن کر دُولہا چونکا۔ اور بے باکانہ کہہ اُٹھا کہ میں نے نکاح نہیں کرنا ہر چند لوگوں نے سمجھایا ایک نہ مانی۔ اس کے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا بہت معتقد ہے، آپ ہی اس کو سمجھائیے۔ ہمارا تو کہنا مانتا نہیں۔

ناچار ہم نے پاس جاکر کہا کہ صاحبزادے وجہِ انکار کیا ہے؟

بولا کہ حضرت یہ بچپن کی چاٹ لگی ہُوئی آئندہ کب چھُوٹے گی۔

ہم نے کہا کہ میاں جب تمہارے مذہب میں یہ امر جائز ہے تو پھر بُرا کیوں سمجھتے ہو۔

کہا بس صاحب ایسے مذہب کو میرا سلام۔ اس کے باپ نے کہا کہ ہیں کیا تو سُنّی ہو گیا؟

بولا ہاں! پہلے تو نہ تھا، مگر اب ہو گیا ہُوں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور محفل درہم برہم ہو گئی۔ آخر اس نے باصرار ہمارے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(تذکرہ غوثیہ ص ۱۱۳)

ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کتابچہ "جوازِ متعہ" کے مؤلف خادم حسین بخاری اور اب کے دعویدار سید بشیر حسین بخاری سرگودھا نے عقل و خرد کے تقاضوں کے سراسر خلاف تقاضہ کیا، کہ اہلِ سنّت کے ساتھ ساتھ شیعہ علماء سے بھی حرمتِ متعہ سے متعلق تصریحات پیش کی جانی چاہیئے تھیں۔

حالانکہ مؤلفِ کتابچہ نے اکثر صحابہ کرام کو (للاکثر حکم الکل) کو متعہ کا قائل و عامل قرار دیا ہے۔ اور ائمہ و علماء اہلِ سنّت سے جواز ثابت کرنے کی کوشش کی تو ہم نے اس سلسلہ میں اہلسنّت ہی کا موقف پیش کرنا تھا نہ کہ شیعہ کا۔

تاہم آئندہ صفحات میں ہم ان کا یہ شوق بھی پورا کر رہے ہیں۔ لیجئے، ذرا پہچان لیجئے! اپنے فاضل شیعہ مضمون نگار کو جن کا تعارف اور پھر مضمون پیشِ خدمت ہے:-

مؤلف کا تعارف

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی الامام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے پوتے ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں بمقام "نجف اشرف" پیدا ہوئے۔ اور وہیں یونیورسٹی میں مروّجہ تعلیم حاصل کی، اور اجتہاد کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۵ء میں طہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔

۱۹۶۰ء سے ۶۲ء تک بغداد یونیورسٹی میں اقتصادِ اسلامی کے پروفیسر رہے۔

۱۹۶۸ء سے ۷۸ء تک بغداد یونیورسٹی میں اسلامی فلسفہ کے پروفیسر رہے۔

۱۹۷۲ء سے ۷۴ء تک ہالہ یونیورسٹی جمہوریہ جرمنی میں طرابلس یونیورسٹی لیبیا میں مہمان استاذ (VISITING PROFESSOR) رہے۔

۱۹۷۵ء سے ۷۶ء تک ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں استاذِ باحث (ریسرچ پروفیسر) کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۷۸ء میں لاس اینجلس یونیورسٹی میں مہمان استاذ ہو کر گئے۔

۱۹۷۹ء میں مغربی امریکہ کی "المجلس الاسلامی الاعلیٰ" کے منتخب صدر نشین ہیں۔

موصوف کی اب تک نو عربی کتب طبع ہو چکی ہیں۔

آپ بڑے بلند پایہ شیعہ محقق ہیں، ایرانی انقلاب کا انہوں نے نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کے لیے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ آیت اللہ خمینی کے ساتھ ان کے قریبی روابط رہے۔ جلاوطنی کے ایام میں انہوں نے بارہا ان کی دستگیری کی، ڈھارس بندھائی اور ان کے کام آئے، خمینی کے مقتول بیٹے مصطفےٰ خمینی کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

وقتی نکاح یا مُتعہ

> کوئی ایسی اُمّت اپنی ماؤں، جن کے قدموں میں اللہ نے جنّت رکھی ہے، کے شرف و وقار کا تحفّظ کیونکر کرسکتی ہے جو نکاح مُتعہ کو جائز کہتی اور اس پر عمل بھی کرتی ہو۔
>
> اصلاحِ شیعہ

مُتعہ سے مُراد وقتی نکاح ہے جس پر ایران میں شیعہ عمل کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے جن دُوسرے علاقوں میں وُہ آباد ہیں اگر کوئی سبیل نکلتی ہو تو وہاں بھی کرتے ہوں۔

یہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پرانے لایعنی فقہی بحث و جدل میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں جس پر صدیاں بیت گئیں۔ تفسیر و فقہ وغیرہ کی کتابیں ان فقہی جدل کے مباحث سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن ان سے کسی فائدے کی اُمّید نہیں رکھی جاسکتی۔ لیکن ان سب کے باوجُود میں قارئین کے سامنے اس فقہی جدل کی مختصر روئیداد رکھتا ہوں۔ اس کے بعد ان ہولناک خطرات کی نشاندہی کروں گا جو شیعہ کو اس بدترین نظریہ کو سرے سے ختم نہ کرنے کی صورت میں اجتماعی، اخلاقی اور انسانی مسائل کے گرداب میں پھنسا سکتے ہیں۔ میں اوّل و آخر شیعہ نوجوان نسل کو اس پُرخار اور بدنما راستے پر چلانے کی تمام تر ذمہ داری فقہاء پر ڈالتا ہوں۔ اس کی تمام تر مسئولیت و جواب دہی انہی کے کندھوں پر ہے۔

شیعہ فقہاء، اللہ انہیں معاف کرے، کہتے ہیں کہ:

"متعہ عہدِ نبوی، عہدِ خلیفہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نصف عہدِ خلافت میں مباح اور جائز تھا۔ عمرؓ بن خطاب نے اسے حرام کر دیا۔ اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔" اس پر وہ اُن روایتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ جو کتبِ شیعہ اور بعض کتبِ اہل السنّہ میں مروی ہیں۔

جہاں تک دیگر اسلامی فرقوں کا تعلّق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ متعہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی۔ عصرِ رسالت کے ابتدائی سالوں میں لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا، تا آنکہ حجۃ الوداع یا خیبر کے دن رسُول اللہ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح شراب جو بعثتِ نبویؐ کے کئی سال بعد حرام کی گئی۔ جب اس کے بارے میں آیاتِ تحریم نازل ہوئیں۔

یہ خلاصہ ہے اس فقہی نزاع اور جدل کا جو ہزار برس سے متعہ کے متعلق جاری ہے۔

یقیناً یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ بعض بڑے شیعہ علماء نے وقتی شادی (نکاحِ متعہ) کا دفاع کرتے ہوئے اس کے حق میں آواز بلند کی، اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس کارنامے پر فخر کرتے اور اتراتے پھرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عزت و کرامت اور ذوق کے منافی بدترین نوپید مذہبی رسم کی حقیقی نقشہ کشی کے لیے کسی تکلّف کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن مَیں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے اس فقہی نظریہ کو دلائل سے طشت از بام کروں جو اس کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اس سے اگلا قدم پھر اُٹھاؤں گا تاکہ شیعہ کو مسئلہ کی سنگینی اور اس بلائے بد کی اہمیت کا پتہ چل جائے۔

شیعی عرف اور ہمارے فقہاءِ شیعہ کے فتویٰ جواز کے مطابق وقتی شادی یا متعہ صرف یہ ہے کہ ایک ہی شرط پر جنسی تعلقات کی عام آزادی ہے۔ پس عورت کسی کے حبالۂ عقد میں نہ ہو

تو اس سے ایجاب و قبول کے ذریعے نکاح جائز ہے۔ کوئی بھی شخص دو کلموں میں یہ نکاح کر سکتا ہے، نہ گواہوں کی ضرورت اور نہ کسی خرچ اخراجات کی۔ اور مدتِ نکاح بھی اپنی حسبِ منشاء رکھ سکتا ہے۔ اور مطلق اختیارات بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ چاہے تو ایک ہی چھت تلے متعے کے ساتھ اپنے پاس ہزار بیوی جمع کر لے۔

یہ فقہی نظریہ کہ متعہ کی حرمت حضرت عمرؓ بن خطاب کے حکم سے کی گئی، حضرت علیؓ کے عمل سے باطل ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس حرمت کے حکم کو برقرار رکھا اور جوازِ متعہ کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ شیعی عرف اور ہمارے فقہاء شیعہ کی رائے کے مطابق امام کا عمل حجت ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ امام با اختیار ہو۔ اظہار رائے کی آزادی رکھتا ہو۔ اور احکام الٰہی کے اوامر و نواہی بیان کر سکتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت امام علیؓ نے منصبِ خلافت قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ اور اس کی قبولیت کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ کارِ حکومت میں صرف ان کی رائے اور اجتہاد ہی کار فرما ہوں گے۔ اس صورت میں امام علیؓ کی حرمتِ متعہ کو برقرار رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عہدِ نبویؐ میں حرام تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ اس حکمِ تحریم کی مخالفت کرتے اور اس کے متعلق صحیح حکمِ الٰہی بیان کرتے۔ اور عمل امام شیعہ پر حجت ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء شیعہ کو یہ جرأت کیسے ہوتی ہے کہ وہ اس کو دیوار پر مار دیتے ہیں۔

جیسا کہ میں تھوڑی دیر پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں فقہی بحث و جدل سے ہٹ کر بعض دیگر اہم ترین زاویوں سے متعہ کا گہری نظر سے جائزہ لوں گا۔ اس کے بعد فرزندانِ شیعہ امامیہ میں سے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کے سامنے اس کی بھیانک صورت رکھوں گا۔ میری تمام اصلاحی کوشش اور اس کی عملی صورت گری اسی طبقہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

انہی سے مجھے اُمید اور توقّع ہے کہ وُہ اصلاح و تصحیح کی مَساعی کو آگے چلانے کے لیئے قیادت کریں گے۔ بلا شُبہ جو اسلام انسان کی تکریم کے لیئے آیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہوا ہے :-

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ" (الاسراء : ۷۰)

ہم نے بنی آدم کو عزّت و تکریم بخشی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" (الحدیث)

مجھے مکارِم اَخلاق کی تکمیل کے لیئے بھیجا گیا ہے۔

کیا ممکن ہے کہ یہ اسلام کوئی ایسا قانون دے جس میں ایسی جنسی اِباحت ہو، اور عورت کے وقار کی اس حد تک توہین کی گئی ہو کہ جس کی نظیر ہمیں اباحیت پر قائم معاشروں کی قدیم و جدید تاریخ میں کہیں نہ مل سکے حتّٰی کہ "لوئی چہاردہم" "وارسا" میں واقع اپنے محل میں، تُرکی اور فارسی بادشاہ اپنے محلّات میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت میں بنی آدم کے لفظ میں مَرد و عورت دونوں برابر شامل ہیں۔ اور جن مکارِم اَخلاق کی تکمیل کے لیئے رسولُ اللہ تشریف لائے تھے، وُہ بھی مَرد و عورت دونوں جنسوں کے لیئے ہیں۔ قانونِ مُتعہ میں عورت کی تکریم اور اس کے اَخلاق کی حفاظت کا کیا مقام ہے؟ اِس قانون میں عورت کا مقام صرف ذلّت و رسوائی ہے۔ اور اس کی حیثیّت بالکل اس سَودے کی طرح ہے جسے مَرد جب چاہے ایک کے بعد دُوسرا بغیر کسی حد و شمار کے بَدلتا رہے۔ عورت جسے اللہ تعالیٰ نے اس شرف سے نوازا ہے کہ جہاں وُہ ماں کی حیثیّت سے عظیم مَردوں اور عورتوں کو برابر طور پر جنم دیتی ہے، وہاں اسے ایک ایسا مرتبہ بھی دیا ہے جو

ماں کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔ فرمایا:۔

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ

جنّت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

کیا اس بلند مرتبہ ماں کے شایانِ شان ہے کہ وہ اپنے اوقات یکے بعد دیگرے مختلف مردوں کی آغوشِ عشرت میں داد عیش دیتے ہوئے گزارے۔ اور ایسا ہو بھی شریعت کے نام سے؟

ہمارے بعض فقہاء نے۔ اللہ انہیں معاف کرے، متعہ کی ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے ایسا شرعی قانون دیا جس کی بدولت مرد بدکاری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اس کے ذہن میں یہ پہلو نہ آیا کہ اسلام صرف مردوں ہی کا دین نہیں، بلکہ یہ پوری انسانیت کے لیئے نازل ہوا ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ اور قوانینِ الٰہیہ اور شرائع سماویہ اس لیئے نہیں اتریں کہ انسان کی شہوتیں اور جنسی تقاضے شریعت و قانون کے پردے میں پورے ہوتے رہیں۔ اسلام تو اس لیئے آیا ہے کہ لوگوں کو زمانۂ جاہلیت کی اباحیت سے نکال کر فضائل و اخلاق سے آراستہ کرے، نہ اس لیئے کہ جاہلیت اور اس کے مظاہر کو تشریع اور قانون الٰہی کا تقدّس دے۔

اسلام بیک وقت چار سے زائد بیویاں جمع کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لیئے سخت ترین شرط رکھتا ہے۔

جیسا کہ آیت ذیل میں تصریح آئی ہے:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ط (نساء: ۳)

"پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔"
اور بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنا مشکل ترین کام ہے۔ بعض اوقات تو ناممکن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم کی شرط (عدالت) رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد کو مقید رکھا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تعدد ازواج کے راستہ پر چلتا ہوا انسان طبعی تقاضے، بشری ضرورت، نسل اور خاندان کی تنظیم اور امت کے مفاد سے بڑھ کر شہوات نفسانی کی وادی میں چل نکلے۔ اسی لیئے طلاق کی کراہت کے متعلق سختی سے بیان ہوا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

اِنَّ اَبْغَضَ الحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ ۔ (حدیث)

حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔

اور طلاق کو بھی سخت ترین شروط و قیود کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ ان شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "وقوعِ طلاق کے لیئے دو گواہوں کی حاضری ضروری ہے۔"
ایک ایسا آسمانی دین جس کا موقف نکاح اور اس کی شروط کے بارے میں اتنا واضح اور ٹھوس ہو۔ کیا یہ بات قرینِ عقل ہے کہ وہ خود ہی اپنے اس قانون کے منافی کوئی ایسا قانون جاری کرے جس میں اتنی بے لگام اباحیت ہو کہ آسمان اور زمین اس سے لرزنے لگیں۔ اور اسلام جیسا دین ایسی اباحیت کا اختیار دے؟
اب یہاں میں قاری کے سامنے نکاح کی دو مختلف صورتیں پیش کرتا ہوں۔
ایک پر شیعہ سمیت تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور وہ ہے ہمیشہ کے لیئے نکاح

کرنا، اور دوسری صورت عارضی نکاح یا متعے کی ہے۔ جس کے جواز کا فتویٰ صرف امامیہ کے فقہاء دیتے ہیں۔

اور میں شیعہ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ اس کے بارے میں اپنے ریمارکس دیں۔

تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ دائمی نکاح کی شرطیں۔	عارضی نکاح جس پر صرف شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔
۱۔ دو گواہوں کے رو برو عقد نکاح پر مشتمل الفاظ بولنے پر زوجین میں نکاح مکمل ہوگا۔	۱۔ بغیر گواہ کے صرف عقد پر مشتمل الفاظ بولنے سے نکاح ہو جائے گا۔
۲۔ رہائش اور لباس سمیت بیوی کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے۔	۲۔ بیوی کے اخراجات کے متعلق خاوند با اختیار ہے۔
۳۔ خاوند چار سے زائد بیویاں ایک وقت میں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اور چار کی اجازت بھی سخت ترین شروط کے ساتھ ہے	۳۔ خاوند کو اجازت ہے کہ وہ لاتعداد بیویاں بغیر کسی شرط کے رکھ سکتا ہے۔
۴۔ خاوند کے پہلے فوت ہو جانے کی صورت میں بیوی اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔	۴۔ بیوی خاوند کی وارث نہیں ہوتی۔
۵۔ کنواری لڑکی کے نکاح کے لیئے اس کے باپ کی اجازت و منظوری شرط ہے۔	۵۔ کسی حالت میں بھی باپ کی موافقت شرط نہیں۔

۶۔ دائمی نکاح کی مدت زوجین کی پوری زندگی ہے۔	۶۔ عارضی نکاح کی مدت پندرہ منٹ بھی ہو سکتی ہے۔ ایک دن بھی اور نوّے برس بھی، جس قدر مدت خاوند تجویز کرے، اور بیوی اُسے قبول کرے۔
شروطِ طلاق	**شروطِ طلاق**
۱۔ دو عادل گواہوں کے سامنے لفظ طلاق بولنے سے ہی طلاق واقع ہو گی۔	۱۔ فسخ اور اپنی بقیہ مدت ہبہ کرنے کے الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ شیعہ جسے فسخِ عقد کا نام دیتے ہیں۔
۲۔ عورت کے لیے تین ماہ دس دن طلاق کی عدت ہے۔	۲۔ عورت کے لیے فسخ کی عدت وہی ہو گی جو لونڈی کی آزاد ہونے پر ہوتی ہے یعنی آزاد عورت کی عدت سے نصف مدت۔
۳۔ عورت ایامِ ماہواری میں ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۳۔ ہر حال میں فسخ واقع ہو جائے گا۔
۴۔ عدت کے دوران بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے۔	۴۔ ایامِ عدت فسخ میں خاوند با اختیار ہے بیوی کے اخراجات برداشت کرے یا آنکھیں پھیر لے۔

یہ تقابلی نقشہ جو ہم نے پیش کیا ہے اس پر گہری نظر ڈال لینے کے بعد متعہ کے معاشرتی خطرات و فسادات پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ

ندائے اصلاح اپنے گرد ان تمام فرزندانِ شیعہ کو جمع کرلے گی۔ جو ایسے قلب و نظر سے بہرہ ور اور ایسی سوچ رکھتے ہیں جس سے وہ معاملے کی سنگینی، گراں باری اور ذلّت و رسوائی کا ادراک کرتے ہیں۔ اور معاملہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

اصلاح

یہاں مسئلہ تصحیح سے بہت زیادہ اہم ہے۔ یہ بڑی ہوش رُبا حالتِ بدشیعہ افکار میں داخل ہو گئی ہے حتیٰ کہ وہ روایات جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں آئی ہیں خواہ وہ کتبِ شیعہ میں ہوں یا دیگر لوگوں کی کتابوں میں حتیٰ کہ وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ صدر اسلام میں جائز تھا تا آنکہ خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے اسے حرام قرار دے دیا۔ میں یہی باور کرتا ہوں کہ یہ تمام روایات اسلام کے رُخِ زیبا کو داغ دار کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ اور دوسری جانب دیگر تمام اسلامی فرقوں نے اس نظریہ کی اہمیت اور اس کے بڑے بڑے معاشرتی اور اخلاقی مفاسد کی کنہہ کو پاکر اس کے مقابلے میں ایسا موقف اختیار کیا جو حق، عدل اور فضیلت کے امتیازی نشانات کا حامل ہے۔

لیکن ہمارے فقہاءِ شیعہ یا تو مسئلہ کی سنگینی کا ادراک نہیں کرسکے، یا سب کچھ سمجھنے کے باوجود صرف جمہور اہلِ اسلام کی مخالفت کے شوق میں ہی متعہ جیسی غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والی لعنت کو حلال قرار دیا۔ اور اس کی اجازت دی۔ کیونکہ جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی فضیلت میں کئی روایات وضع کرکے انہیں جھوٹ اور بہتان باندھتے ہوئے امام صادق کی طرف منسوب کیا گیا۔ جن میں آیا ہے،

"الرشد فی خلافھم"

ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔

"یعنی اہل السنّتہ والجماعت کی رائے سے اختلاف کرنے میں ہی رُشد و ہدایت ہے۔"

ہمارے فقہاء کے فقہی استدلالات میں اس ناقابلِ فہم پیچیدگی کے علاوہ میرا خیال ہے کہ وقتی نکاح کے نظریہ کو خصوصاً شیعہ نوجوانوں کے لیئے مذہب کو جاذبِ نظر بنانے کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس مذہب میں کچھ خاص امتیازات ہیں جنہیں دیگر اسلامی مذاہب تسلیم نہیں کرتے۔ بلاشبہ دین کے نام سے جائز قرار دے کر جنسی لالچ دینا ایک ایسا عمل ہے جو اپنے اندر ہر جگہ اور ہر وقت نوجوانوں اور کمزور طبع لوگوں کے لیئے بڑی کشش رکھتا ہے جب میں اپنی کتب روایات میں ایسی روایات پڑھتا ہوں جو مُتعہ کی فضیلت، اس کے ثواب اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لیئے ائمہ کے نام منسوب ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجّب نہیں ہوتا۔ میں ان روایتوں کے بارے میں اپنے صریح اور واشگاف موقف کی طرف اس کتاب میں کئی مقامات میں اشارہ کر چکا ہوں۔

اور ہماری تمام تر توجّہ اسی پر مرکوز ہے کہ شیعہ گروہ کو اللہ ان روایات سے نجات دلائے۔

میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو شیعہ کے مستقبل، اصلاح کے بارے میں ان کے موقف، اس کے اصول و مبادی کی طرف غیر مشروط رجحان و میلان سے لمحہ بھر کے لیئے بھی نااُمیدی سے دوچار نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس اصلاحی کوشش کو ابتدائی مرحلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن کلمہ حق بالآخر اپنا راستہ خود بخود بنا لیا کرتا ہے۔ بیدار مغز، تعلیم یافتہ، مہذب طبقہ جو اپنے آپ کو ان ناکارہ افکار سے آزاد کرا سکتا ہے جو انہیں ماں، باپ اور فقہاء و مشائخ نے تلقین کیئے ہوں، کی خصوصی توجّہ دنیا بھر میں شیعہ کے مستقبل کی بہترین ضمانت ہے۔

میں ایک بار پھر عارضی نکاح کی طرف آتا ہوں، اور ان فقہاء سے سوال کرتا ہوں جو متعہ کے جواز اور اس پر عمل کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، کیا وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی کسی حرکت کی اجازت دینا پسند کریں گے؟ یا ان کے بارے میں ایسی بات سن کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، رگیں پھول جائیں گی اور غصے پر قابو نہیں رکھ سکیں گے؟

میرے اس سوال کے قریب قریب ہی کسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بڑے عالم سید امین عاملی نے کہا تھا:

"اگر متعہ جائز ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شخص اس پر عمل کرے؟ ایسے کتنے ہی مباح امور ہیں جو پاکدامنی، شخصیت کا وقار اور برتری ملحوظ رکھ کر ترک کر دیئے جاتے ہیں۔" (الشیعہ بین الحقیقتہ والاوہام، ۲۵۷)

لیکن میں کہوں گا کہ بات بالکل واضح ہے، کہ مسئلہ کی صورت یہ نہیں ہے یعنی جو لوگ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور قرابت داروں کے لیے متعہ پسند نہیں کرتے، یہ اجتناب پاکدامنی اور بلند اخلاقی تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے خیال میں یہ گھریلو وقار، خاندانی شرافت کے منافی، رسواکن اور معیوب امر ہے۔

اور بعض شیعی علاقوں کی صورتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فقیہ یا اپنی قوم کے کسی سردار سے متعلقہ لڑکی سے متعہ کا مطالبہ کرے تو شاید اس سوال پر خونریزی ہو جائے۔

حتیٰ کہ ایران جہاں بعض شہروں میں عملاً یہ کاروبار جاری ہے، وہاں ایسے علاقے بھی پائے جاتے ہیں کہ وہاں کوئی شخص متعے کے بارے میں ایک کلمہ بھی زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔

ایران کے علاوہ دیگر ممالک خصوصاً بلادِ عرب میں جہاں کہیں شیعہ آباد ہیں، وہاں متعے پر بات چیت خونریزی اور ہلاکت خیزی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ پاکستان، بھارت، اور افریقہ میں معاملے کی تفصیلی نوعیت سے واقف نہیں ہوں، لیکن ان تمام علاقوں میں فقیہ اپنا فتویٰ تو تبدیل نہیں کرتا، البتہ اگر اس سے دریافت کیا جائے۔ تو اسے جائز کہتا ہے۔ لیکن وہ خود جس معاشرے میں رہ رہا ہوتا ہے، اس ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے۔

اگر اس کی بیٹی وقتی نکاح (متعہ) کے لیے طلب کر لی جائے تو وہ شورش برپا کر دے اور دنیا تہہ و بالا کر ڈالے۔

اس طرح یہ واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ناپسندیدہ مسئلے پر عمل کی اول و آخر ذمہ داری انہی لوگوں کے کندھوں پر ہے جنہوں نے مسلمان خواتین کی عصمتیں مباح قرار دیں، لیکن اپنی عصمتیں محفوظ رکھیں۔ مومن خواتین کی عزت و وقار کو رائیگاں ٹھہرایا۔ مگر اپنی بیٹیوں کی عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔
